MARCH 2010

ماہنامہ

حنا

بہار نمبر

www.pkdigest.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد	بشیر اعجاز	7
نعت	بشیر اعجاز	7
پیارے نبی کی پیاری باتیں	سید اختر ناز	8

مکمل ناول

موسم گل کی دستک	فوزیہ غزل	28
محبت کی چھاؤں میں	ثنا ظفر	72
اک پھول کھلا	طیبہ ہاشمی	134

انشانامہ

کچھ دن گریہ گرانی اور	ابن انشاء	12

ناولٹ

مجھے تم سے محبت ہے	قدسیہ یاسمین	110

انٹرویو

اداکارہ عائشہ سے ملاقات	عبداللہ	14

ناول

میرے ساحر سے کہو	ام مریم	22
پیاس دشت	فرحت شوکت	192

☆ ☆ ☆

افسانے

کبھی سمندر، کبھی ستارہ	صائمہ محبوب	19
گلابی موسم	عذرا فردوس	107
وہ میری دسترس میں تھا	زریں صدیقی	173
خواب اور تمنا	نازش امین	119

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ	فروانہ سلیم	238
میری ڈائری سے	صائمہ محمود	241
رنگ حنا	بلقیس بھٹی	244
بیاض	تسنیم طاہر	246
حنا کی محفل	عین غین	249
دسترخوان	ثمینہ احتشام	251
خبرنامہ	عبداللہ	253
کس قیامت کے یہ نامے	فوزیہ شفیق	255

www.pkdigest.com

چودھری سردار محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''حنا'' 205 سرکلر روڈ سے شائع کیا، خط و کتابت کا پتہ 207 سرکلر روڈ محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ چوک اُردو بازار لاہور،
فون نمبر 37321690-37310797 ای میل lhracd@hotmail.com

کچھ باتیں ہی ادھر کی

قارئین کرام! مارچ 2010ء کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

مارچ کا مہینہ، جب بہار کی دستک سے زندگی کے نئے رنگ کھل اٹھتے ہیں، خوش رنگ پھول، سبزہ اور ہریالی، نئی زندگی کا پیغام دے رہی ہے، قدرت کی تخلیق کردہ یہ حسین کائنات جسے کچھ مفاد پرستوں نے اپنی غلط سوچ، تعصب، اور تنگ نظری سے مسموم کر رکھا ہے، نفرت کی آگ دہکانے والے یہ لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ یہ آگ ان کا گھر بھی جلا سکتی ہے۔

پچھلے کچھ عرصے سے وطن عزیز میں بم دھماکوں کا جو سلسلہ چل نکلا ہے، اس کے نتیجے میں ہزاروں بے گناہ معصوم انسان لقمہ اجل بن گئے، ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے، ان کے پیچھے جو بھی عوامل کارفرما رہے ہوں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ظلم کا خاتمہ ظلم سے ممکن ہے؟ کیا تاریکی کو تاریکی سے ختم کیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہوگا، یاد رکھیے اندھیرا کتنا بھی گہرا کیوں نہ ہو، روشنی کی ایک ننھی سی کرن بھی اس کا سینہ چیر سکتی ہے، ظلم اور تشدد سے تو صرف نفرت ہی جنم لے سکتی ہے۔

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، لیکن ہم آج تک اسلام کی صحیح تعلیمات سے آگاہ ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکے، اسلام خیر خواہی کا مذہب ہے، امن و سلامتی کا دین ہے۔ خیر اور بھلائی کے راستے پر چل کر ہی فلاح اور کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے، محبت، خلوص، انسان اور انسانیت کے احترام میں ہی ہماری اور ہمارے ملک کی بقا ہے۔

اس شمارے میں اداکارہ "عائشہ" سے ملاقات، ام مریم اور فرحت شوکت کے سلسلے وار ناول، فوزیہ غزل، ثنا ظفر، اور طیبہ ہاشمی کے مکمل ناول، قدسیہ یاسمین کا ناولٹ اور صائمہ محبوب، نازش امین، عذرا فردوس اور زریں صدیقی کے افسانوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آراء کا منتظر

سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

تو چراغوں کی لو میں بھٹکتا دھواں
تو عیاں میں گماں، تو کہاں میں کہاں

تو بہار آفریں خوشبوؤں کا چمن
میں خزاں ہی خزاں تو کہاں میں کہاں

میں بجھے نقش پا کا ہوں اڑتا غبار
تو رواں کا رواں تو کہاں میں کہاں

میں ہوں بہتی ندی میں پڑا ایک سنگ
تو ہے آب رواں تو کہاں میں کہاں

میں سکوت سر شام کی اک صدا
تو سحر کی اذاں تو کہاں میں کہاں

میں تو صحرا کا اک ذرہ ریگ ہوں
تو مرا سائباں تو کہاں میں کہاں

تو وفا میں ریا تو عصا میں خطا
تو اماں ہی اماں تو کہاں میں کہاں

میں ہوں اعجاز اک راندہ آستاں
تو شہہ ء دو جہاں تو کہاں میں کہاں

بشیر اعجاز

نعت

چاند میں دیکھوں کبھی موج صبا میں پاؤں
میں تجھے جھومتے پھولوں کی ادا میں پاؤں

عکس شبنم میں جو جھانکوں تو نظر تو آئے
میں تجھے اہل گلستان کی نوا میں پاؤں

ہے ترے دم ہی سے قائم یہ نظام ہستی
تیرے سائے کو سدا ارض و سما میں پاؤں

ذکر سے تیرے دہن سے مرے خوشبو پھوٹے
لمحہ لمحہ تجھے دھڑکن کی صدا میں پاؤں

تیرے چہرے سے سجی رہتی ہے تصویر جہاں
تجھ کو پھولوں میں کبھی قوس و قزح میں پاؤں

جب اٹھیں ہاتھ مرے بارگاہ ء ایزد میں
میں شفاعت کو تری دست دعا میں پاؤں

نعت گوئی کی بدولت ملی اعجاز مجھے
یہ حلاوت سی جو میں اپنی زبان میں پاؤں

بشیر اعجاز

www.pkdigest.com

سید اختر ناز

فرمانِ نبی کے سنہری ارشادات

اولاد کا فرض

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور اپنے باپ کی شکایت کی کہ: ''وہ جب چاہتے ہیں میرا مال حسب منشا لے لیتے ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باپ کو طلب کیا جس نے حاضر ہو کر عرض کیا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایک زمانہ تھا جب یہ (بیٹا) کمزور اور بے بس تھا اور مجھ میں طاقت تھی۔ میں مال دار تھا اور یہ خالی ہاتھ لیکن میں نے اسے کبھی اپنی چیز لینے سے نہیں روکا۔ آج میں کمزور ہوں اور یہ قوی و تندرست ہے۔ میں خالی ہاتھ ہوں اور یہ مال دار ہے' اب یہ اپنا مال مجھ سے بچا بچا کر رکھتا ہے۔''

بوڑھے کی باتیں سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشک بار ہو گئے اور شکایت گزار بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی نظر میں اہمیت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر تھے ایک شخص سامنے سے گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

''تم لوگوں کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟''

عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! شریف لوگوں میں سے ہے واللہ اس قابل ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیغام دے تو قبول کیا جائے اور کسی کی سفارش کر دے تو مانی جائے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب سامنے سے گزرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق بھی سوال کیا۔ لوگوں نے کہا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایک مسلمان فقیر ہے۔ کہیں رشتہ دے تو شادی نہ ہو۔ کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو۔ کوئی بات کرے تو کوئی متوجہ نہ ہو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس پہلے جیسوں سے اگر ساری دنیا بھر جائے تو ان سب سے یہ شخص بہتر ہے۔''

مطلب یہ کہ محض دنیاوی شرافت اللہ کے ہاں کچھ کام کی نہیں۔ ایک مسلمان فقیر جس کی دنیا میں کچھ بھی وقعت نہ ہو' اس کی بات کہیں بھی سنی نہ جاتی ہو۔ اللہ کے ہاں سینکڑوں ان شرفاء سے بہتر ہے جن کی بات دنیا میں بڑی وقعت سے دیکھی جاتی ہے ہر شخص ان کی بات ماننے کو تیار ہو' لیکن اللہ کے یہاں ان کی کوئی وقعت نہیں۔ دنیا کا قیام ہی اللہ والوں کی برکت سے ہے۔ یہ تو حدیث میں موجود ہے۔ جس دن دنیا میں اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا تو دنیا کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اللہ کے پاک نام کی برکت یہ ہے کہ دنیا کا سارا نظام قائم ہے۔

تین غلطیوں کی نشان دہی

ایک اندھیری رات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' بنفس نفیس گشت پر نکلے تو ایک گھر میں انھیں چراغ کی روشنی دکھائی دی اور کچھ لوگوں کی

باتیں کرنے کی آوازیں بھی سنائی دیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دروازے کی جھری میں سے جھانکا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیاہ فام غلام اپنے سامنے شراب کا برتن رکھے شراب پی رہا ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں' تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازے سے داخل ہونا چاہا' مگر دروازہ بند تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھت پر چڑھے اور ہاتھ میں درہ لیے ان لوگوں کے سر پر پہنچ گئے۔

جیسے ہی ان لوگوں کی نظر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی۔ انھوں نے دروازہ کھولا اور بھاگ کھڑے ہوئے' مگر وہ سیاہ فام غلام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت میں آ گیا اور کہنے لگا۔

''امیر المومنینؓ! میں نے غلطی کی ہے مگر میں اس سے توبہ کرتا ہوں' میری توبہ قبول کر لیجیے۔''

تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

''میں تمہاری غلطی پر تمہیں سزا کے طور پر مارنا چاہتا ہوں۔'' سیاہ فام غلام بولا۔

''امیر المومنینؓ! اگر میں نے ایک غلطی کی ہے تو آپ نے تو تین غلطیاں کی ہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

(ترجمہ الحجرات ۱۲) ''اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو۔'' جبکہ آپؓ نے تجسس کیا اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

(ترجمہ البقرہ ۱۸۹) ''اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔'' جبکہ آپؓ چھت کے ذریعے اندر آئے ہیں اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

(ترجمہ نور ۲۷) ''اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لیے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔'' جبکہ آپؓ بغیر اجازت داخل ہوئے اور سلام بھی نہیں کیا' تو ان چیزوں کو اس کے ساتھ برابر کر دیں اور میں اللہ سے سچی توبہ کرتا ہوں کہ دوبارہ یہ حرکت کبھی نہیں کروں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے معاف کر دیا اور اس کی بات کو پسند فرمایا۔ (قصص العرب۔ ۱۸/۳۰)

اسلام کی بنیاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے (رسول) ہیں اور نماز کو درستگی سے ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

حیا ایمان کا حصہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ایمان کی ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں اور حیا (شرم) بھی ایمان کی شاخ ہے۔''

کون سا مسلمان افضل ہے؟

صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ ''اے اللہ کے رسول کون سا مسلمان افضل ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔''

بہترین خصلت

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔

''اسلام کی کون سی خصلت بہترین ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کھانا کھلانا اور (ہر ایک) واقف و ناواقف (مسلمان) کو سلام کرنا۔''

مسلمان بھائی کی خیر خواہی

www.pkdigest.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا' جب تک کہ جو کچھ اپنے لیے چاہتا ہے وہی کچھ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے نہ چاہے۔''

آنحضرتؐ سے محبت رکھنا

ایمان کا حصہ ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والد و اولاد اور تمام کائنات سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔''

گناہ کبیرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا۔

''تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے اور نہ چوری کرو گے نہ زنا اور اپنی اولاد قتل نہیں کرو گے اور اپنے ہاتھ اور پاؤں کے سامنے (جان بوجھ کر) کوئی بہتان بنا کر نہیں اٹھاؤ گے اور نیک کاموں میں نافرمانی نہ کرو گے۔ پھر جس نے تم میں سے یہ اقرار پورا کیا اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان (گناہوں) میں سے کچھ کر بیٹھا اور اسے دنیا میں اس کی سزا مل گئی (حد پڑ گئی) تو اس کا گناہ اتر جائے گا اور جو کوئی ان (گناہوں) میں سے کچھ کر بیٹھا پھر اللہ نے (دنیا میں) اس کی پردہ پوشی کی تو وہ اللہ کے حوالے ہے اگر چاہے تو (آخرت میں بھی) اس کو معاف کر دے اور اگر چاہے تو عذاب کرے۔''

فتنوں سے بھاگنا دین داری ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ زمانہ قریب ہے جس مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے پیچھے پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے مقاموں میں وہ اپنا دین فتنوں سے بچاتے ہوئے بھاگتا پھرے گا۔''

کامل ایمان کی نشانیاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا ایک تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو' دوسرے کسی بندے سے خالص اللہ کے لیے دوستی رکھے' تیسرے یہ کہ جب اللہ نے اسے کفر سے بچالیا تو پھر کفر میں جانا اتنا برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالا جانا۔''

اہل ایمان کا اعمال کی رو سے ایک دوسرے سے افضل ہونا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک مرتبہ میں سو رہا تھا۔ میں نے (خواب میں) لوگوں کو دیکھا۔ وہ میرے سامنے لائے جاتے ہیں اور وہ کرتے پہنے ہوئے ہیں۔ بعضوں کے کرتے چھاتیوں تک ہیں اور بعضوں کے اس سے بھی کم اور عمر بن خطاب میرے سامنے لائے گئے۔ وہ ایسا کرتہ پہنے ہیں جس کو گھسیٹ رہے ہیں۔'' (اتنا نیچا ہے)

صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اس کی تعبیر کیا دیتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''دین۔''

حیا (شرم) ایمان کا ایک جزو ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری مرد کے قریب سے گزرے اور وہ اپنے بھائی کو حیا کے کے متعلق سمجھا رہا تھا (کہ اتنی شرم کیوں کرتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا۔

''جانے دے کیونکہ شرم تو ایمان کا ایک حصہ ہے۔''

افضل اعمال

لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔

''کون سا عمل افضل ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔''

کہا گیا ''پھر کونسا؟ (عمل)۔''

''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

فرمایا ''وہ حج جو مبرور ہو'' (حج مبرور وہ ہوتا ہے جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ کسی قسم کی ریاکاری اور دکھلاوا مقصود نہ ہو۔ حلال کمائی سے ہو اور اس کے بعد انسان کی عملی زندگی میں انقلاب آجائے۔''

خاوند کی ناشکری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ (ایک لمبی حدیث میں) ''اور مجھے دوزخ دکھلائی گئی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں تو زیادہ تر عورتیں ہی ہیں جو کفر کرتی ہیں۔

لوگوں نے کہا۔

''کیا اللہ کا کفر کرتی ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''نہیں خاوند کا کفر (ناشکری) کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں۔ اگر تو ایک عورت نے ساری عمر احسان کرے پھر وہ ایک ذرا سی ایسی کوئی بات تجھ میں دیکھے (جو اسے ناپسند ہو) تو کہنے لگتی ہے کہ میں نے تو تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔''

مصالحت کرانا

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے۔

''جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے سے لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔'' میں نے عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قاتل تو خیر (ضرور دوزخی ہوگا) مقتول کیوں دوزخی ہوگا؟' فرمایا۔ ''اس کی خواہش تھی کہ اپنے ساتھی کو قتل کر دے۔''

ملازموں سے حسن سلوک

معرور نے کہا۔ ''میں ابوذر سے (ربذہ۔ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ کا نام تھا) ربذہ میں ملا۔ وہ ایک جوڑا پہنے تھے اور ان کا غلام بھی (ویسا ہی) ایک جوڑا پہنے تھا۔ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا۔

''میں نے ایک شخص سے گالی گلوچ کی اس کو ماں کی گالی دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کہا تو تو نے اس کی ماں کو گالی دی تو وہ آدمی ہے' جس میں جاہلیت کی خصلت ہے۔ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا پھر جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو' وہ اس کو وہی کھلائے جو آپ کھائے اور وہی پہنائے جو آپ پہنے اور ان سے وہ کام نہ لو جو ان سے نہ ہو سکے اگر ایسا کام لینا چاہو تو ان کی مدد کرو۔''

☆☆☆

www.pkdigest.com

انشاء نامہ

کوئی دن گریہ گرانی اور ہے

ابن انشا

آج کل گرانی کا مسئلہ گرم ہے۔ ہر کوئی چیخ رہا ہے اور دوسرے کے گریبان میں منہ ڈال رہا ہے۔ اپنے میں اس لیے نہیں ڈال رہا کہ اس میں پہلے ہی کسی اور نے اپنا منہ ڈال رکھا ہوتا ہے۔ حکومت نے دکانداروں اور صنعت کاروں کو پچکار کے دیکھ لیا۔ آنکھیں دکھا کے بھی دیکھ لیا۔ مرض بڑھتا گیا' جوں جوں دوا کی۔ آج کل ریڈیو پر اعلان ہو رہا ہے کہ جس بھائی کو گرانی دور کرنے کا نسخہ معلوم ہو' وہ فلاں نمبر پر فون کر کے بتا دے' وہ نمبر تو ہم کو یاد نہیں رہا۔ اپنے کالم ہی سے ٹیلی فون کا کام لیتے ہیں۔

"ہلو' ہلو' کون بول رہا ہے؟ انسداد گرانی کمیٹی بول رہی ہے یا کوئی ایک آدمی بول رہا ہے؟"

"نہیں' ہم سیٹھ صاحب نہیں ہیں۔ خادم قوم ہیں۔ ملت کے دردمند ہیں۔ ہمارے پاس گرانی دور کرنے کا نسخہ ہے۔"

"ہاں' مدری ہے۔ ہاں تیر بہدف بھی ہے۔ ہمارے خاندان میں سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے۔"

"بے شک کھٹمنڈو کے پہاڑ پر ایک خضر صورت سنیاسی نے خودکشی سے پہلے ہمارے ایک مایوس العلاج بزرگ کو بتایا تھا۔"

"نہیں' سنیاسی نے خودکشی نہیں کی تھی۔ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ خود سمجھ دار ہیں۔ اگر ہمارے بزرگ نے مایوس العلاجی کے عالم میں خودکشی کر لی ہوتی تو ہم کہاں ہوتے حکیم؟ ڈاکٹر؟"

"نہیں صاحب ہم حکیم یا ڈاکٹر نہیں ہیں۔ معمولی ادیب ہیں۔ ہمارے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ اس نسخے پر نفع لینا حرام ہے۔ تھوڑا سا خرچہ اشتہارات اور پیکنگ البتہ ہے۔ اچھا آپ وہ بھی نہ دیجیے۔ نسخہ یہ ہے' غور سے سنیے۔"

"اگر دکاندار لوگ اپنے مال کی چیزیں کم کر دیں تو گرانی فی الفور دور ہو سکتی ہے۔ بس اتنا ہی نسخہ ہے' ہمارے نسخے منفرد ہی ہوتے ہیں اور کچھ نہیں ہے۔ آپ سے گزارش ہے۔"

ارے فون کیوں بند کر دیا۔ ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔"

ایک طریقہ گرانی سے محفوظ رہنے کا آپ اپنے پر بھی برت سکتے ہیں۔ گھریلو ٹوٹکا ہے۔ ہمیں بھی چند دن ہوئے معلوم ہوا ہے۔ ہوا یہ کہ ہم کراچی کا "صبح نو" پروگرام سن رہے تھے۔

"سامعین کرام' حمیدہ ستار آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ آج منگل ہے۔ یعنی بغیر گوشت کا دن۔ گوشت نایاب ہو رہا ہے۔ آج کل تو سبزی دال کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ بعض بہنیں ابھی سے دوپہر کے کھانے کی فکر میں مبتلا ہو گئی ہوں گی۔ اجی چھوڑیے کھانے پکانے کی فکر کو۔ نغمہ سنیے۔"

بھیگی بھیگی ٹھنڈی ہوا.....

ہم نے وہیں سے گھر والوں کو آواز دی۔

"بھئی ناشتہ روک دو۔ ڈبل روٹی مہنگی ہے اور انڈا بھی مہنگا ہے جبکہ نغمہ مفت ہے۔ بھیگی بھیگی ٹھنڈی ہوا..... آجاؤ گرمی میں بھی افاقہ ہو گا۔

کیا کہا؟ دوپہر کی روٹی۔ ارے دوپہر کو بھی تو نغمے ہوتے ہیں۔ شام کے کھانے کے وقت بھی ہوتے ہیں۔ رات کے بارہ بجے تک ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کھانے کا ٹائم ہی نہیں ہوتا۔ چھ بجے صبح پھر ریڈیو اپنے نغمات کا خوان لے کر حاضر ہو جاتا ہے۔ واہ بھئی واہ' کتنی آسانی سے گرانی کا مسئلہ حل ہوا ہے۔ گھر بیٹھے نغمے سنو' نہ گھر سے نکلو' نہ بازار جاؤ' نہ دکاندار ستائیں۔

گرانی کے مسئلے کی کیا مجال ہے کہ حل نہ ہو۔ ایک طرف ٹیلی ویژن پر تابڑ توڑ تقریریں ہوتی ہیں۔ دوسری طرف ریڈیو پیچھے لگا ہوا ہے۔ حکام عالی شان کے بیانات اس پر مستزاد ہیں کہ اے قیمتو! اگر تم نے نہ سنیں تو ہم سے برا کوئی نہ ہو گا۔ دیکھ لیجیے' کوئی روزیں دکاندار ہاتھ باندھے ریڑھیوں پر مال لاد کر گھروں میں پہنچیں گے کہ صاحب!

لے لو' ہاڑے ہاڑے لے لو۔ جو دام چاہے دے دو۔ اچھا مفت لے جاؤ۔ اتفاق سے ہم نے آج یعنی بروز جمعہ بھی صبح نو سنا۔ آج صبح نو والوں نے ملاوٹ کا بھی قلع قمع کر دیا۔ آج کوئی اور بات ہی نہیں۔ جو فرما رہی تھیں۔ "ملاوٹ بڑی بری چیز ہے۔ اس سے آدمی کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن تکلیف تو محبوب کی بے مہری سے بھی ہوتی ہے۔ میر تقی میر کا نغمہ سنیے' زمرد بانو کی آواز۔"

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے

آج کل گھی والوں کی پانچوں گھی میں ہیں۔ البتہ گاہکوں کے سر کڑاہی میں ہیں۔ اصلی گھی کی بات نہیں' وہ تو مکھن سے بنا کرتا تھا۔ مکھن لوگوں کو پکانے کے لیے نہیں ملتا' کھانے کا ذکر کیا ہے۔ گیہوں مہنگا ہے۔ حتیٰ کہ گھن تک مہنگا ہے' لہٰذا لوگ خود ہی پس رہے ہیں۔ دو باتوں کے بیچ میں ثابت رہنا کوئے ہم نے تو ایک بار مشورہ دیا تھا کہ جن کو روٹی نہ ملے وہ کیک کھایا کریں لیکن اس قسم کا مشورہ تو ایک بادشاہ کا لوگوں نے نہ مانا تھا' ہم تو پھر رعایا ہیں۔ کپڑے کے دکان دار کے پاس جائیے' وہ آپ کو کپڑے پہناتا کم ہے' آپ کے کپڑے اتارتا زیادہ ہے۔ دال تک اتنی مہنگی ہو گئی ہے کہ پہلے جو لڑکیاں دال بگھارا کرتی تھیں' اب شیخی بگھار کر رہ جاتی ہیں۔

حضرات ہم پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ تھوڑی نفسیات بھی پڑھی ہے لیکن ٹونے ٹوٹکے کے قائل نہیں۔ چھومنتر کے قائل نہیں۔ نفسیاتی علاج تک کے قائل نہیں۔

نفسیات کا عامل آپ سے کہے۔ آنکھیں بند کر لو اور ایک سو ایک بار دہراؤ۔ "میں بھوکا نہیں ہوں' میں بھوکا نہیں ہوں۔ چیزیں مہنگی نہیں ہیں' چیزیں مہنگی نہیں ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟

جس دن سے ریڈیو پاکستان نے مشرقی پاکستان کو پورب پاکستان کہنا شروع کیا تھا اور ہمارے بعض دوستوں نے بھی دعوا کیا تھا کہ اب دیکھیے بنگالی بھائی کس طرح دوڑ کر ہمارے گلے سے آ لگتے ہیں یا پاکستان کو نسل برائے یکجہتی بنا کر ادیبوں اور سازندوں کے وفد ادھر سے ادھر گئے تھے اور ادھر سے ادھر آئے تھے۔ تب بھی ہم نے عرض کیا تھا کہ۔

"صاحبو! معاملہ اس سے کچھ زیادہ گہرا ہے۔ اقتصادی ہے۔ اسلام کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے لیکن مسلمان اور مسلمان کے درمیان اسلام کے علاوہ اور بھی رشتے ہوتے

ہیں' ان کی فکر کرو۔"

اخبار والے لکھتے ہیں کہ پٹرول اور مہنگا ہونے والا ہے۔ ایک صاحب نے ہمیں فکر میں مبتلا دیکھا تو کہا۔

"تم کو کیا فکر ہے اور اگر ہوا بھی تو روپیہ گیلن مہنگا ہو جائے گا۔"

ہم نے کہا۔ "اے رفیق وہ کہانی سنی ہے کہ ایک صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ ایک چوہا ان کے پیٹ پر سے گزر گیا۔ چلانے لگے' ہاہا کار مچانے لگے۔

لوگوں نے کہا۔ "کیا قیامت آ گئی؟ ایک چوہا ہی تو تھا۔ بولے۔ "ابھی تو نہیں آئی لیکن چوہا آیا ہے تو اس کے پیچھے بلی آئے گی' اس کے پیچھے کتا' اس کے پیچھے آدمی ہاتھ میں ڈنڈے لیے ہوئے۔ میرا تو کچومر نکل جائے گا۔" سرکار تو گیلن پر ایک روپیہ ہی زیادہ لے گی۔ ٹیکسی والے ڈھائی روپے' تین روپے ہماری جیب سے نکالیں گے۔ مشرقی پاکستان کا سیلاب گیا۔ خود مشرقی پاکستان گیا لیکن اس سیلاب کی مد میں جو ایک روپیہ فی گیلن سرچارج لگا تھا' وہ تین گنا ہم دے رہے ہیں اور ہماری آنے والی نسلیں دیں گی۔ کوئی تو سوچے کہ ان چھ ماہ میں مہنگائی کا یہ کیا ماجرا ہو گیا ہے کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا اور یہ بھی سوچیے کہ ریڈیو اور ٹرانزسٹر اور صبح نو اور ٹیلی ویژن کے مذاکرے اور میر تقی میر اور زمرد بانو اور بھیگی بھیگی ٹھنڈا ہوا..... کیسے ان مسائل کو حل کر سکتی ہے؟ موسیقی غذا ہے لیکن فقط روح کی غذا ہے۔ روح اور پیٹ الگ الگ چیزیں ہیں اور پیٹ بڑا بدکار ہے بابا.....

72ء میں لکھا گیا

www.pkdigest.com

اداکارہ ماڈل **عائشہ** سے ملاقات

عبداللہ

ٹیلی وژن کے مختلف چینلز پر بلی گرل کے کیوٹ سے کرداروں میں نظر آنے والی باربی ڈول عائشہ عمر، 12 اکتوبر 1981ء کو لاہور میں پیدا ہوئی! اُسے شروع ہی سے آرٹ اور کلچر سے لگاؤ تھا مگر بچپن میں پینٹنگ سے زیادہ رغبت تھی اور اسی شوق میں عائشہ نے لاہور کا نیشنل کالج آف آرٹس جوائن کیا جہاں آہستہ آہستہ اُس کے جوہر کھلتے چلے گئے اور آج عائشہ کو ہم سب ملٹی ٹیلنٹڈ گرل کے طور پر جانتے ہیں!

عائشہ کے عزائم بتاتے ہیں کہ وہ اس فیلڈ میں دیر تک رہے گی اور کافی آگے تک جائے گی! وہ ایک ایسی فن کارہ ہے جسے ایکٹنگ کا کوئی شوق نہ تھا مگر پھر بھی اتنی آگے تک آ گئی کہ لوگ پہچاننے کے سوا، اس کام میں پسند بھی کرنے لگے!

نیشنل سکول آف آرٹس کے دنوں میں عائشہ نے ساتھی اسٹوڈنٹس کے ساتھ مل کر کالج جین ز، کے نام سے ڈرامہ ترتیب دیا تھا جسے اتنا پسند کیا گیا کہ وہ جب تک اسکول آف آرٹس میں رہی، یہ ڈرامہ چلتا رہا! اس کے بعد سلمان شاہد کی آفر پر عائشہ نے ایزاے ایکٹریس اپنا پہلا پروفیشنل اسائنمنٹ کیا اور یوں سلسلہ چل نکلا! چونکہ کراچی میں ٹی وی پروڈکشن کا کام زیادہ ہے اور پھر میوزک فیلڈ میں بھی کراچی، تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے تو ایکٹنگ سے میوزک کی طرف قدم بڑھانے والی عائشہ نے داتا نگر سے شہر قائد شفٹ ہونا ضروری سمجھا اور یہاں چلی آئی! آیئے عائشہ سے ملتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اب تک کے سفر میں وہ کہاں تک پہنچ پائی ہے!

☆ آپ کو ایکٹنگ کا شوق نہیں تھا تو پھر کون سی فیلڈ میں جانا چاہتی تھیں؟

○ میوزک، میرا پہلا شوق اور پیشن میوزک ہی ہے جسے باقاعدہ سیکھا ہے، ارادہ تھا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد میوزک کی فیلڈ میں کوئی بڑا کام کروں گی مگر اتفاق سے تعلیم کے دوران ایکٹنگ کا چانس بن گیا جسے پڑھائی کے ساتھ بہ خوبی ایڈجسٹ کر لیا! یہ سلسلہ کافی عرصے تک چلا، اسکول کے بعد جب کالج میں آئی تو یہاں بھی ایکٹنگ چلتی رہی اس

طرح یہ میرے روٹین میں شامل ہو گئی اور مزہ بھی آنے لگا کیونکہ اس کام سے پہچان بننے لگی تھی، جب لوگ دیکھ کر پہچانتے اور تعریف کرتے تو خوش ہو جاتی تھی اور اسی چکر میں میوزک کا شوق، اُن دنوں کچھ کم ہو گیا تھا مگر اب ایکٹنگ میں کسی حد تک آگے آ جانے کے بعد جی چاہ رہا ہے کہ میوزک فیلڈ میں آگے بڑھوں کیونکہ یہ سچ ہے کہ مجھے میوزک سے عشق ہے!

☆ جب یہ حال تو تعلیمی سلسلہ پورا ہونے پر اس شوق کو وقت کیوں نہیں دیا؟

○ میں نے بتایا نا کہ ایجوکیشن کے دوران ہی ایکٹنگ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور جب ایجوکیشن کمپلیٹ ہوئی تو میرے پاس بہت اچھی آفرز تھیں، معاوضہ پاکٹ منی سے بڑھ گیا تھا اور لوگ پہچاننے لگے تھے اس لئے سوچا کہ جو کام چل رہا ہے اُسے چلنے دوں، دوسری طرف دماغ میں یہ بات بھی تھی کہ ایکٹنگ کی وجہ سے فیلڈ میں پہچان بن جائے گی تو میوزک فیلڈ میں زیادہ اسٹرگل نہیں کرنا پڑے گی! یہ تو آپ مانیں گی کہ جب فیلڈ میں کوئی پہچان نہ ہو تو کامیابی حاصل کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں، اگر unknown پرسن کی حیثیت سے میوزک فیلڈ میں قدم رکھتی تو کہیں زیادہ اسٹرگل کرنا پڑتی!

☆ کیا آپ یہ سوچتی ہو کہ صرف پہچان کی بدولت میوزک فیلڈ میں نام بنا لیں؟

○ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں! ایکٹنگ ہو یا میوزک،

www.pkdigest.com

کامیابی یا پہچان صرف ٹیلنٹ کی بنیاد پر ملتی ہے، اگر مجھ میں ٹیلنٹ ہوگا تو کامیابی ملے گی ورنہ نہیں! میوزک کے لئے اچھی آواز کے ساتھ اس کی سمجھ بوجھ ضروری ہے، خدا نے اچھی آواز دی ہے اور تربیت میں نے اپنے انٹرسٹ اور جوش میں حاصل کی ہے لہٰذا اُمید کرتی ہوں کہ اس راہ میں بھی کامیابی ملے گی! اب ایکٹنگ ہی دیکھ لیں جہاں میں اتفاق سے آئی اور لوگوں نے سراہا، اس کا مطلب یہ ٹیلنٹ مجھ میں تھا مگر اس بارے میں جانتی نہ تھی، اس کے برعکس میوزک کا سینس بھی ہے اور شوق بھی اس لئے سوچتی ہوں کہ یہاں کامیابی ضرور ملے گی! کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب آپ فیلڈ میں بالکل انجان ہوتے ہیں تو متعلقہ لوگوں سے ملنا اور اُن تک اپنی بات پہنچانا کبھی کبھی ناممکن سا لگتا ہے لیکن جب آپ کسی بھی فیلڈ میں تھوڑا نام بنا لیتے ہیں تو دوسری فیلڈ میں جانے کے لئے بھی اکثر تعارف کی ضرورت نہیں پڑتی اور راستے آسان ہو جاتے ہیں!

☆ میوزک کے سلسلے میں کیا پروگرام ترتیب دے رہی ہو؟

○ میں اپنا البم بنا رہی ہوں جو دو سے تین ماہ کے اندر مارکیٹ میں آ جائے گا، یہ میرا سولو البم ہوگا!

☆ ایکٹنگ کے ساتھ میوزک کو کیسے ایڈجسٹ کر رہی ہو؟

○ آج کل میں نے ایکٹنگ کو لمیٹڈ کر دیا ہے اور فی الحال صرف ادھورے پروجیکٹس ہی مکمل کروا رہی ہوں یعنی کوئی نئی آفر قبول نہیں کر رہی کیونکہ جب میوزک کی طرف جانا ہے تو اسے زیادہ وقت دینا ہوگا، بس اسی لئے آج کل ایکٹنگ کو کم کر رہی ہوں!

☆ کیا جس طرح ایکٹنگ میں آپ کو نام ملا ہے، ویسے سنگنگ میں کوئی کمال دکھا پائیں گی!

○ آج کل ہر فیلڈ میں بہت زیادہ کمپی ٹیشن ہے، میرا ایمان ہے کہ انسان محنت اور لگن سے کام کرے اور بنیادی ٹیلنٹ کا حامل ہو تو رب کی طرف سے مدد ضرور ملتی ہے! ہر کوئی نمبر ون نہیں بن سکتا لیکن اس کی کوشش تو سبھی کرتے ہیں سو میں بھی کروں گی، باقی میرے رب کی جو مرضی!

☆ کالج کے بعد ایکٹنگ کا سفر کیسے آگے بڑھا؟

○ کالج لائف ختم ہونے کے فوراً بعد سلمان شاہد کی طرف سے آفر آئی تھی، اُن دنوں وہ، بانو کو پہچانو" نامی سیریل بنا رہے تھے، اس میں مجھے ایک سنجیدہ کردار آفر ہوا جس کا نتیجہ اچھا آیا اور پھر چانسز ملتے چلے گئے، اس کے بعد دھڑکن، ہم لڑکیاں، تھوڑی دور ساتھ چلو، جنون، روزا کے روزے، تم کہاں ہم کہاں، اور تھوڑا تھوڑا پیار وغیرہ میں مختلف طرح کے کئی کردار نبھائے جن میں ناظرین نے پسند کیا اور یوں آگے بڑھتی رہی!

☆ کیا اپنی اب تک کی کارکردگی سے مطمئن ہو؟

○ مجھے زیادہ تر بلی ٹائپ کردار ملے ہیں، بالکل ویسے جیسی میں ہوں، اس طرح کے کرداروں میں کرنے کے لئے کوئی نئی بات نظر نہیں آتی، ایسے کردار کرنا چاہتی ہوں جن میں اصل شخصیت کو پوری طرح ٹرانس فارم کرنا پڑے، جن کے بارے میں لوگ سوچیں کہ میں کر ہی نہیں پاؤں گی اور کر کے دکھا دوں! اب ایسے کردار ہوں گے تبھی کام کروں گی ورنہ نہیں!

☆ کیا گلوکاری اور اداکاری ساتھ ساتھ چلتی رہے گی؟

○ اداکاری ضرور کرتی رہوں گی مگر کم کم اور صرف بہت ہی اچھے کرداروں کے لئے البتہ گلوکاری کو فل ٹائم جاب کے طور پر لینا چاہ رہی ہوں! دونوں کاموں کو پورا پورا وقت دینا ممکن نہیں اس لئے ترجیحی طور پر زیادہ وقت میوزک کو دوں گی کیونکہ اس فیلڈ میں نئی ہوں پھر یہ انٹرسٹ کی فیلڈ ہے اور میں اپنا مستقبل اسی فیلڈ میں دیکھنا چاہتی ہوں اس لئے

www.pkdigest.com

پلاننگ تو یہی ہے کہ میوزک کو زیادہ وقت دینا ہے!

☆ ایکٹنگ اور سنگنگ میں سے کونسا کام زیادہ مشکل ہے؟

○ کوئی بھی ایسا کام جسے آپ پورے تقاضوں اور دیانت داری سے نبھانا چاہیں، مشکل ہو جاتا ہے ورنہ سرسری انداز میں تو کوئی بھی کام کیا جا سکتا ہے! میری نظر میں دونوں کام ہی مشکل ہیں لیکن میوزک کو زیادہ مشکل اس لئے سمجھتی ہوں کہ اس کے لئے مسلسل سیکھتے رہنا اور پھر پریکٹس کرنا بہت ضروری ہوتا ہے! ایکٹنگ میں آپ صرف شوق ہی شوق میں آگے نکل سکتے ہیں لیکن میوزک میں نہیں! گلے اور سُروں کو ٹھیک رکھنے کے لئے احتیاط کے ساتھ ریاض بھی کرنا پڑتا ہے، اوپر والے نے جو اچھی آواز دی ہوئی ہے، تمام عمر اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے جو یقیناً بہت مشکل ہے!

☆ آپ نے اب تک بہت سے کردار کئے ہیں، کون سا ایسا کردار جو تھوڑا چیلنج لگا ہو؟

○ فصیح باری خاں کا ایک ٹیلی پلے تھا "ڈنک" اس میں جو کردار تھا، اُس کے لئے میک اپ بالکل نہیں کیا، یہ ایک ایسی لڑکی کا رول تھا جو مذہبی خیالات کی حامل اور پردے کی پابند ہے، کزن اُسے پسند کرتا ہے مگر وہ، کوئی افیئر چلانے کے بجائے شادی پر زور دیتی ہے اور آخر میں کزن کی بزدلی، اس کی بدنامی کا سبب بن جاتی ہے! یہ کردار میری شخصیت سے بالکل ہٹ کر تھا، چاہتی ہوں کہ اب ایسے ہی چیلنجنگ کردار کروں، بلی کرداروں میں کوئی انٹرسٹ نہیں رہا!

☆ ایکٹنگ کے علاوہ اور کیا کچھ کر چکی ہو؟

○ اسکول اور کالج میں بہت سے فیشن شوز اور ڈرامے کئے! NCA کے ڈراما گروپ نوٹنکی کے تحت بھی ڈرامے کئے! ایجوکیشنل کیریئر میں دو سونگز بنائے جو باقاعدہ ریلز ابھی ہوئے، ان میں سے ایک کا ٹائٹل "آؤ" ہے جو 02ء میں ریلیز ہوا،

کبھی سمندر کبھی ستارا

صائمہ محبوب

دوسرے کا ٹائٹل ''کوئی تو ہو'' ہے جو 04ء میں ریلیز ہوا تھا! بچپن میں ایک ٹی وی شو ہوسٹ کیا تھا جس کا ٹائٹل ''میرے بچپن کے دن'' تھا! اُس وقت آٹھ سال کی عمر تھی اور ان شو کی مین ہوسٹ منیزہ ہاشمی تھیں، ATV سے ردھم، کے نام سے ایک میوزک شو ہوسٹ کیا جس میں مختلف گلوکاروں کو مدعو کیا جاتا تھا اور میں اُن کے انٹرویز لیا کرتی تھی، اس کے علاوہ فلاحی کاموں میں بھی انٹرسٹ رہا ہے! میں نے کئی پلے ز، چیریٹی پریز کے لئے گئے ہیں، سمر ویکیشن کے دوران اسپیشل بچوں کے اسکول جایا کرتی تھی اور اُن کے ساتھ وقت گزارتی تھی! میں نے اپنی اسکول یونین کی صدارت بھی تھی، ایک طرح سے ہمیشہ فعال رہی ہوں!

☆ ٹی وی شو ہوسٹ کرنے کا شوق تھا یا یہ بھی بس یوں ہی کرلیا تھا؟

○ جو پروگرام اپنے بچپن میں ہوسٹ کیا، وہ تو بس یونہی آفر ملنے پر کرلیا تھا لیکن اسے کر کے مزہ بہت آیا تاہم پھر پڑھائی کی وجہ سے اس کے لئے وقت نہ نکال سکی! اب جب بھی وقت ملتا ہے، پروگرام ہوسٹ کر لیتی ہوں اور مختلف چینل ز سے میرے ہوسٹ کردہ بہت سے پروگرامز چل چکے ہیں!

☆ فرض کرو تمہیں ایکٹنگ، ہوسٹنگ اور سنگنگ میں ایک ساتھ بہترین موقع ملتے رہے تو تم کیا تینوں کو ساتھ لے کر چل سکتی ہو؟

○ شیڈول کے تحت کام کیا جائے اور پلاننگ ہو تو انسان، کئی کام ایک ساتھ کرسکتا ہے اور میں اب تک بیک وقت بہت سے کام، کرتی آئی ہوں! مستقبل میں مناسب وقفہ دے کر تینوں شعبوں میں چل سکتی ہوں لیکن میری ترجیحات میں میوزک ہی سرفہرست رہے گی!

عائشہ کی ان اچھی اور نیک خواہشات کے ساتھ ہم نے حنا کے لیے اُنھیں انٹرویو دینے پر شکریہ ادا کیا اور اجازت چاہی۔

☆☆☆

www.digest.com

میری اس سے پہلی ملاقات لائبریری میں ہوئی اور جانے کیا بات تھی کہ اس پہلی ہی ملاقات میں ہی میں اس سے کم از کم اس قدر متاثر ضرور ہوگیا کہ دوسری ملاقات کی سبیل نکالی۔ اگرچہ اس میں مجھ سے زیادہ اس کی کوششوں کا دخل تھا لیکن پھر بھی مجھ سا آدم بیزار آدمی اگر کسی سے دو گھڑی باتیں کرے یا مخاطب کی خواہش پر اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کرے تو یہ معمولی بات نہ تھی۔

وہ بلاشبہ ایک متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ اتنا کہ مجھے بھی متاثر ہونا پڑا۔ میں نے اسے کئی مرتبہ غور سے دیکھا کہ جان سکوں اس کی کون سی بات مجھے اٹریکٹ کر رہی ہے۔ کس وجہ سے میں حسب عادت اس سے بے رخی نہیں برت رہا۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ شاید اس کی آنکھوں سے جھانکتی وہ ذہانت ملی شوخی تھی جو میرے تنفر کو دبا گئی۔ یا اس کے ماتھے پہ چمکتا نمازوں کا وہ نشان تھا جس نے مجھے احساس کمتری میں مبتلا کر دیا

میرے چہرے پر چھائی سرد مہری اور بیگانگی اس کی پرخلوص اور بے ریا مسکراہٹ سے زیر ہوگئی۔ ایک لمحے کو مجھے اپنی بے بسی پر غصہ بھی آیا۔ لیکن پھر..... شاید ہمیں زندگی کے ہر موڑ پر ایک دوست کی ضرورت ہوتی ہے جس کو آپ اپنے تمام دکھ درد کہہ سکیں۔ شکوے کر سکیں۔ اس کی گود میں سر رکھ کر رو سکیں۔ لیکن اب مجھے کسی کا اعتبار نہیں رہا تھا۔ میں کسی پر اعتماد کر بھی کیسے سکتا تھا جبکہ میری اپنی اولاد ہی میرے ساتھ مخلص نہ تھی۔ وہ بھی تو کتنے عرصے سے مجھے دھوکا دے رہے تھے۔

آج کل کے دور میں شاید ہی کوئی اتنا خوش نصیب ہوگا جو اولاد کے ہاتھوں ستایا نہ گیا ہو۔ ایک آدھ نکمی یا نافرمان اولاد سب ہی کی ہوتی ہے۔ لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ میرے پانچ بچوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے دیکھ کر میں اپنی طویل مسافت کا دکھ بھول جاؤں۔

''نا..... نا' آپ یہ نہ سمجھئے کہ شاید میں ناکارہ اور ہڈحرام بچوں کا باپ ہوں اور ان کے نکمے پن سے بے زار ہوں۔ ماشاء اللہ میرے سارے بچے پڑھے لکھے اور برسر روزگار ہیں۔ بڑا بیٹا ایل۔ ایل۔ ایم سے ایم۔ بی۔ اے کر کے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر ہے۔ ناصر نے ایم۔ بی۔ اے ڈیپارٹمنٹ میں فرسٹ پوزیشن لی تھی۔ دوسرا بیٹا فیصل اور آخری بیٹا فہد ڈاکٹر ہیں۔ منجھلا بیٹا آزر' سی۔ ایس۔ پی آفیسر ہے۔ اس کا اکیڈمک ریکارڈ بھی شاندار رہا ہے۔ بیٹی شادی شدہ ہے اور اپنی سسرال کے ساتھ اٹلی میں مقیم ہے۔ اس کا تو کوئی گلہ ہی نہیں۔ جو بیٹے پاس ہیں ان کے پاس بھی بوڑھے باپ کے لیے وقت نہیں ہے۔ کہتے ہیں بیٹی بیاہ کر بابل کے گھر سے وداع ہو جاتی ہے میری تو بیٹی کے ساتھ ساتھ بیٹے بھی وداع ہو گئے۔

ناصر کی بیوی اکلوتی بیٹی ہے اپنے ماں باپ کی۔ اس لیے اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو شادی کے بعد اسے اپنے ماں باپ سے علیحدہ نہ کر سکے سو اس کے لیے ناصر نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا۔ فیصل کی بیوی کو اتنے بھرے پرے گھر کی ضرورت ہی نہیں وہ جوائنٹ فیملی سسٹم کے سخت خلاف ہیں اور فیصل اس کی کسی بات سے اختلاف کرے ممکن نہیں سو وہ بھی کوچ کر گئے۔ آزر کی پوسٹنگ مختلف علاقوں میں ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے بیوی بچوں کو ساتھ رکھتا ہے۔ مہینوں بعد اس کی صورت نظر آتی ہے۔ اگر میں فون کر لوں تو خیریت معلوم ہو جاتی ہے اور بس۔

گھر میں صرف فہد اور اس کی فیملی ہے۔ اس کی بیوی بھی ڈاکٹر ہے۔ ایک بیٹی ہے جسے تین سال کی عمر میں مانٹیسوری میں داخل کروا کر فارغ ہو چکے ہیں۔ سارا سارا دن گھر سے غائب رہتے ہیں۔ بچی آیا کی گود میں پل رہی ہے۔

احسان مجھ پر ہے کہ وہ میری وجہ سے دوسرے بھائیوں کی طرح خودغرضی نہیں دکھا رہے۔ علیحدہ گھر نہیں لیا۔ حیرت ہے انھیں علیحدہ گھر کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس گھر میں ہے کون میرے علاوہ۔ قدسیہ بانو بھی دو سال پہلے چھوڑ گئی تھی۔

وہ عورت جو ساری زندگی میری تنہائی کا خیال کر کے دو دن کے لیے بھی میکے میں نہ رہی اب تنہا کر گئی۔ یہ سوچے بغیر کہ کیسے رہوں گا اب اس عمر میں تنہا۔ اس کے بغیر اس کے جانے کے بعد تو اس گھر میں میرا عمل دخل بالکل ہی ختم ہوگیا۔ وہ تھی تو گھر گھر لگتا تھا۔ دن بھر کی مصروفیت کے بعد گھر لوٹنے کو جی کرتا تھا۔ اب تو رات کو بھی بمشکل گھر واپس آتا ہوں۔ گھر عورت کے دم سے آباد ہوتا ہے۔ نوکروں کے رحم و کرم پر پڑا ہوا گھر بھی کوئی گھر ہوتا ہے۔

اس سب کے باوجود ان سب کا اصرار تھا کہ میں انھیں جائیداد میں سے ان کا حصہ دے دوں۔ انھوں نے شاید واقعی مجھے احمق سمجھ رکھا تھا۔ جو اولاد اپنا فرض نہ ادا کر سکے اس کا حق بھی نہیں ہونا چاہیے۔ جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں اس وقت سے لے کر اب تک میں نے لاتعداد فرائض پورے کیے ہیں۔ ان کی پرورش کی۔ بہتر سے بہتر تعلیم دلائی۔ ہر خواہش پوری کی۔ یہاں تک کہ ان کی شادی جس کے خواب والدین اولاد کے پیدا ہوتے ہی دیکھنے لگتے ہیں ہزار ارمانوں سے اس دن کا انتظار کرتے ہیں اس میں بھی ان کی خواہش کو مقدم رکھا۔ اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی۔ سوچا زندگی تو انھوں نے ہی گزارنی ہے۔

قدسیہ کو اگرچہ اس بات کا قلق تھا لیکن میں نے اسے سمجھا لیا۔ شادی کے بعد ایک ایک کر کے اپنا بوریہ بستر سمیٹنے لگے تب بھی خاموش رہا۔ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے مہینوں شکل نہ دکھاتے تب بھی برداشت کیا اور اب وہ آ گئے ہیں اپنا حق مانگنے۔ کیا آپ کے خیال میں ایسی اولاد اس قابل ہے کہ اس پر اپنی ساری پونجی لٹا دی جائے۔ یہ جو مہینوں بعد یاد کر لیتے ہیں کہ باپ زندہ بھی ہے یا گزر گیا اسی جائیداد کے لالچ میں کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر ملاقات پر ان کا ایک ہی مطالبہ ہوتا ہے اور تو اور میرے گھر میں رہنے والے فہد کو بھی باپ سے ملنے کی حاجت تب ہوتی ہے جب ایسے کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی تنخواہ اس کے شاہانہ اخراجات کے لیے ناکافی ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں کچھ زیادہ جذباتی انسان نہیں ہوں لیکن ان کی اس خودغرضی پر مجھے اتنا غصہ آیا کہ میں نے صاف کہہ دیا۔

''میں اپنی زندگی میں اس جائیداد کے حصے بخرے نہیں کر سکتا ہاں میرے مرنے کے بعد جو تمہارا دل چاہے کرنا۔''

اس دن کے بعد وہ کم از کم میرے سامنے تو خاموش ہو گئے لیکن مجھے معلوم ہے کہ جب بھی ان کی ملاقات ہوتی ہے وہ کون سا موضوع ڈسکس کرتے ہیں۔ دولت سے اتنی محبت میں نے تو کبھی انھیں یہ نہیں سکھایا۔ میں نے تو انھیں ہمیشہ انسانیت کا درس دیا ہے۔ انسان دوستی اور رشتوں کے احترام کا سبق۔ یہ خودغرضی اور مفاد پرستی وہ جانے کب سیکھ گئے۔

میں سر جھکائے ہاتھ میں پکڑی کتاب میں پوری طرح مگن تھا جب مجھے اپنے قریب آواز سنائی دی۔

''کیا میں آپ کے پاس بیٹھ سکتا ہوں؟''

میں نے چونک کر سر اٹھایا تو مجھے میری ہی عمر کا ایک باریش شخص نظر آیا جو ہونٹوں پر نرم مسکراہٹ لیے اجازت طلب نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''ضرور.....'' میں نے اسے ایک لفظ میں بھگتایا اور بے نیازی سے دوبارہ کتاب کی طرف

www.pkdigest.com

متوجہ ہوگیا۔ وہ اتنی دیر میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں چند انگلش اور اردو کے اخبارات تھے جو اس نے ٹیبل پر رکھ دیئے اور میری طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔

''میں کافی دنوں سے یہاں آ رہا ہوں اور اتنے ہی دنوں سے آپ کو یہاں دیکھ رہا ہوں۔ خاموش' افسردہ خود میں مگن۔ ابھی میرا جی چاہا آپ سے بات کروں اور بے اختیار آپ کو مخاطب کر بیٹھا۔'' وہ خواہ مخواہ فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا؟'' میں نے اپنے مخصوص پر تکلف انداز میں کہا۔

''جی اگر آپ کے پاس وقت ہو۔''

''فرمایئے۔'' میں نے قدرے بے زاری سے کہا۔ وہ مسکرانے لگا۔

''اتنے لٹھ مار انداز میں جواب دینے سے انکار بھلا تھا۔'' اس نے کہا تو مجھے غصہ آ گیا۔

''آپ شاید بالکل فارغ ہیں لیکن میرے پاس پہیلیاں بوجھنے کا وقت نہیں ہے۔ آپ کو جو کہنا ہے پلیز جلدی کہیں۔'' اب کے میرے لہجے میں تھوڑی تلخی آ گئی۔ لیکن ادھر کوئی اثر ہی نہیں تھا وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔

''کام کا میں نے ویسے ہی کہہ دیا تھا ورنہ میں تو صرف تھوڑی دیر آپ کی کمپنی میں گزارنا چاہتا تھا۔ اکیلا بور ہو رہا تھا آپ کو دیکھا سوچا ایک سے دو بھلے کیوں نہ مل کر بور ہوا جائے۔'' اس کی بات پر میں نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس نے میری جانچتی نظروں کو نوٹ کیا اور شریر انداز میں مسکرایا۔

''دیکھ لیں میں بھی کچھ کم ہینڈسم نہیں ہوں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ جس سے اسے کچھ حوصلہ ملا اور وہ مزید گویا ہوا۔

''ایسا ہوتا ہے نا کبھی کہ کوئی چہرہ انسان کے قدم روک لیتا ہے۔ بندہ ٹھہر سا جاتا ہے۔ اگر جوانی میں' میں یہ بات کرتا تو سننے والے کے ذہن میں کسی حسین دلنشین خاتون کا خیال آتا اور شاید میں بھی رکنے کے لیے ایسے ہی کسی چہرے کا انتخاب کرتا۔ بھلا ہو اس عمر کا جس نے مجھے آپ کے پاس رکنے پر مجبور کر دیا۔'' وہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ میرے پلے تو کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔

''میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''یہی کہ آپ بہت اٹریکٹو ہیں۔'' وہ برجستہ بولا۔

''واٹ.....؟'' میں جھنجلا گیا۔ عجیب شخص تھا خواہ مخواہ بے تکلف ہو رہا تھا۔

''آپ اتنے حیران کیوں ہو رہے ہیں شاید آپ پر آپ کی شخصیت کی اس خوبی کا راز افشاء نہیں ہوا۔ لیکن یہ فیکٹ ہے کہ اتنے لوگوں میں اگر میرا دل کسی سے بات کرنے کو چاہا ہے تو وہ آپ ہیں۔ کہتے ہیں جب کسی سے دوستی کرنی ہو تو پہلے اس کی تعریف کرو۔ اسے اس کی اس خوبی کے متعلق بتاؤ جس کی وجہ سے آپ اسے منتخب کر رہے ہوں۔ شاید یہ بات نوجوانوں کے متعلق کہی گئی ہے لیکن میں یہ فارمولا تم پر اپلائی کر رہا تھا۔ لیکن تمہیں تو اپنی تعریف پسند ہی نہیں آئی۔ ورنہ جواباً تم میری تعریف کرتے۔'' میں ابھی اس کے یکدم آپ سے تم پر آ جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کے آخری الفاظ سن کر پھر مسکرایا۔

''تھینکس گاڈ..... میرا خیال تھا تم سے دوستی کرنے میں مجھے خاصی مشکل پیش آئے گی۔ کافی دیر سے ہمت باندھ رہا تھا۔ طریقے سوچ رہا تھا۔ تم تو میری زندگی کی سب سے مشکل اسائنمنٹ لگ رہے تھے۔ اتنا تو نوجوانی میں کسی دوشیزہ سے دوستی کرنے سے پہلے بھی میں نے نہیں سوچا۔'' وہ شاید بلا دھڑک بولنے کا عادی

تھا۔ اس کی اس بات پر میں نے بغور اس کا جائزہ لیا وہ کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ ماضی میں اس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث رہا ہوگا۔

''کیا ہم اپنی دوستی کا ابتدائی مصافحہ کریں؟'' اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے ایک نظر اس کے ہاتھ پر ڈالی اور دوسری اس کے چہرے پر۔ اس وقت مجھے اس کے چہرے پر ایک الوہی سی چمک نظر آئی۔ مجھے لگا جیسے اس وقت میرے سامنے اس کا ہاتھ نہیں ایک لمحہ ہے۔ ایک ایسا لمحہ جس کی چاہ ایک عمر سے میرے دل میں تھی۔ مجھے لگا کہ اگر میں نے اس لمحے کو کھو دیا تو میرے پاس کچھ نہ بچے گا۔ میں جو ساری زندگی دھوکے کھاتا آیا تھا۔ کسی پر اعتبار نہ کرنے کی قسم کھا چکا تھا اس کے سامنے بے بس ہوگیا۔

میں اس لمحے کو نہ کھو سکا۔ میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ جسے اس نے گرمجوشی سے دبایا۔

''محبت اور خلوص زندگی میں کبھی بھی ملے فوراً قبول کر لو۔ تمہاری طرح سوچنے والے بعض اوقات دیر کر دیتے ہیں۔'' میں سوائے مسکرانے کے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

اور پھر یوں ہونے لگا کہ میرا وقت جو گزارے نہیں گزرتا تھا اب یوں لگتا کہ پر لگ گئے ہوں۔ اس کی کمپنی میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا تھا۔ ہم روز ملتے دو تین گھنٹے جو میں لائبریری میں گزارتا بڑھ کر پانچ چھ گھنٹوں میں تبدیل ہو گئے۔ مجھے یوں لگتا جیسے میری نوجوانی کے دن لوٹ آئے ہوں۔ بے فکری کے وہ لمحے جو ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دب کر کہیں کھو گئے تھے دوبارہ مل گئے ہوں۔

مجھے یاد ہے کالج کے دنوں میں ہم دوست مل کر سڑکوں پر چہل قدمی کیا کرتے تھے۔ جسے بابا جان آوارہ گردی کا نام دیتے۔ بازاروں میں ونڈو شاپنگ کرتے کسی بھی چیز کی قیمت پوچھتے جب دوکاندار بتاتا تو اس میں کمی کے لیے بحث شروع کر دیتے۔ طویل بحث کے بعد جب دوکاندار ہماری کہی رقم پر راضی ہو جاتا تو ''پھر بھی سہی ہمیں اس کا کیا کرنا ہے'' کہہ کر نکل آتے۔ ایسے وقت دوکانداروں کے چہرے پر چھائے تاثرات مزہ دے جاتے۔

کبھی کسی ریسٹورنٹ میں کھانا کھا کر بل نہ دینے کے آئیڈیاز سوچتے۔ اندھیرا چھانے کے بعد گھر پہنچتے تو بابا جان چھڑی ہاتھ میں لیے منتظر ملتے۔ ان سے ڈانٹ کھانے کا بھی اپنا ہی مزہ تھا۔ جسے ہم ایڈونچر کا نام دیتے۔

اگر کبھی کسی وجہ سے ایک آدھ ہفتہ تک وہ ہمیں نہ ڈانٹتے تو ہمارا بجٹ متاثر ہو جاتا کیونکہ بابا جان کے ڈانٹنے کے بعد اماں ازالے کے طور پر ہمارے تکیے تلے ہرے اور کبھی لال نوٹ رکھ جاتیں۔ بابا جان کی ڈانٹ ہمارے لیے بڑی منافع بخش تھی۔ اب تو وہ محبت کرنے والے وقت کی گرد تلے دفن ہو گئے۔ اب چونکہ وہ ساری شرارتیں ممکن نہ تھیں جیب بھی اتنی بھری ہوئی تھی کہ مول تول کیے بغیر ہر چیز خرید سکتے تھے لیکن وہ اپنے انشاء جی نے کہا ہے نا:

آج چاہوں تو اک اک دوکان مول لوں
آج چاہوں تو سارا جہاں مول لوں
نارسائی کا اب جی میں دھڑکا کہاں
پر وہ چھوٹا سا الھڑ سا لڑکا کہاں

پھر سڑکوں پر چہل قدمی کرتے۔ اس دوران ڈھیر ساری باتیں کرتے۔ چند ہی دنوں میں ہماری دوستی گہری سے گہری ہوتی گئی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی پر اپنا آپ کھولتے ہوئے مجھے ذرا جھجک نہ ہوئی۔ مجھے یوں لگتا جیسے وہ میرا ہمراز ہے۔

اتنے سے دنوں میں' میں نے اس سے بہت سی باتیں کر لیں۔ اپنی زندگی کے ہر دور کے

www.pkdigest.com

بارے میں ساری کٹھنائیوں کے متعلق جن سے گزر کر میں اس مقام تک پہنچا تھا اور اس دوران میں نے جو کچھ کھویا شاید کھویا زیادہ پایا کم تھا۔ بیوی کی موت' اولاد کی بے رخی' اپنی تنہائی سب کچھ۔ مجھے یاد نہیں یہ سب کہتے ہوئے کتنی مرتبہ میرا لہجہ بھرایا۔ الفاظ ٹوٹے' کتنی مرتبہ آنکھیں بھر آئیں۔ لیکن ان مہربان بانہوں نے مجھے سمیٹ لیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں کوئی بچہ ہوں جو کہ دنیا کے میلے میں تنہا رہ گیا ہو۔

میں اتنی دیر اس کے ساتھ رہتا پھر بھی میرا دل گھر جانے کو نہ چاہتا۔ جی چاہتا باقی کا وقت بھی اس کی سنگت میں گزار دوں۔ بقول شاعر:

کسی کا ساتھ ملے اور اس طرح امجد
کہ وقت چلتا رہے راستہ ٹھہر جائے

آپ شاید حیران ہو رہے ہیں کہ پچپن برس کی عمر میں' میں کیسی رومینٹک گفتگو کر رہا ہوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے وہ ان لوگوں میں سے تھا جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنھیں اللہ صرف خوشیوں کے لیے بھیجتا ہے۔ ان کے لیے لفظ خوش قسمتی بنا ہوتا ہے۔

اگرچہ وہ میرے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا۔ وہ اسٹیٹس میں مجھ سے کم تھا۔ اللہ نے اس کے مقابلے میں مجھے اولاد سے بھی فیاضی سے نوازا تھا جبکہ اس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ تعلیم اس کی اچھی تھی لیکن میری بی۔ ایچ۔ ڈی کے سامنے اس کی ایم۔ ایس۔ سی کیمسٹری کی ڈگری کم ہی لگے گی نا۔ لیکن اس سب کے باوجود اس کے پاس وہ سب کچھ تھا جو میرے پاس نہ تھا۔ اسے اللہ نے نیک اور فرمانبردار اولاد کی دولت سے نوازا تھا۔ جس کے سامنے میری ساری دولت ہیچ تھی۔

انسان ساری زندگی اولمپکس کے کسی رنر کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔ اس دوڑ کے دوران اسے کچھ سوچنے کی فرصت نہیں ملتی لیکن جب وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے تو ستانے کے بہانے اپنی عمر بھر کی جدوجہد کا تجزیہ کرتا ہے۔ اپنی کمائی کا جائزہ لیتا ہے کہ اس نے کیا کھویا کیا پایا۔ پھر اگر کھونے والا پلڑا پانے والے پلڑے سے بھاری ہو جائے تو اس کی جدوجہد رائیگاں چلی جاتی ہے۔ اس کی حالت بالکل ایسے تھکے ہوئے کھلاڑی جیسی ہو جاتی ہے جیسے سرکل پورا کرنے کے بعد دوبارہ اسٹارٹ لینے کا حکم ملا ہو' جیسے جیت کے شوق میں اپنی ساری پونجی لگانے والے کو مات ہو جائے۔

اس میں اور مجھ میں یہی فرق تھا۔ یہی فرق مجھے رشک میں مبتلا کرتا۔ اگرچہ اس کا لباس میرے مقابلے میں قیمتی نہ تھا لیکن صاف ستھرا ہوتا۔ وہ ہمیشہ سفید براق کلف لگے کرتے شلوار میں ملبوس رہتا۔

ایک مرتبہ میری تعریف کے جواب میں بولا۔

''یہ سب فریحہ کا کمال ہے۔ وہ مجھ بوڑھے کا خیال بہت کرتی ہے۔ اور صفائی کے بارے میں تو بہت ہی سخت ہے۔ کہتی ہے لعنت ہے ایسی اولاد پر جن کے پاس بوڑھے ماں باپ کے لیے وقت ہی نہ ہو۔ خدا نے بہت نیک لڑکی لکھی تھی میرے بیٹے کے نصیب میں۔ روزانہ ایک جوڑا استری کر کے لٹکا دیتی ہے کہ صبح صبح اٹھ کر پہن لوں۔ بعض اوقات تو مجھے ہنسی آ جاتی ہے۔ فائز اکثر مذاق اڑاتا ہے کہتا ہے ابا آپ تو روز یوں تیار ہو جاتے ہیں جیسے کسی کے ولیمے میں جانا ہو۔ کبھی تو میں آپ کے ساتھ کہیں جاتا نہیں لوگ مجھے آپ کا بیٹا ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ ذرا کیئر لیس ہے صرف آفس جانے کے لیے ٹھیک سے ڈریس اپ ہوتا ہے ورنہ گھر میں تو برا حلیہ بنائے پھرتا ہے۔'' میں خاموشی سے اس کو سنتا رہتا۔

''ویسے آج کل کے تمام نوجوان ایسے ہی ہیں۔ معیز میرا اسٹوڈنٹ بھی ایسا ہی ہے ذرا جو اپنے پہناوے کا خیال کرتا ہو۔ عجیب ٹام بوائے

ٹائپ حلیہ بنائے پھرتا ہے۔ جانے کہاں سے رنگ برنگی ڈیزائن دار شرٹس اور ٹائیاں ڈھونڈتا ہے۔ یونیورسٹی جانا ہو' کسی کی شادی میں جانا ہو یا کسی فوتگی میں ہر جگہ یہی لباس پہنتا ہے۔ ثانیہ کا ہمیشہ اس سے جھگڑا ہوتا ہے۔ اس کے خیال میں موقع محل کے مطابق لباس پہننے سے شخصیت نکھر آتی ہے۔ جبکہ معیز کا کہنا ہے کہ جس کی شخصیت پہلے ہی نکھری ہوا سے اس قسم کے تکلفات میں نہیں پڑنا چاہیے۔ پھر تو کمرہ جیسے مچھلی بازار بن جاتا ہے۔ وہ شور مچتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ لڑکیوں کا علیحدہ گروپ بن جاتا ہے اور لڑکوں کا علیحدہ۔ اور کسی نے دوسرے سے قائل نہ ہونے کی جیسے قسم کھا رکھی ہوتی ہے۔'' وہ ہونٹوں پر بہت خوبصورت مسکراہٹ سجائے اپنے اسٹوڈنٹ کی باتیں سناتا تو مجھے اس پر پیار آ جاتا۔

''تم ٹیوشن کیوں کرتے ہو..... آئی مین؟''

ایک مرتبہ میں نے یونہی پوچھ لیا لیکن پھر شرمندہ ہو گیا کیونکہ بہرحال یہ اس کا ذاتی معاملہ تھا۔

''تو ڈیری کیا گھاس کھودنے کے لیے لی تھی۔ تین سال پہلے ریٹائرمنٹ کے بعد میں نے پینشن کا سارا پیسہ فائز کو دے دیا اور جو تھوڑی بہت جائیداد تھی وہ بھی۔ دراصل وہ بزنس شروع کرنا چاہتا تھا جس کے لیے اسے پیسے کی ضرورت تھی۔ اور میرا تو سب کچھ اسی کا ہے۔ آج دوں کہ کل بات تو ایک ہی ہے اور اب تو اللہ کا شکر ہے کہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ ساری زندگی کام کرنے کے بعد فراغت کے دن گزارنا مشکل ہو جاتے ہیں۔ طیبہ اور ثانیہ میرے جاننے والوں کی لڑکیاں تھیں جو کہ کیمسٹری کی ٹیوشن کے لیے پریشان تھیں۔ میں نے ہامی بھر لی۔ اس طرح ایک ایک کر کے مزید سٹوڈنٹس آنے لگے۔ اب تو دس بارہ سٹوڈنٹس کی پوری کلاس بن چکی ہے۔ اچھا وقت گزرتا ہے ان کے ساتھ۔ نیو جنریشن بڑی فاسٹ ہے۔''

اس نے تفصیلی جواب دیا اور میں قائل ہو گیا۔ دراصل میں نے کچھ اور سوچا تھا لیکن اصل بات جاننے پر تھوڑی شرمندگی ہوئی۔ اب ہر کسی کی اولاد میری اولاد جیسی تو نہیں ہو سکتی نا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اگر میں اپنی ساری دولت اپنے بیٹوں کو دے دوں تو شاید میں بھی اس طرح ٹیوشنز پڑھانے لگوں۔ وقت گزارنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے۔ تو وہ بھی پلٹ کر نہیں پوچھیں گے کہ یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔

ہر دن ایک سا ہوتا ہے۔ ہر رات ایک سی۔ وہی سورج نکلتا ہے وہی اجالا ہوتا ہے۔ ہوتے ہوتے سورج کے سفر کا اختتام ہوتا ہے اور پھر اندھیرا ہوتا ہے۔ اس اندھیرے کا اختتام دوبارہ سورج کے نکلنے پر ہوتا ہے۔ جانے یہ سب کب سے چل رہا ہے اور کب تک چلتا رہے گا۔ ان عام سے دنوں میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ لگتا ہے زندگی ٹھہر سی گئی ہے۔ کیوں ایسا ہوتا ہے جو کچھ ہمیں نہیں جاننا چاہیے۔ ہم جان جاتے ہیں۔ آگہی عذاب ہے اور خودفریبی جنت۔ خودفریبی سے خوبصورت چیز کوئی اور نہیں ہے۔

ہر انسان خواب دیکھتا ہے خواہ امیر ہو یا غریب۔ کیونکہ خواب دیکھنے پر ٹیکس نہیں لگتا۔ اس پر کسی خاص طبقے کی اجارہ داری نہیں ہو سکتی۔ خوابوں پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ جس کا جی چاہے خواب دیکھے۔ زندگی کی تلخیوں سے خود کو زہریلا کرنے کے بجائے ان میں خوابوں کی مٹھاس شامل کر لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اور جب انسان خواب دیکھنے کے ساتھ ساتھ ان میں جا کر رہنے لگتا ہے تو وہ خودفریبی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خودفریبی جب حد سے تجاوز کر لی ہے تو وہ سفید پوشی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ انسان ان خوابوں کو حقیقت بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب

www.pakdigest.com

وہ ان کی تعبیر حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو خود پر ملمع سازی شروع کر دیتا ہے جس سے اس کی اصل حقیقت کہیں چھپ سی جاتی ہے۔ دیکھنے والی آنکھ کو صرف وہی نظر آتا ہے جو وہ دکھانا چاہتا ہے۔ اور اسی سفید پوشی کا بھرم رکھنے کے لیے وہ مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے۔ اور اگر بھرم ٹوٹ جائے تو انسان کا اندر مر جاتا ہے۔ وہ کرچی کرچی ہو کر بکھر جاتا ہے۔ اس کرب کی اذیت وہی جانتا ہے جو اس عمل سے گزرا ہو۔

اس دن میرے بیٹے مجھ سے ملنے آئے۔ مطالبہ وہی تھا لیکن اس مرتبہ اس میں شدت تھی۔ دراصل ناصر کو پیسے کی ضرورت تھی۔ وہ جاب چھوڑ کر بزنس شروع کرنا چاہتا تھا۔ جس کے لیے اسے فائنینشل سپورٹ کی ضرورت تھی۔ جو اسے صرف مجھ ہی سے مل سکتی تھی۔ ان سے نہیں جن کے لیے وہ مجھے چھوڑ کر گیا۔

ناصر کا مطالبہ سن کر دوسروں کو بھی اپنی ضروریات کا خیال آیا۔ اب وہ سب آخری فیصلہ کرنے کے لیے گھر پر موجود تھے۔ کافی دیر کی گرما گرمی کے بعد ناصر نے صاف الفاظ میں کہہ دیا۔

''ساری دنیا کے والدین اولاد کو وہ سب دیتے ہیں جو آپ نے دیا لیکن وہ آپ کی طرح احسان نہیں جتاتے۔ آپ ہم سے یوں بات کرتے ہیں جیسے ہم آپ کی اولاد ہی نہیں ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ نہیں رہتے لیکن ہم نے آپ کو سڑک پر تو نہیں پھینکا ہوا۔ یا آپ کی طرف سے مکمل طور پر بے نیاز تو نہیں ہو گئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے پوری طرح سے اپنے فرائض پورے نہیں کیے لیکن ہم نے کبھی آپ کی عزت میں کمی نہیں آنے دی۔ ہمیشہ آپ کے طعنے خاموشی سے برداشت کیے لیکن آپ ہمارے جائز حق کو ہم سے چھین کر اچھا نہیں کر رہے۔ ہم کبھی کورٹ میں جانے کی دھمکی نہیں دی۔ آپ اور کتنا آزمائیں گے ہمارے صبر کو؟''

اس کی باتیں سن کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میری اولاد اتنی بھی گر سکتی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اپنے فرائض پورے نہیں کر رہے۔ میرے منہ پر کچھ نہ کہنے کو وہ میری عزت کرنا کہہ رہا تھا اور اب کورٹ میں جانے کی دھمکی نہ دے کر بھی دے رہا تھا۔ کیا میں اس سے ڈر جاؤں۔

''بکواس بند کرو میں نے ایک مرتبہ تم سے کہہ دیا ہے کہ میری زندگی میں جائیداد کے ٹکڑے نہیں ہوں گے تو نہیں ہوں گے۔ تم جانتے ہو میں اپنے فیصلے بدلا نہیں کرتا۔ اب جو کچھ کرنا ہے کر لو کورٹ میں جانا ہے چلے جاؤ۔ ابھی میں تم پر بوجھ نہیں بنا تو تم میرے ساتھ یہ کر رہے ہو۔ اگر واقعی سب کچھ تمہیں سونپ دیا تو کچھ شک نہیں کہ مجھے سڑک پر آنا پڑے۔ میری ہی دولت پر مجھے ہی دھمکی دے رہے ہو۔ اس وقت دفع ہو جاؤ یہاں سے ایسا نہ ہو کل اخبار میں تمہیں عاق کرنے کی خبر شائع کروا دوں۔ پھر دیکھتا ہوں کتنی عزت کرتے ہو تم میری۔ لالچ میں کی جانے والی عزت اور سچی عزت میں فرق ہوتا ہے۔ یہ تمہیں تب پتا چلے گا جب تمہاری اولاد تمہارے سامنے آ کھڑی ہو گی۔''

میں انھیں وہیں چھوڑ کر شدید طیش کے عالم میں باہر نکل آیا۔ کیا اس دن کے لیے انسان اولاد مانگتا ہے یہ ہوتا ہے چار چار بیٹوں کا فخر۔ اس وقت مجھے کسی ہمدرد دوست کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ دل رونے کو چاہ رہا تھا۔ کسی مہربان کندھے پر سر رکھ کر تمام آنسو بہا دینے کی چاہ تھی۔

جانے کیسے میں عبدالرحمٰن کے گھر جا پہنچا۔ اس وقت مجھے یہ خیال بھی نہ رہا کہ رات کے دس گیارہ بجے مجھے اس کے دروازے پر دستک نہیں دینا چاہیے۔ یہ کسی کے گھر جانے کا نامناسب وقت ہے۔ دروازہ اس کے پوتے نے کھولا۔ میں نے اس سے عبدالرحمٰن کے بارے میں

پوچھا۔

''جی دادا جی اندر ہیں آپ آئیں۔'' وہ شائستگی سے بولا۔ اور مجھے اندر لے آیا۔

''وہاں ہیں۔'' اس نے صحن کی طرف اشارہ کیا اور خود اندر کی طرف بھاگ گیا۔ شاید کوئی دلچسپ کھیل یا پروگرام چھوڑ کر آیا تھا۔ اور پھر میں نے وہ دیکھا جو شاید میں ساری زندگی نہ دیکھ پاتا۔

وہ اپنے تازہ دھلے کپڑے سوکھنے کے لیے رسی پر ڈال رہا تھا۔ اس کے گیلے کپڑے گواہ تھے کہ وہ اتنی دیر کیا کرتا رہا ہے۔ اتنے میں ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ شاید فریحہ تھی اس کی بہو۔ لیکن الفاظ وہ تو اس کی لاڈلی بہو کے نہیں ہو سکتے تھے۔

''اپنے باپ سے کہو بس کرے کچھ ہو گیا تو ہم ہی رہ جائیں گے مصیبت جھیلنے کو۔ آج کل تو موت پر شادی سے زیادہ خرچ ہو جاتا ہے۔''

جواب میں کسی مرد کی منمناتی آواز سنائی دی۔ لیکن الفاظ غیر واضح تھے۔

''میں کیوں کروں فارغ پھرتی ہوں سارا دن کیا اور تمہارا باپ بھی کپڑے چمکائے گا بھی جوتے اس عمر میں بھی فیشن دیکھنے لائق ہیں۔ لوگ اس عمر میں اللہ اللہ کرتے ہیں انھیں ہار سنگھار سے فرصت نہیں۔ جانے کس سے ملنے جاتے ہیں اتنا سج بن کر۔ ذرا پتا تو لگاؤ کیا خبر کوئی گل کھلا رکھا ہو اور ہم بے خبر بیٹھے رہ جائیں۔'' وہ شاید کچھ اور بھی کہہ رہی تھی لیکن مجھ میں مزید سننے کی سکت نہ رہی اور میں خاموشی سے پلٹ گیا۔

سفید پوش لوگوں کے لیے ان کی سفید پوشی کا بھرم ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ بھرم ٹوٹنے نہ پائے ورنہ انسان ٹوٹ جاتے ہیں۔

میں اس انسان کو ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے کوشش کی کہ میرے پلٹتے قدموں کی چاپ خود مجھے بھی نہ سنائی دے۔

☆☆☆

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب	165/-
خمار گندم	300/-
دنیا گول ہے	325/-
آوارہ گرد کی ڈائری	300/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	180/-
نگری نگری پھرا مسافر	5/-
خط انشا جی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	205/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	400/-
انتخاب کلام میر	160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321890-7310797

www.pkdigest.com

چوتھی اور آخری قسط

موسم گل کے دستک

فوزیہ غزل

اُسے آج علم ہوا تھا خواہشات رنگین تتلیوں کی طرح ہوتی ہیں جن کے رنگ آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں مگر ان رنگوں کو زندگی کے کینوس پر منتقل کرنا اتنا آسان نہیں، وہ اس کوشش کو کامیاب کرنے کے لیے اپنے وجود کو زخم زخم کر کے خوابوں کو عذاب اور محبت کو اذیت بننے سے نہ روک سکی تھی، اُس کی محبت کی بساط بہت اچانک اور چپکے سے سمٹ گئی تھی اور وہ اسی حیرت وصدمے میں سن سی بیٹھی تھی۔

''میں تمہیں کیسے بتاؤں واصف کہ رشتے بدن پہ پہنے کپڑے نہیں ہوتے، کہ انہیں بدن سے علیحدہ کر دیا جائے۔ دل کا رشتہ تو ایسا عجیب رشتہ ہے کہ نہ دل سے اُترتا ہے نہ زندگی سے نکلتا ہے۔ تم تو مجھے اپنی زندگی سے نکال دو گے لیکن میں تمہیں اپنے دل سے کیسے نکالوں گی''۔ سوچ کر اُس کی رگیں درد سے کٹنے لگیں۔

''یہ وہ گھر تھا جس کے در و دیوار نے میری سونی ہتھیلیوں پہ دھڑکتی دعا کے ساتھ ہی میرے خوابوں کو تعبیر کے لیے سسکتے دیکھا تھا۔ یہاں قدم رکھتے وقت میرے اندر خواہشوں، محبتوں اور تمناؤں کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔ اس گھر کے گوشے گوشے میں میرے بے قرار قدموں کے نقش ہیں یہاں ڈھلتے چڑھتے روز و شب نے میرے لبوں پہ ایک ہی دُعا ایک ہی خواہش مچلتی دیکھی۔ اُس شخص کی محبت جس کی پہلی نگاہ نے میرے اندر اضطرابیوں کے لمحے لگا دیے تھے جس کے لیے میں نے خلوص دل سے اچھائی چاہی تھی۔ اس پھولوں اور درختوں سے گھرے خوبصورت سفید سنگ مرمر کے بنگلے میں قدم رکھتے ہوئے میں نے دل کی تمام تر شدتوں سے ایک ہی دعا مانگی تھی۔

''بے شک یہ تعلق ایک جھوٹ سے ڈرامہ ہے لیکن تو اسے حقیقت میں بدلنے پر قادر ہے یارب میرے اس خواب کو حقیقت بنا دے''۔

www.pkdigest.com

مکمل ناول

مضبوطی سے قدم اُٹھائے مکمل استحقاق سے میرا ہاتھ پکڑے کے جب مجھے میرے اور اپنے وجود کا رشتہ و تعلق سے وابستہ اعتماد بخشا "یہ زوباریہ واصف"۔

یہ فقرہ میری سماعتوں میں اُترا اور میرے دل کی بستی بڑی خاموشی سے تسخیر ہو گئی۔ بے شک واصف دُرانی کے لیے اس تعلق کی اہمیت خانہ پری سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن مجھے اُس وقت یہ کاغذی دُنیا کی سب سے بڑی حقیقت لگ رہا تھا، کسی نے سچ کہا ہے کہ عورت اپنا پہلا پیار نہیں بھولتی اور مرد اپنی زندگی میں آنے والی پہلی عورت" کتنا ہنسی تھی میں یہ سن کر آج کتنا روئی ہوں اس کی حقیقت جان کر۔ واصف درانی میرا پہلا پیار ہے میں اُسے مر کر بھی نہیں بھلا سکتی اور رحماء اُس کی زندگی میں آنے والی پہلی عورت جسے میری قربتیں، محبتیں اور حسن بھی بھلا نہیں سکتا۔ بھول ہو گئی تو صرف میرے جذبات، میری چاہت، میری خواہشات کے متعلق اور میں اک فضول، بے کار بوجھ کی مانند اس گھر سے باہر پھینک دی جاؤں گی۔ اور یہی در و دیوار، یہی گھر، یہی مکین میری ذلت و خواری کا تماشہ دیکھ کر ہنسیں گے"۔ وہ اس وسیع و عریض گھر کے کوریڈور میں چلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"اس سے پہلے کہ تم یہ سب کرو میں خود اپنی عزت، محبت اور وقار بچا کر لے جاتی ہوں"۔ وہ ایک بار پھر واصف دُرانی کے بیڈروم مین چلی آئی۔ اُس کے چہرے پر خاموش آہوں کا ملال تھا وہ نظر اُٹھا کر پورے کمرے کو دیکھ رہی تھی پھر کارنس پہ سجی اپنی ولیمے کی تصویر کو ٹکٹکی باندھے محویت سے دیکھتی رہی اس تصویر کے فریم پہ حسرت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس نے اپنے ہمراہ مسکراتے چہرے والے وجیہہ اور پرکشش شخص کو محسوس کرنے کی کوشش کی۔ واصف دُرانی کے پھیکے گیلے تولیے کو پکڑ کر اُس کے ہاتھوں کا لمس ڈھونڈنا چاہا پھر اُس کی شرٹ کو اُٹھا کر رُخسار سے لگا لیا۔ "کتنی اُمیدیں، کتنی خواہشیں وابستہ تھیں اس اک شخص سے کتنا مختلف لگا تھا یہ عام مردوں سے، جسے پہلی بار دیکھ کر دل نے کہا تھا جینا ہے تو اس کی چاہتوں میں، زندگی ہو گی تو اسی کے ساتھ، یہ نہیں تو ہم زندگی چھوڑ دیں گے"۔

اسے چاہا تمام تر شدتوں، محبت کے ساتھ، اور یہ ان چاہتوں کو کتنے آرام، کتنی سفاکی سے نیست و نابود کر گیا۔ وہی وجود جو محبتوں، اُمیدوں کی لو سے جینے کی امنگ پاتا تھا اب مایوسی کے کتنے طوفان، کتنے جھکڑ ہیں جو اس وجود کو بھر بھری ریت کی مانند ڈھاتے جا رہے ہیں" اُس کے ہاتھوں میں ایک بار پھر واصف دُرانی کی خوبصورت تصویر تھی اور چہرہ تھا کہ آنسوؤں سے بھیگا جا رہا تھا۔

"کتنی بے خبر تھی میں خواب سجاتے ہوئے مجھے پتا ہی نہ چلا کہ میرے خوابوں پر عذابوں کا پہرا لگ گیا ہے"۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

سُن اے دلِ بے خبر
دشتِ غم کے سفر
قسمت میں اب لکھے جا چکے
سرمئی رات کی بے خواب
آنکھوں نے نور کے سارے دیے کھو دیے
آرزو کی اَن چھوئی تتلیاں
اجنبی دیس کی منڈیروں پہ جا کر سو گئیں
دل کے نرم جذبے
بے بسی کی جلتی لے میں پگھل گئے
اولیں عمر کے نوخیز شگوفے
بھری بہار میں جل گئے
زندگی کے رنگ سارے
ہجر کی ہوا بہار کے لے گئی
تقدیر دُکھ سارے
ہاتھوں میں دے گئی
تیری تمناؤں کے گھر میں
قیام کسی اور کا ہو چکا
ہر سپنا تیرا

بدصیبی کے خانے میں سوچکا

☆☆☆☆

وہ آج آفس آنا نہیں چاہتا تھا مگر آج ایک فارن ڈیلیگیشن سے سے اہم میٹنگ تھی آنا مجبوری تھی مگر اس کا ذہنی تناؤ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ وہ آفس کے باہر سے ہی گاڑی واپس لے گیا۔ وہ خود کو کسی بھی قسم کی ایکٹیویٹی کے لیے بالکل تیار نہ پا رہا تھا وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کے باوجود سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ اُس کے تفکر و تخیل کے تمام پردوں پر زوباریہ کا قبضہ تھا اُس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ شکست خوردہ خوابوں کی دُھند سے بھری ویران آنکھیں لئے وہ اُسے دیکھ رہی تھی، پوچھ رہی تھی۔

"میرا کیا قصور ہے میں نے بہت محبتوں بہت چاہتوں، بہت خلوص سے تمہیں چاہا تھا ان چاہتوں کی سزا یہ تو نہ تھی۔ محبت تو صرف محبت کے دم سے جیتی ہے اور جب محبت ہی نہ ہو گی تو میں کیسے جیوں گی، تم کیسے جیو گے۔ وہ محبتیں جن کا تمہیں پل بھر کا سہی، رات بھر سہی مگر تم نے برتا تو ان محبتوں کی خوشبو اور لطافت کو کیسے بھلاؤ گے۔

واصف درانی محبت اتنا برا کام اتنا بڑا گناہ نہ تھا جتنی بڑی سزا تم نے مجھے دی ہے۔ زندگی کے سارے دروازے بند کرتے اپنی محبتوں کا حق سے چھینتے تمہیں مجھ پر ذرا ترس نہیں آیا"۔

اُس نے اسٹیرنگ وہیل پہ رکھے دونوں ہاتھوں پہ سر گرا لیا تھا۔

"تمہارے یہ آنسو مجھے جینے نہیں دیں گے تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور مجھے تم سے محبت ہو یا محبت کے طفیل تمہیں رکھ کر میں منافقانہ زندگی گزارتا ہوں یہ ضروری نہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تمہارے لیے میرا دل کیسا سوچتا کیا چاہتا ہے اور خود کو دل کے بہاؤ پہ چھوڑنا بھی نہیں چاہتا کہ محبت کوئی سمجھوتہ نہیں کہ دل کوئی چوراہا کہ جو آئے گزرتا سفر کر جائے۔ تم دُکھی ہو تو یہ دُکھ تم نے خود اپنی قسمت میں

ابنِ انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفرنامے

- اُردو کی آخری کتاب
- آوارہ گرد کی ڈائری
- دُنیا گول ہے
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں
- چلتے ہو تو چین کو چلئے
- نگری نگری پھرا مسافر

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوچے میں
- دلِ وحشی

طنز و مزاح

- باتیں انشا جی کی
- دخل در معقولات
- آپ سے کیا پردہ
- بقلم خود

لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

www.pkdigest.com

لکھا ہے۔ میں تمہارا مجرم یا جوابدہ نہیں کہ میں نے پوری ایمانداری کے ساتھ جو کام جیسے کہا تھا ویسے کیا ہے"۔

وہ خود کو بری الذمہ قرار دینے کی پوری کوشش کر رہا تھا تاویلیں گھڑ گھڑ کر اپنے دماغ اور دل کو سمجھا رہا تھا۔ لیکن دل پھر بھی کسی سرکش گھوڑے کی مانند انجانے راستے پہ اک شناسا سی خوشبو کے تعاقب میں بنا کچھ سنے لپکتا جا رہا تھا یہ کہتے ہوئے

میرے نام کی ایک خوشی تو اُس جھولی میں ڈال
دُکھ جس کے پاس بہت ہے اللہ سائیں دیکھ

☆☆☆

عجیب ہجوم تھا بے چینیوں کا سینے میں
ہم اپنی بھیڑ میں تیرا خیال کھو بیٹھے
کبھی یہ لگتا ہے مجھ کو، میں ایسا تاجر ہوں
جو راستے میں ہی اپنا سب مال کھو بیٹھے

کتنی عجیب ہوتے ہیں یہ دل کے معاملے بھی جس میں ایک دل ہمیشہ طالب اور دوسرا مطلوب رہتا ہے بعض اوقات کاسۂ طلب دل کسی کی سمت بڑھا ہی نہیں پاتا اور کبھی بڑھا بھی دے تو پھر بھی خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ زندگی اُلجھ کر رہ جاتی ہے درد و اذیت سے اور اس اُلجھاؤ کو سلجھاؤ کا راستہ نہ ملے تو تقدیر میں اُداسیوں کے موسم طویل ہوتے جاتے ہیں، مگر اُلجھنیں سلجھانے کا کام کرے کون۔

"دل کہتا ہے وہ سب مذاق کے موڈ میں آزمانے کو کہہ گئی، ہوگی مگر دماغ دل کی ہر تاویل کو فوراً سے پیشتر رد کر دیتا ہے اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی"۔ وہ خود سے بزبان خموشی مخاطب تھا۔

اُداس شاموں سے دوستی اتنی اچھی نہیں ایسا نہ ہو یہ اُداسیاں رُتوں سے نکل کر تمہارے وجود میں سیرا پانے لگیں" لائبہ نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ بھی بجھے بجھے انداز میں مسکرا دیا۔

"کوئی پرابلم ہے تو مجھ سے کہہ دو"۔ وہ اُس کے اُداس چہرے کو دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

"No Problem" معیز رضا نفی میں سر ہلا گیا۔

"تو میرے سجیلے سے بھائی کی یہ خوبصورت آنکھیں سُرخی لیے اور پریشان کیوں ہیں؟" وہ بہ غور اُسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"آج کل کام کا لوڈ بہت ہے۔ نیند پوری نہیں ہوتی اور تو کوئی بات نہیں"۔ وہ بولا۔

"نیند پوری نہیں ہوتی یا نیندیں کسی نے چرا لی ہیں اور ایسا ہے تو مجرم کا نام بتاؤ ہم فوراً اُسے داخلِ جرم کر کے سزا کا فیصلہ سنائیں"۔ وہ نیم مزاحیہ انداز میں بولی۔

پھر یکسر سنجیدگی کا لبادہ اوڑھتے ہوئے بولی۔

"دیکھو معیز اگر معاملہ دل کا ہے جو کہ میرے خیال میں یقیناً ہے تو پھر ہم حاضر خدمت ہیں تم اپنی تشویش بیان کرو ہم سدِ باب کریں اُلجھنیں ہمیشہ سلجھانے سے سلجھتی ہیں"۔

"اور اگر سلجھاؤ کا راستہ ہی نہ ہو تو" وہ نگاہ اُٹھا کر بولا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا ہر ناکامی کے پیچھے کامیابی اور ہر مشکل کے پیچھے آسانی ہوتی ہے اسی طرح ہر اُلجھن کی کوئی نہ کوئی سُلجھن ہوتی ہے۔ اور بالفرض نہ بھی ہو تب بھی باہمی مشاورت سے راستہ نکالا جا سکتا ہے۔ تم بتاؤ تو سہی معاملہ ہے کیا"۔ لائبہ احساس اپنائیت و خلوص سے بولی تو وہ سرد آہ بھر کے کچھ پل سوچتے رہنے کے بعد بولا تھا۔

"مجھے وہ پہلی بار نظر آئی تو میں پہلی نگاہ میں دل ہار گیا یہ جانے سوچے بغیر کہ وہ کون ہے کیا نام ہے کیا حسب و نسب ہے محبت کر بیٹھا۔ محبت بھی عجیب جنوں خیز اور بہت سے خواب بن ڈالے اُس کے حوالہ سے بہت سے خیال منعکس کر بیٹھا اپنے شیشۂ دل میں اُسے بتایا تو پتا چلا کہ وہ کہیں اور Commeted ہے بس کہانی ختم مگر ٹوٹے خوابوں

کی کرچیاں چبھتی تو ہیں پھر اذیت بھی جھیلنا پڑتی ہے نہ بس اس عمل سے گزر رہا ہوں"۔ وہ ایک لمحے کو رُکا "میں امی سے میں نے کہا بھی تھا کہ وہ اُس کے متعلق سب کچھ معلوم کر کے بات چلائیں اُنھوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا اُس کے گھر سے آ کر اور ملتان چلی گئیں"۔

"تم جویریہ کی بات تو نہیں کر رہے ہو" لائبہ نے کسی قدر چونکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تمہاری Sense of Judgement اچھی ہے" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"امی نے پہلی ملاقات میں سب معلومات حاصل کر لی تھیں تمہیں بتانا اُنہیں یاد نہیں رہا ہوگا۔ جویریہ نہ تو انگیجڈ ہے نہ کہیں انوال یہ جانتے ہی انھوں نے اشارتاً رشتے کا کہا تھا اور دُرانی انکل، راحیلہ آنٹی کا رویہ بھی حوصلہ افزا ہی تھا۔ آپ سے اگر جویریہ نے کوئی ایسی ویسی بات کہی تو وہ یقیناً مذاق میں کہا ہے پھر بھی میں ایک بار اُس سے مل کر سب کچھ کلیئر کر لوں گی۔ اب تم ٹینشن چھوڑو۔ اپنے چہرے پہ پھیلی اُداسی دُور کر کے مسکراؤ سب میں بیٹھ کر ہنسو بولو اور Trust in God اللہ ہے ناں، وہ سب بہتر کرے گا"۔

وہ بڑے رسان سے اُسے سمجھاتے ہوئے بولی تھی اور وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے خود کو قدرے ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔

☆☆☆

"اس گھر کے مکینوں کی صبح بارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی اور سب کی نظروں میں تماشہ بننے سے بہتر ہے کہ میں اپنی رسوائی کا بار سمیٹ کر لے جاؤں قبل اس کے کہ تم یہ سب کرو۔ میری عزت، محبت اور وقار کو داؤ پر لگا دو مجھے خود اپنی انا کا بھرم رکھنا ہے"۔ اُس نے فیصلہ کن انداز میں سوچا پھر اپنی شادی کی تصویر وہیں رکھ دی۔

"جب تم نہیں تو شیشے میں قید کاغذ کا یہ بے جان ٹکڑا کس کام کا" اس کے آنسو رواں تھے وہ آخری نگاہ ڈال رہی تھی ہر اُس چیز پر جو اُس کی اپنی تھی شام تک اجنبی ہو جاتی۔

"کیا کچھ تھا اس گھر سے وابستہ خواب، خواہش، امیدیں، ارمان، تمنائیں، محبتیں، کتنا کچھ لٹایا تھا اس کے بے رحم، بے فیض مکینوں کے حوالہ تعلق و انسیت میں پڑ کر، اور کتنی اضطرابیاں، اذیتیں محرومیاں اور تشنگی سمیٹی تھی، یہاں قدم رکھتے ہوئے دل کو کتنی شادابیاں اور روح کو کسی شادمانیاں گھیرے ہوئے تھیں اور یہاں سے قدم نکالتے ہوئے۔ کسی اُداسیاں، آنسو، درد، دامن و دل کو بوجھل کیئے ہوئے ہیں؟

محبت اور جدائی، محبت اور بیوفائی اور اس کے درمیان کا کانٹوں بھرا راستہ جو طویل اور تکلیف دہ ہی نہیں شرمناک بھی تھا اور یہ راستہ بھی کسی خوشی نے نہیں مجبوری نے طے کرایا تھا۔ اور محبت کا یکطرفہ راستہ طے کرتے ہوئے سوچا ہی نہ تھا کہ دوسری جانب سے بھی کسی کے قدم ہماری طرف اُٹھتے ہیں یا نہیں بس اپنی لے میں چلتے درد سہتے وجود چھلنی کر لیا۔ اور شریانوں سے رِس رِس کر خون خاک کو سرخ کرنے لگا تو خیال آیا ہم کس خواب کا رزق ہو گئے۔ کس امید کے بدلے خود کو دار پہ لٹکا گئے۔

"واصف! مجھے نہیں معلوم میری منزل کہاں ہے یا میں کہاں پہنچوں گی۔ میں اس گھر کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ یہاں سے نکلنے کے بعد مجھے تلاش کی کوشش مت کرنا میں تمہیں اب کہیں نہیں ملوں گی۔ مجھے معلوم ہے تم مجھے چھوڑ دو گے رحماء کو اپنا لو گے پھر بھی دُعا ہے تم جہاں جس کے ساتھ رہو ہمیشہ خوش پر سکون رہو۔ ہاں ایک استدعا ہے اب تو میں تمہاری زندگی میں نہیں ہوں گی آپ نے مجھے اپنا نام دیا ہے یہ تعلق یہ حوالہ جو ہے ہی فقط نام کا اسے قائم رکھنا۔

فقط، زوباریہ

اُس نے چند لائنیں گھسیٹ کر کاغذ بیڈ کے

www.pkdigest.com

دراز میں رکھا اور اُٹھ کھڑی ہوئی بے جان قدم اُٹھاتی آہستہ آہستہ دُرانی ہاؤس کے گیٹ کی طرف جانے لگی گیٹ کے پاس پہنچ کر اُس نے اک آخری نگاہ ڈالی تھی اس شاندار گھر پہ جس میں وہ شاندار شخص رہتا تھا، جس سے محبت کر کے اُس نے دُکھ ہی دُکھ اکٹھے کر لیے تھے۔

اُس کی آخری نگاہ میں درد تھا اذیت تھی ٹوٹے خواب ادھوری خواہشوں اور ناتمام حسرتوں کا ماتم تھا۔ محبت، سسکیاں لے رہی تھی۔

''اب میں یہاں کبھی نہیں آسکوں گی تم سے کبھی مل سکوں گی نہ دیکھ سکوں گی۔ تم سے صرف یاد کا رشتہ رہ گیا باقی بندھن اجنبی ہو گئے۔ اگر یہ جدائی نہ ہوتی تو کیا ہوتا یارب'' اُس کا سارا وجود جل اُٹھا اور گرم گرم لاوا آنکھوں سے بہہ نکلا تھا، اُس کی آخری نگاہ درد سے بوجھل پلٹ رہی تھی۔

کسی کو الوداع کہنا بہت تکلیف دیتا ہے
اُمیدیں ٹوٹ جاتی ہیں
یقین پر بے یقینی کا کہر کچھ ایسا چڑھتا ہے
دکھائی کچھ نہیں دیتا، بجھائی کچھ نہیں دیتا
دعا کے لفظ ہونٹوں پہ مسلسل کپکپاتے ہیں
کسی خواہش کے اندیشے
ذہن میں دوڑ جاتے ہیں
گماں کچھ ایسے ہوتا ہے
کہ جیسے مل نہ پائیں گے
یہ گہرے زخم فرقت کے
کسی سے سل نہ پائیں گے
کبھی ایسا بھی ہو یارب
دعائیں مان لیتا ہے
تو کوئی معجزہ کر دے، تو ایسا کر بھی سکتا ہے
میرے ہاتھوں کی جانب دیکھ
انہیں تو بھر بھی سکتا ہے
جدائی کی یہ تیکھی دھار دلوں کا خون کرتی ہے
جدائی کی نوبت سے
میرا دل اب بھی ڈرتا ہے
جدائی دو گھڑی کی ہو تو کوئی دل کو سمجھائے
جدائی چار پل کی ہو تو کوئی دل کو بہلائے
جدائی عمر بھر کی ہو
تو کیا چارہ کرے کوئی
کہ اک ملنے کی حسرت میں
کب تک جیئے کوئی
میرے مولا کرم کر دے
تو ایسا کر بھی سکتا ہے
میرے ہاتھوں کی جانب دیکھ
انہیں تو بھر بھی سکتا ہے

☆☆☆

جویریہ نے اُٹھتے ہی حسب معمول اسٹڈی روم کا رُخ کیا کیونکہ زوباریہ اُس کے اُٹھنے سے قبل یہیں مطالعہ کرتی ملتی تھی۔ مگر آج وہ وہاں نہ تھی۔

''حیرت ہے کہ ابھی اُٹھی نہیں، بھابی تو خاصی سحر خیز ہیں'' اُس نے پر سوچ انداز میں اُن کے بیڈروم میں جھانکا وہاں گہرا سناٹا تھا پھر لاؤنج، ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم، انیکسی، کے علاوہ تمام کمرے چھان ڈالے کچن دیکھا لان کا چکر لگایا زوباریہ کہیں نہ تھیں۔

ملازم سے پوچھا ''تم نے زباریہ بھابی کو دیکھا ہے''۔

''جی وہ تو گیارہ بجے کہیں گئی تھیں بہت رو رہی تھیں'' چوکیدار نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

''کیا؟ رو رہی تھیں، کچھ بتایا نہیں کہاں جا رہی تھیں'' جویریہ نے اُلجھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں جی'' جویریہ نے پیشانی کو مسلتے ہوئے کچھ سوچا پھر بھاگتی ہوئی ماما کے بیڈروم میں آئی۔

''امی بھابی نہیں ہیں پورے گھر میں ڈھونڈ لیا میں نے، وہ کہیں نہیں ہیں'' اُنھیں جھنجھوڑتے ہوئے وہ بدحواس سی ہو رہی تھی۔

''کہاں جائے گی۔ واصف کہیں لے کر گیا

ہوگا اُس کے کمرے میں دیکھو' Message چھوڑ کے گئی ہوگی''۔ وہ اُٹھ کر بولیں۔

بھائی کے ساتھ نہیں اکیلی گئی ہیں آپ سے میں نے کہا تھا کہ بھائی اور بھابی کے درمیان کوئی مسئلہ چلا رہا ہے مگر آپ نے یقین نہیں کیا اور آج وہ بنا کسی کو کچھ بتائے چلی گئیں''۔ جویریہ روہانسی ہوگئی بولتے ہوئے۔

''چوکیدار سے پوچھا تم نے'' بیگم دُرانی سلیپر پہنتے ہوئے بولیں۔

''پوچھ لیا ہے اُسے صرف اتنا کہا ہے کہ وہ واپس نہیں آئیں گی۔ یہ نہیں بتایا جا کہاں رہی ہیں''۔

''تم پریشان مت ہو۔ میں دیکھتی ہوں'' وہ باہر نکلیں۔

سارا گھر اچھی طرح دیکھ لینے کے بعد بیگم دُرانی کا ماتھا بھی تشویش سے ٹھنکا۔

''جویریہ واصف کے سیل پر رابطہ کرو'' وہ انتہائی سنجیدہ آواز میں بولیں۔

''بات کریں'' جویریہ نے نمبر ملا کر موبائل انہیں پکڑایا۔

''واصف تم کہاں ہو؟'' وہ اُسی سنجیدگی سے بولیں۔

''آفس میں'' کیوں خیریت؟

''زوباریہ کہاں ہے؟''

''گھر میں ہوگی اور اُسے کہاں ہونا ہے؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''وہ گھر میں نہیں ہے'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولیں۔

''گھر میں نہیں تو کہاں ہے؟'' وہ چونک اُٹھا۔

''یہ تم بتاؤ گے کہاں ہے اور یہ بھی کہ تمہارے درمیان آج کیا ہوا ہے؟'' اُن کی آواز میں سختی در آئی۔

''کچھ نہیں ہوا بھلا کچھ ہوتا تو آپ کو علم نہ ہوتا؟'' واصف کا انداز اُلجھا ہوا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا تو زوباریہ گھر کیوں چھوڑ گئی ہے'' اُس کے انجان بننے پر وہ بگڑ کر بولیں۔

''What? زوباریہ گھر چھوڑ گئی کب؟'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

''تم گھر سے اُسے کیا کہہ کر گئے تھے؟''۔ اُس کا سوال نظر انداز کر کے اُنھوں نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، میں نے کیا کہنا ہے'' وہ مدافعتی انداز میں پریشانی سے بولا۔

تو پھر فوراً گھر پہنچو'' وہ کال ڈراپ کر کے دُرانی صاحب کو بتانے لگیں۔

''آپ لوگوں نے کیا بھگدڑ مچائی ہوئی ہے صبح صبح''۔ عامر آنکھیں مسلتا ہوا گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھا۔

''بھابی گھر چھوڑ کر چلی گئیں'' جویریہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا تو اُس کا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔

''پاگل تو نہیں ہوگئی تم، جو اول فول بک رہی ہو'' خود کو سنبھالتے ہی وہ بگڑ کر بولا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہے'' بیگم دُرانی کے کہنے پر وہ واقعی بھونچکا رہ گیا۔

''بھائی کو علم ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اُنھیں کہیں لے گئے ہوں''۔ اب وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''پوچھا ہے اُنہیں کوئی خبر نہیں اور اپنا سیل بھی اس نے مسلسل آف کر رکھا ہے۔ سیل پہ رابطہ نہیں ہو رہا''۔ وہ بتا کر اپنے ناخن دانتوں سے کترنے لگی۔

''اس شہر میں تو اس کا کوئی عزیز رشتے دار بھی نہیں پھر کہاں اور کس وجہ کے تحت گئی ہوگی'' پریشانی اس وقت سب کے چہروں سے مترشح تھی۔

☆☆☆

وہ سڑک پر اپنے بے جان جسم کو گھسیٹتے گھسیٹتے تھک گئی تو کچھ دُور آتی ٹیکسی کو اشارہ کیا رُکتے ہی

www.pkdigest.com

اندر بیٹھ گئی۔

"بیگم صاحبہ کدھر چلنا ہے"۔ اُس کی قیمتی ڈریسنگ کو دیکھ کر ڈرائیور نے مؤدب انداز میں پوچھا۔

"جہاں مرضی چھوڑ دو"۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ خالی الذہنی میں بولی۔

ڈرائیور نے حیرانگی سے مڑ کر دیکھا۔

"امیر لوگوں کی فرسٹریشن" وہ بڑبڑاتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

دو گھنٹے مختلف روٹس پر گھماتے وہ ایک پارک کے سامنے رُک گیا۔

"بیگم صاحبہ ابھی اور گھومنا ہے یا بس"۔

ڈرائیور کے پوچھتے ہی اس نے چونک کر دیکھا اور نفی کے انداز میں سر ہلاتے باہر نکلی پرس سے بغیر گنے رقم نکال کر ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھی اور آگے بڑھ گئی۔

"بیگم صاحبہ آپ نے شاید غلطی سے ہزار ہزار کے دو نوٹ پکڑا دیے ہیں"۔ وہ پیچھے آتا ہوئے پھولے سانسوں کے درمیان بولا۔

"زوباریہ ٹھٹک کر رُکی اور پرس کے اندر ہاتھ ڈال کر بقیہ تمام رقم بھی اُس کے ہاتھوں پر رکھ دی۔

"یہ بھی لے جاؤ سب لے لو، میں بہت امیر ہوں، مجھے دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ دُکھ، درد، تکلیف، اذیت، جدائی کا عذاب بہت دولت ہے میرے پاس غم کی۔ مجھے کاغذ کے ان ٹکروں کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو واصف درانی کی ضرورت تھی وہ نہیں تو کچھ بھی نہیں"۔ وہ پاگلوں کے سے انداز میں بولی تو ڈرائیوں خوفزدہ ہو کر بقیہ رقم وہیں پھینک کر بھاگا۔ زوباریہ وہیں بیٹھ کر ہزار، پانچ سو کے نوٹ اُٹھا اُٹھا کر پرزے کرنے لگی۔ پارک میں آتے جاتے لوگ اس دیوانی لڑکی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کچھ ٹوک دیتے کچھ ٹھٹک جاتے۔ اس عمل سے اُکتا گئی تو آہستہ آہستہ چلتی پارک کے ایک خاموش کونے میں سنگی بنچ پر بیٹھ گئی۔

اُس کے چہرے پہ دُکھ اور ملال کا تاثر بہت گہرا تھا آنکھوں کی جھیلوں میں بہت سے عکس بن بگڑ رہے تھے بہت سے خوابوں کا دھواں اُٹھ رہا تھا، وہ خواب جو اُس نے اپنے دل کے سرزمین پہ بہت چاؤ سے سجائے تھے اور کسی کو سکھ دیتے دیتے خود دُکھوں کا سودا کر لیا تھا، آنسو بہت دھیرے سے اُس کے رُخساروں کو تر کر گئے۔

"Hello miss are you ok I can help you"

کوئی اس کے سامنے رُکتا ہوا نرمی سے پوچھ رہا تھا، وہ بھیگی پلکیں اٹھا کر کچھ دیر اپنے سامنے کھڑے اُس ڈیسنٹ سے شخص کو دیکھتی رہی پھر اُس پہ اعتماد کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے لاہور پہنچنا ہے ابھی اور اسی وقت مگر میرے پاس پیسے نہیں جو کچھ تھا وہ لٹ گیا"۔

"اوہ ویری سیڈ" اُس نے تاسف سے ہونٹ سکوڑے پھر یکسر فیصلہ کر کے بولا۔

"اگر آپ اعتبار کریں تو میرے ساتھ چل سکتی ہیں اگلے گھنٹے میں لاہور کے لیے ہی روانہ ہونے والا ہوں"۔

"میں بہت مشکور ہوں گی اور اس مجبوری میں مدد کرنے کا اجر آپ کو خدا دے گا"۔

"کوئی بات نہیں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے"۔ وہ رسان سے بولا۔

"تو پھر چلیں" وہ اُٹھی۔

"Why not sour" وہ اُس کے ہمراہ قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔

"کتنے خواب تھے میری آنکھوں میں اس شہر میں قدم رکھتے ہوئے اور کتنے عذاب ہیں میرے پاس یہاں سے نکلتے ہوئے"۔ اُس کی آنکھیں پھر سے بھرنے لگیں۔

شب تنہائی میں

وہ جو بڑے سکھ میں ہے
اُسے کہنا!
کہ رات کا پچھلا پہر ہے
اور ابھی ہم جاگتے ہیں
ہماری آنکھوں سے نیند
کوسوں دُور ہے
ہمارے لب ابھی تک
اُس کے نغمے گنگناتے ہیں
ہمارا ذہن اب بھی
اُس کی باتیں سوچتا ہے تو
کبھی ہم ہنس سے دیتے ہیں
کبھی جی بھر کے روتے ہیں
شب تنہائی کی یخ بستہ ہواؤ!
اُسے کہنا ہم اب بھی باوضو ہو کر
تمہارا نام لیتے ہیں
اُسے کہنا یا اپنا نقش دھو جائے
یا پھر سے اپنا ہو جائے

☆☆☆

مہوش نے دُرانی ہاؤس میں قدم رکھا تو عجب خاموشی طاری تھی ہر طرف، زوباریہ نے فون کر کے اُسے رحماء کی پاکستان آمد کے متعلق بتایا تھا وہ بہت ڈپریشن کا شکار تھی اُس سے بات کرنے کے بعد سے مہوش کے اندر عجب بے چینی نے شور مچایا تھا۔ وہ کالج سے واپسی پر اسی طرف آ گئی۔ ایک دو دفعہ پہلے بھی وہ زباریہ کے بلانے پر آ چکی تھی اس لیے چوکیدار واقف تھا آرام سے اُسے اندر جانے دیا۔

"جو بات ہوئی ہے اُسے چھپاؤ مت واصف، بنا کسی جھگڑے یا وجہ کے زوباریہ گھر چھوڑ کر نہیں جا سکتی ہے۔" دُرانی صاحب کی تیز آواز نے اُس کے قدم کوریڈور میں ہی روک دیے۔

"زوباریہ آپی دُرانی ہاؤس چھوڑ کر چلی گئیں"۔ اُس کے اردگرد سائیں سائیں ہونے لگی۔

"Beleive me Mama" میں اُسے صبح اچھی بھلی چھوڑ کر گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم اُس نے اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا اگر وہ کسی اور جگہ انوال تھی یا طلاق چاہتی تھی تو مجھ سے بات کرتی مگر ایسے چپ چاپ....." مہوش تیزی سے اندر آ گئی۔

"واہ واصف صاحب واہ، کیا کمال کے ایکٹر ہیں آپ، کاش میرے پاس اس وقت کوئی تمغہ ہوتا تو اس شاندار اداکاری پر آپ کو پیش کرتی۔ میری بہن کی زندگی برباد کر کے اسے کانٹوں میں گھسیٹ کر خود کیسے بچ رہے ہیں۔ بتاتے کیوں نہیں اپنے گھر والوں کو کہ رُحماء سے شادی کرنے کے لیے آپ آپی کو اپنی کاغذی بیوی بنا کر لائے تھے اور اب رُحماء کی واپسی پر اُسے طلاق دے رہے تھے اس لیے وہ چلی گئی کیونکہ وہ یہاں سے اپنائیت کا احساس لیے ہی جانا چاہتی تھی اجنبیت کا نہیں۔ اُسے آپ سے محبت تھی۔ آپ جیسے بے حس اور ظالم شخص سے محبت کر کے میری بہن نے سارے خسارے اپنے نام لکھ لیے اگر وہ نہ ملی یا اُسے کچھ ہو گیا تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی" وہ نفرت سے وغصے سے چیخ پڑی سب لوگ کھڑے ہو چکے تھے۔

"کیا کہہ رہی ہے یہ لڑکی، واصف تم بولتے کیوں نہیں"۔ بیگم دُرانی مشکوک ہوئیں۔

"اور یہ رُحماء کا کیا چکر ہے؟"

"بکواس ہے، جھوٹے ہے یہ سب" وہ غصے سے تلملایا۔

"یہ سچ ہے اور اس سچ کا گواہ میں خود ہوں" دُرانی انڈسٹریز کا منیجر آفاق بولا۔ تو جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا واصف اُسے گھور رہا تھا۔

"واصف تم مجھے اپنی شکل نہ دکھانا جب تک زوباریہ کو ڈھونڈ نہ لو اور مہوش، آفاق آپ میرے ساتھ آئیں ذرا" بیگم درانی خطرناک حد تک سنجیدہ تھیں۔

☆☆☆

"تم لوگوں سے کوئی رابطہ کیا زوباریہ نے" وہ

www.pkdigest.com

مہوش سے مخاطب تھیں۔

"اگر وہ ہم سے کوئی رابطہ کرتی تو میں یہاں کیوں آتی اُس نے کل سے مسلسل اپنا موبائل آف کر رکھا ہے۔ جانے کہاں ہوگی؟"

مہوش کے آنسو پھسل کر رخساروں کو تر کر گئے اور تبھی لاؤنج میں رکھے فون کی بزر بجنے لگی واصف نے آگے بڑھ کر ریسور اُٹھایا تھا۔

"زوباریہ؟ یہ تم کہاں ہو؟ تم، کتنا پریشان کیا ہے تم نے سب کو، بنا بتائے گھر سے غائب ہو کر، تم شام تک میرا انتظار نہیں کر سکتیں تھیں کیا؟"۔ وہ دوسری طرف سے آواز سنتے ہی چیخا تھا۔

بیگم درانی نے چونکتے ہوئے بے اختیار اس کے ہاتھ سے ریسور پکڑا تو سپیکر آن ہو گیا۔ انگلی لگنے سے اور زوباریہ کا غم لہجہ سب کو سنائی دینے لگا۔

"شام کو کیا ہونا واصف۔ نکلنا تو مجھے اس گھر پھر بھی تھا۔ دربدری تو میرا مقدر پھر بھی بنتی۔ جس جگہ پہ جس حیثیت سے میں موجود تھی وہ رحماء کے لیے مختص تھی میرے لیے صرف ذلت، رسوائی اور عذاب تھا تیس لاکھ کے بدلے محبت بیچ کر کیسے جیتی کاش میرے پاس تیس لاکھ ہوتے تو اپنی ماں کے علاج کے لیے خوار نہ ہوتی اور تمہارے پیسے تمہارے منہ پہ مارتی۔ واصف محبتیں یوں آسانی سے چھوڑنے والی چیزیں نہیں ہوتی، نہ چھوڑی جاتی ہیں یہ اپنی ماں سے پوچھو جو آج بھی بہن اور بھانجی کے لیے تڑپ رہی ہے۔ یہ میری ماں سے پوچھو جو روز اپنے باپ، بھائی اور بہن کے لیے چھپ چھپ کر آنسو بہایا کرتی تھی جو مجھے دُرانی ہاؤس کی بہو بننے کے عہد سے آشنا کرانے کو کہتی تھی۔

"تم تو اپنی خالہ راحیلہ کی بیٹی ہو۔ انھوں نے تجھے پیدا ہوتے ہی مانگ لیا تھا اپنے بیٹے کے لیے" وہ سسکی۔

"اور میں کہتی تھی بس کریں امی۔ جو رشتے ناتے آپ کو راس نہ آئے مجھے کیسے آئیں گے۔ امی اور خالہ کا خواب میری صورت اس گھر کی تعبیر ضرور بنا مگر اک سودے اک مجبوری کے تحت"۔ زوباریہ کی سسکی اُبھری وہ اپنے آنسوؤں بھرے لہجے میں دوبارہ بولی تھی۔

"اگر مجھے اس گھر سے اپنے خونی رشتے کی نوعیت کا علم ہوتا تو بخدا کبھی جیتے جی اِدھر کا رُخ نہ کرتی اور تمہاری زندگی سے نکلنا بھی میرے لیے آسان ہوتا۔ آج سے پچیس سال پہلے شگفتہ درانی بھی اس گھر سے نکلی تھی اور میں بھی نکلی ہوں مگر وہ اپنی مرضی سے اپنے گھر والوں کی مرضی سے سب تعلق توڑ گئی تھی میں مجھے نکالا گیا ہے کسی اور کے لیے کسی اور کی وجہ سے"۔

"بکواس مت کرو تم اپنی مرضی سے نکلی ہو اور اب کہانیاں مت گھڑو"۔ وہ اپنا راز کھلتے دیکھ کر طیش سے بولا۔

"کہانیاں تو بن چکی ہیں واصف اگر ان کہانیوں کا خوف تھا تو میری زندگی، میری محبت، میرے جذبات کے ساتھ مذاق کیوں کیا۔ کیوں تماشا بنایا مجھے دُنیا کے سامنے، رحماء کے لیے تم نے اپنے گھر والوں سے چیٹنگ کی، مجھ سے کاغذی تعلق جوڑ کر میرے جذبات واحساسات سے کھیلا اور کتنے سرخرو ہو بتاؤ اپنے گھر والوں کو کہ تم مجھے ایک سودے کے تحت میری مجبوری کو خرید کر اس گھر میں لائے تھے تاکہ میرے ذریعے رحماء کے لیے جگہ ہموار کر سکو اور یہ کام ہو گیا تو میں یہاں کیسے رہتی تم شام تک طلاق کے کاغذات بنوا کر لے آتے پھر تمہارے گھر والوں کی نگاہوں لہجے اور رویے کی تحقیر و تضحیک میں کیسے سہتی۔

کیا سوچتے وہ سب کہ محض رقم کے لیے میں نے اپنا نسوانی وقار عزت اور انا داؤ پر لگا دی اور میں اتنی ذلت کا بار اس دریدہ دامن میں اکٹھا کر کیسے جیتی"۔ اُس کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔ واصف دُرانی کا رنگ بدلتا چہرہ خفت و ندامت سے جھک گیا

تھا۔

"زوباریہ مجھے بتاؤ تم کہاں ہو۔ کس حال میں ہو؟ میں خود تمہیں لینے آتی ہوں۔ تمہیں اس گھر سے نکالنے والا ابھی پیدا نہیں ہوا اس گھر کی بہو تم ہو صرف تم" راحیلہ بیگم تڑپ کر بولیں تو دوسری طرف کچھ دیر کو بالکل خاموشی چھا گئی۔

"جب رشتوں کا تقدس ماند پڑ جائے اور محبتوں کا مفہوم دھندلانے لگے تو مقام و حیثیت سے فرق نہیں پڑتا۔ بات تو ساری دل کی ہوتی ہے دل وہ نہیں رہتا اور جب اُن کا دل ہی میرا نہیں اُن کے احساسات میرے ساتھ رہ کر بھی کسی اور کے لیے تڑپیں گے تو پھر میں یہاں رہوں یا کسی اور فرق نہیں پڑتا"۔ وہ آزردگی سے بولی۔

"زوباریہ میری بیٹی ایسا مت کہو تمہیں نہیں معلوم، میں تم لوگوں کے لیے کتنا تڑپی ہوں" وہ رو پڑیں کہتے ہوئے۔

"زوبی آپی پلیز آپ مجھے تو بتائیں کہاں ہیں؟" مہوش آگے ہو کے بولی۔

"مہوش تم بس اتنا کرو۔ اس شخص سے کہنا مجھے اپنی زندگی میں نہ رکھے مگر طلاق نہ دے اس کا نام میرے ساتھ ہوگا تو مجھ پہ موت آسان ہو جائے گی"۔ وہ سسکتے ہوئے بولی تھی اور فون خاموش ہو چکا تھا۔ مہوش بے تابی سے آنے والا نمبر نوٹ کرنے لگی یہ کسی ہوٹل کا نمبر تھا۔

وہاں سے معلوم کیا تو پتا چلا وہ صرف گھنٹہ بھر یہاں ٹھہری تھی پھر کہاں گئی کوئی خبر نہیں"۔

"بہت برا کیا ہے آپ نے ہمارے ساتھ۔ ہمیں جیتے جی قبر کے اندر اتار دیا۔ قاتل ہیں آپ میری بہن کی زندگی اور خوشیوں کے ہم سب کے سکھ کے، بہت دُعائیں مانگی تھیں میں نے آپ سے مل کر کہ خدا آپ کی ہمیشہ کے لیے میری بہن کا نصیب بنا دے اور آپ نے اُسے اپنے ساتھ تو کیا اپنے بنا بھی جینے کے قابل نہ چھوڑا ذرا ترس نہیں آیا آپ کو ایسا کرتے ہوئے کاغذی سہی مگر اک تعلق تھا آپ کے درمیان اس تعلق نے ذرا آپ کو نرم نہ ہونے دیا۔ کیسے انسان ہیں آپ کہتی ہوئی باہر نکل گئی"۔

مہوش آنسوؤں کے ساتھ بولتی نکلی تھی اور واصف کے ساتھ دُرانی ہاؤس کے سب مکین چپ سنجیدہ اور رنجیدہ بیٹھے تھے۔

☆☆☆

کبھی کبھی خوش امیدی پہ چھایا یاست کا موسم طویل ہو جائے تو بہت سی امیدیں دم توڑ جاتی ہیں اور وہی امیدیں غیر متوقع طور پر پوری ہوں تو بہت اچھا لگتا ہے دل خوشی سے بھر جاتا ہے اور ارد گرد خوش کن خوشبو میں رقص کرنے لگتی ہیں، اس کی زیست پہ بھی اچانک غیر متوقع خوشی وقوع پذیر ہو کر اُسے انجانی خوشیاں عطا کر گئی تھی۔

"میز بیٹا تم سے اُس نے جو کچھ بھی کہا وہ سب مذاق تھا وہ بہت معصوم اور نیک فطرت لڑکی ہے اُس کا کبھی کہیں کسی سے کوئی افیئر اور فرینڈ شپ رہی نہ ہے اور اگر تمہارے جذبے صادق ہیں تو یقین رکھو وہ تمہیں ضرور ملے گی"۔

صالحہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر کہا تو وہ چونک کر بولا۔

"امی آپ کو یہ سب کیسے علم ہوا۔ ہو سکتا ہے آپ کا اندازہ غلط ہو؟"۔

وہ پھر سے مسکرا اُٹھیں اور نرمی سے بولیں۔

"یہ اندازہ نہیں مصدقہ اطلاع ہے میری بذات خود بات ہوئی ہے جویریہ سے۔ اور مجھے معلوم ہے وہ تمہیں پسند کرتی ہے بس ذرا محتاط طبیعت ہے ایسی لڑکیاں بمشکل ہی کھلتی ہیں"۔

"وہ تو ٹھیک ہے امی مگر ایسا نہ ہو کہ اُس کے کھلتے کھلتے میرا دل بند ہو جائے گا"۔

"ایسی بات مذاق میں بھی نہیں کہتے وہ بھی ماں کے سامنے" وہ اُس کے سر پر چپت لگاتے

www.pkdigest.com

ہوئے بولیں۔

"ویسے سہی بتائیں آپ کو کیسی لگی وہ لڑکی؟"
وہ مسکراتے ہوئے ماں سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے چھوڑو، بات تو تمہاری ہے زندگی تو تم نے گزارنی ہے اور لڑکی تمہاری من چاہی ہو تو سب سے بہتر ہے"۔ ان کا انداز سرسری تھا۔

"میری من چاہی لڑکی آپ کے بھی من کو لگے تو سب سے بہتر ہے۔ کہ چاہت وہی اچھی جس میں سب کی چاہ شامل ہو"۔ وہ سعادت مندی سے بولا۔

"اچھے خیالات ہیں خدا تمہیں یونہی فرمانبردار رکھے ویسے لڑکی واقعی اچھی اور خوبصورت ہے۔ اور صرف صورت کی نہیں سیرت کی بھی بہت خوب ہے۔ اسی لیے میں نے راحیلہ سے بات کی ہے رشتے کے لیے اُس نے کچھ وقت مانگا ہے سوچنے کو لیکن مجھے اُمید ہے کہ یہ وقت طویل نہیں ہو گا کیونکہ میرا بیٹا اس قابل ہے کہ فوراً ہاں وہ جائے"۔

"اور اگر نہ ہوئی تو....." وہ کچھ پر سوچ انداز میں بولا۔

"ذہن میں Positive Thinking کو جگہ دو Negative خیالات کو جھٹک دو۔ اور یاد رکھو کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ توقع رکھتا ہے یا جس کے لیے کوشش کرتا ہے۔ خوش بصری اک ماسٹر کی ہے جس سے ہر بند دروازہ کھولا جاتا ہے اپنے ذہن میں اچھی امید کو جگہ دو"۔ وہ اُس کی طرف دیکھ کر بولی تھیں۔

"پتا نہیں کیوں دل ڈرتا ہے سوچ کر اُن لوگوں کے بھی اصول ہونگے کچھ ترجیحات ہونگی کچھ طے کر رکھا ہوگا انھوں نے اپنی بیٹی کے مستقبل کے متعلق، اور ضروری نہیں کہ میں اُن کی توقعات پہ پورا اُتروں" وہ دھیرے سے بولا۔

"پہلے تو یہ خیال ذہن سے نکال دو کہ تم کسی وجہ سے ریجیکٹ ہو سکتے ہو یا کسی کی توقعات سے کم ہو سکتے ہو۔ ایسی شکستہ دلی تو وہ بھی نہیں رکھتے جو خامیوں کا مرقع ہوں۔ تم تو پھر ماشاءاللہ بفضلِ خدا ہر لحاظ سے کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتے ہو۔ والدین کے معیار پر پورا اُتر سکتے ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا پر بھروسہ رکھو وہ تمہارے خواب پورے کرے گا"۔ وہ دھیمے لہجے میں سمجھاتے ہوئے بولی تھیں۔

"آپ صحیح کہہ رہی ہیں، اچھی اُمید اور خدا پہ بھروسہ ہی انسان کو منزل تک پہنچاتا ہے"۔ وہ خود کو قدرے ہلکا پھلکا محسوس کر کے بولا۔

"یقیناً اور اب اُٹھو شاور لو فریش ہو لو پھر مجھے ذرا مارکیٹ تک چھوڑ آؤ کچھ ضروری اشیاء لانی ہیں"۔

"او کے۔ آپ تیار ہوں، میں چینج کر لوں اور لائبہ سے بھی پوچھ لیجیے گا ورنہ پھر منہ بسورے پھرتی رہے گی دو دن تک" وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

"اُن سے پوچھ لیا ہے وہ اور نگین دونوں ایک ساتھ کل جائینگی تم صرف مجھے لے جاؤ"۔ اور معیز رضا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے واش روم میں چلا گیا۔

☆☆☆

ہم تھے جن کے سہارے، وہ ہوئے نہ ہمارے
ڈوبی جب دل کی نیا، سامنے تھے کنارے
یوں تو دُنیا بسے گی، تنہائی پھر بھی ڈھلے گی
جو زندگی میں کمی تھی، وہ کمی تو رہے گی
ہم تھے جن کے سہارے، وہ ہوئے نہ ہمارے

سڑک کے کنارے بنے ایک درمیانے درجے کے ہوٹل سے لتا کی سریلی اور درد بھری آواز، گویا اُس کی بے بسی و مجبوری کی داستان کہہ رہی تھی۔

تھکن سے چور بے خواب آنکھیں لئے شدید بے بسی کے احساس سے مغلوب نجانے وہ کب سے اُسے ڈھونڈ رہا تھا۔ اُس نے کبھی نہیں

سوچا تھا کہ کسی لڑکی کی محبت اُسے وقت کے بے رحم تھپیڑے میں لا کر یوں خوار کرے گی۔ دو لڑکیاں اُس کی زندگی میں آئی تھیں ایک نے خود محبت کر کے اُس نے سب کی بے اعتبار پالی تھی اور دوسری نے اُس سے محبت کر کے عجب بے بسی کے جہاں میں لا پٹخا تھا۔

وہ لڑکی جو قریب تھی تو اُس نے کبھی درخورِ اعتنا نہ جانا تھا اب دُور تھی تو اس کو کھو دینے کا تصور لاکھوں لوگوں کے درمیان آنسو بہانے پہ مجبور کر رہا تھا۔ ضبط کرب و گریہ نے اُس کی آنکھوں کو سرخ کر رکھا تھا اپنی اہم سے اہم مصروفیت پس پشت ڈال کر وہ شدید پریشانی کے عالم میں خوار ہوتا پھر رہا تھا۔ پارک، ہوٹل، اڈے، ہاسپٹل ہر جگہ ہر چہرے کو غور سے دیکھتا تھا۔ انسانوں کا ہجوم بیکراں تھا ہر چہرہ بار بار آنکھوں میں گھومتا ایک وہی نظر نہ آ رہی تھی جس کی تلاش تھی اُسے پریشانی کے ساتھ غصہ بھی آ رہا تھا۔

زمین نگل گئی کہ آسمان کھا گیا اُسے کیا تھی وہ اُس کی زندگی کی کتاب کا ایک بیکار صفحہ جو پھٹ گیا تو اچھا ہوا مگر نہیں اُس کے شعور، احساس پہ ادراک کے کچھ اور در کھل رہے تھے کوئی لمحہ خاص اُس پر حاوی ہو رہا تھا اسی لمحے میں اُس نے جانا تھا اُس سے کوئی گہرا رشتہ، گہرا جذبے سے بندھا کچھ ایسا خاص تعلق تھا کہ وہ اُس کی غیر موجودگی اور نہ ملنے کے احساس تلے آ کر اُبھر رہا تھا اور یہ رشتہ کیا تھا۔

دوستی نہ ہمدردی بلکہ محبت تھا جسے وہ ماننے پہ تیار تھا نہ سمجھنے پہ اور درد و تلخی کے ان لمحات میں یہ رشتہ اپنا آپ منوا چکا تھا۔ اُس کے اندر اک شور برپا تھا زوباریہ کی محبت و لگن کا شور اور باہر سنائے تھے وہ حیرت زدہ ساکت گاڑی کے بونٹ پہ بیٹھا تھا۔ رحماء بار بار میسج کر رہی تھی مگر وہ Reply نہیں کر پا رہا تھا تھکن سے چور شیزان کے وسیع ہال میں آ بیٹھا وہاں سے نکلا تو پھر اک اک چہرے کو غور سے دیکھتا گاڑی تک آیا۔ "واصب سے ملیں تم پھر" فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے اپنے پیچھے یہ آواز سنی تو ہاتھ رک گئے۔

"نہیں۔ اس کو بتایا تو تھا آنے کا مگر وہ جانے کہاں غائب ہے کہ ملا نہیں ابھی تک" دوسری آواز بلاشبہ رحماء کی تھی۔

"ہو سکتا ہے اپنی کاغذی بیوی کو فارغ کر کے ہی تم سے ملے۔ آخر اتنی محبت کرتا ہے تم سے" جواباً رحماء نے استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگایا تھا۔

"محبت، احمق آدمی ہے پھنس گیا۔ اب اس کی ماں کو پتا چلے گا کہ کیا ہوتی ہے عزت، میری ماں کو اتنے ہجوم میں بے عزت کیا تھا یہ کہہ کر کہ ہم اُن کے لیول کے نہیں کمتر ہیں۔ اب جب علم ہو گا کہ اُس کا حسین اور ہینڈسم بیٹا رحماء اویس کے عشق میں اتنا پاگل ہو چکا ہے کہ اپنی خوبصورت اور باوفا بیوی کو بنا چھوئے طلاق دے رہا ہے۔ اور مجھ سے شادی کی خاطر تیس لاکھ روپیہ بھی لٹا چکا ہے تو وہ مغرور بڈھی پاگل ہو جائے گی صدمے سے"۔ اس کا لہجہ زہر خند تھا۔ واصب سن سا کھڑا تھا۔

"ویسے یار قصور تو اُس کی ماں کا ہے سزا تم بیٹے کو تو نہ دو"۔

"تمہارا کیا مطلب ہے اپنے شوہر بچوں کو چھوڑ کر اُس بیوقوف آدمی سے شادی رچا لوں؟۔ جس کی ماں نے ہمیں پوری محفل میں بے عزت کیا تھا اور پھر اویس جیسے شوہر کے ہوتے ہوئے مجھے واصف کی ضرورت کیا ہے اویس اڈھیر عمر، گنجا اور بے حس سہی دولت مند تو ہے مجھے پوری دنیا گھما چکا ہے کروڑوں کا بزنس مین ہے جلد مر کھپ جائے گا پھر واصف جیسا پاگل تو بعد میں بھی مل سکتا ہے" اب وہ دونوں ہنس رہی تھیں۔

"بس مجھے ملنے دو اُس سے اور وہ اپنی منکوحہ کو طلاق دے دے پھر دیکھنا میں اُس کی فیملی کو ایسی بھری محفل میں بلوا کر اُسے ٹھکراؤں گی جیسے اُس کی

www.pkdigest.com

ماں نے مجھے ٹھکرایا تھا"۔

وہ نفرت سے بولی واصف نے اپنے گھومتے سر کو تھام کر پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش کی وہ اس سے پیچھے تیسری گاڑی کے پاس کھڑی تھی اور اب اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

یہ کیسا اُتار چڑھاؤ تھا کیا ہوا تھا اس کے ساتھ کہ اک پچھتاوا، احساس ندامت دل کو گھیر کر ملال عطا کر رہا تھا اور کتاب زندگی سے غائب اک فضول صفحہ اہم ورق لگ رہا تھا زندگی کا۔ اور اُسے محبت کا سبق ازبر کرا رہا تھا۔

"میں آپ سے اتنی محبت کرتی ہوں کہ آپ کے وہم وگمان میں بھی نہیں رحماء آپ سے اتنی محبت کبھی نہیں کر سکتی"۔

وہ گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا اور سماعتوں میں زوباریہ کی بھیگی التجا بازگشت بن کر گونج رہی تھی۔

"میں آپ سے کچھ نہیں مانگتی۔ محبت کرنے والوں کے دل تو بہت وسیع ہوتے ہیں۔ آپ جہاں رحما کو سب کچھ دیں گے اگر چند لمحے مجھے دے دیں کیا فرق پڑتا ہے"۔

واصف کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹ کر گرا تھا۔

"مت چھوڑیں مجھے، مت کریں میرے ساتھ ایسا، میں رحماء کی طرح دولت مند نہیں لیکن میرے پاس محبت کی دولت ہے میری محبت آپ کو غریب نہ ہونے دے گی"۔

اُس کے دماغ درد کی شدت سے پھٹنے لگا۔

"کاش میں یہ گاڑی کسی چیز سے ٹکرا دوں"۔

بہت جذباتی سا خیال آیا تھا اُسے۔

"میں آپ کی بیوی ہوں خدا کو گواہ بنا کر آپ نے مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے"۔ اُس نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی تھی۔

"مجھے طلاق مت دیں، میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی" وہ اسٹیرنگ وہیل پر سر رکھے رو رہا تھا۔ وہ لمبا چوڑا مرد ایک عورت کے لیے رو رہا تھا وہ عورت جو اُس کے لیے صرف راہ گزر تھی منزل نہیں۔

"یہ سب میرے ساتھ ہونا تھا میں نے کفران نعمت کیا تھا۔ سچی محبت کو ٹھکرایا تھا۔ سزا میرا مقدر بنا تھی۔ مگر اب کہاں ڈھونڈوں اُسے"۔

پورا ہفتہ ہو گیا تھا اُسے تلاشتے وہ لمحہ بھر سونہ پایا تھا۔

اُداسی تم اُسے کہا!
ہوا کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
اور صدا ویران پھرتی ہے
خلا جو ذات کی ہر چار دیواری کے
اندر ہے کبھی بھی کھل کر رو نہیں پائی
اُداسی تم اُسے کہنا!
تیرا بچھڑا ہوا اجڑے ہوئے شہروں میں
اکثر بھاگتا پھرتا ہے
اکثر جاگتا پھرتا ہے، سو نہیں پاتا ہے
کہ شاموں کی بلکتی گفتگو میں
کس قدر تکلیف وہ ہیں
کوئی کیا جانے کس کو کیا علم؟
جب رات ڈھلتی ہے
ستارے اپنی اپنی کوکھ سے
یادیں لہو اور سپنے، اپنی اپنی لاشوں سے
باہر نکلتے ہیں تو کتنا جسم جلتے ہیں
دعا کے، آرزوؤں کے، وفاؤں کے
اُداسی تم اُسے کہنا!
ہم بھی اپنی راکھ ہاتھوں میں لئے
اور سسکیاں لیتی ہوئی تنہائی کے
بال کھولے بین کرتے ہیں
اُداسی تم اُسے کہنا!

☆☆☆

اُس کی آنکھیں کھلیں تو سر بہت بوجھل ہو رہا تھا اور درد کی ہلکی ہلکی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔

"السلام علیکم، کیسی طبیعت ہے آپ کی" وہ

دروازہ نوک کر کے کمرے میں داخل ہوا۔

"اچھی ہوں، پہلے سے بہتر محسوس کر رہی ہوں" زوباریہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

"یہ آپ کا گھر ہے" وہ چاروں طرف نگاہیں دوڑاتے ہوئے اب اُس کو دیکھ کر بولی۔

"جی اور آپ منہ ہاتھ دھو کر فریش جائیں میں اپنی والدہ اور بہنوں سے آپ کو ملواتا ہوں وہ آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہی ہیں"۔

حسام نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کے واش روم میں چلی گئی۔

چہرہ دھو کر بالوں میں کنگھی کر کے ڈوپٹہ سلیقے سے اوڑھے وہ کمرے سے باہر نکلی تو آنکھوں میں چمک اور چہرے پر نوعمری کا معصوم بانکپن لئے ایک لڑکی اُسے کے چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی بولی۔

"باجی ڈائننگ ہال میں آجائیں سب وہیں آپ کا انتظار کر رہے ہیں"۔

"السلام علیکم" وہ دھیرے سے سلام کر کے خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"وعلیکم، بیٹی کیسی ہو اب، رات کو تم آئیں تو تمہاری طبیعت بہت خراب تھی۔ حسام نے نیند کی گولی دے کر تمہیں آرام کرنے کو کہا تھا ہم نے صبح اسی لیے تمہیں جلدی نہیں اُٹھایا تھا کہ خود اُٹھ جاؤ گی"۔

ادھیڑ عمر عورت جو یقیناً حسام کی والدہ تھیں تفصیل سے بولیں۔

"ٹھیک ہوں آنٹی، ان فیکٹ میری امی کا گردے کا آپریشن تھا اسی وجہ سے میں پریشان تھی" وہ خود ہی خرابی طبیعت کا جواز پیش کرتے ہوئے بولی۔

"اوہ ویری سیڈ" انھوں نے تاسف سے ہونٹ سکوڑے پر اُسے تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

"اللہ سب بہتر کرے گا تم پریشان نہ ہونا زندگی، صحت کے معاملات قدرت کے ہاتھ میں ہیں اور وہ یقیناً اپنے بندوں پر بہت کرم نواز ہے۔ تم اچھی طرح ناشتہ کرو۔ وہ اُس کے آگے مختلف لوازمات سے بھری میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں تو زوباریہ نے کچھ تحیر سے کہا۔

"اتنا کچھ نہیں آنٹی میں ناشتے میں صرف ایک توس اور ایک کپ چائے لونگی"۔

"یہ آپ کا اپنا گھر ہے شرم یا جھجک کیسی" حسام بیٹھتے ہوئے بولا۔

"Thanks" حسام بھائی بہت شکریہ آپ سب کے خلوص کا لیکن یقین کریں اس وقت میرے سر میں درد ہے اور میرا کسی چیز کو دل نہیں چاہ رہا ہو سکے تو سر درد کی ٹیبلٹ دے دیں۔

"یہ لیں سر درد کی دوا اور ایک بات یاد رکھیں کہ غم خواہ کتنا اور کیسا کیوں نہ ہو آخر گزر جاتا ہے احساس غم کے تحت خود کو مت ماریں بلکہ زندہ رکھیں ان خوشیوں کے لیے جو ابھی آپ کی زندگی میں انی ہیں اور آپ کو اُن کی ضرورت ہے"۔

حسام ناشتے کے بعد اُس کے سامنے چائے اور گولیاں رکھتے ہوئے بولا۔

"خوشیاں" اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ پھیل گئی جو درد سے بھرپور تھی، خوشیوں کو کبھی ایسے راستے ہی نہیں ملے جو مجھ تک پہنچ سکیں اگر خوشیاں مجھ تک آئیں تو میرے گرد غموں کا ہالہ کیوں بنتا؟"

"خوشیوں، امیدوں اور محبتوں کو راستے نہیں روپے ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں، احساسات کا تقدس اور اپنا پن ایک دوسرے تک لاتا ہے۔ اور یہ بغیر کسی راہ کے خود بخود جگہ بنا لیتی ہیں ہمارے اندر اور آپ کے حصے کی خوشیاں بھی آپ کو ضرور ملیں گی۔ وہ ساری خوشیاں جو آپ سے دور ہو گئی ہیں مگر گم نہیں ہوئیں"۔ حسام نے فلسفیانہ لہجے میں کہا۔

"پتا نہیں حسام یہ تم کہتے ہو ورنہ مجھے تو لگتا ہے میری زندگی سے ہر احساس کا خاتمہ ہو گیا ہے ہر

www.pkdigest.com

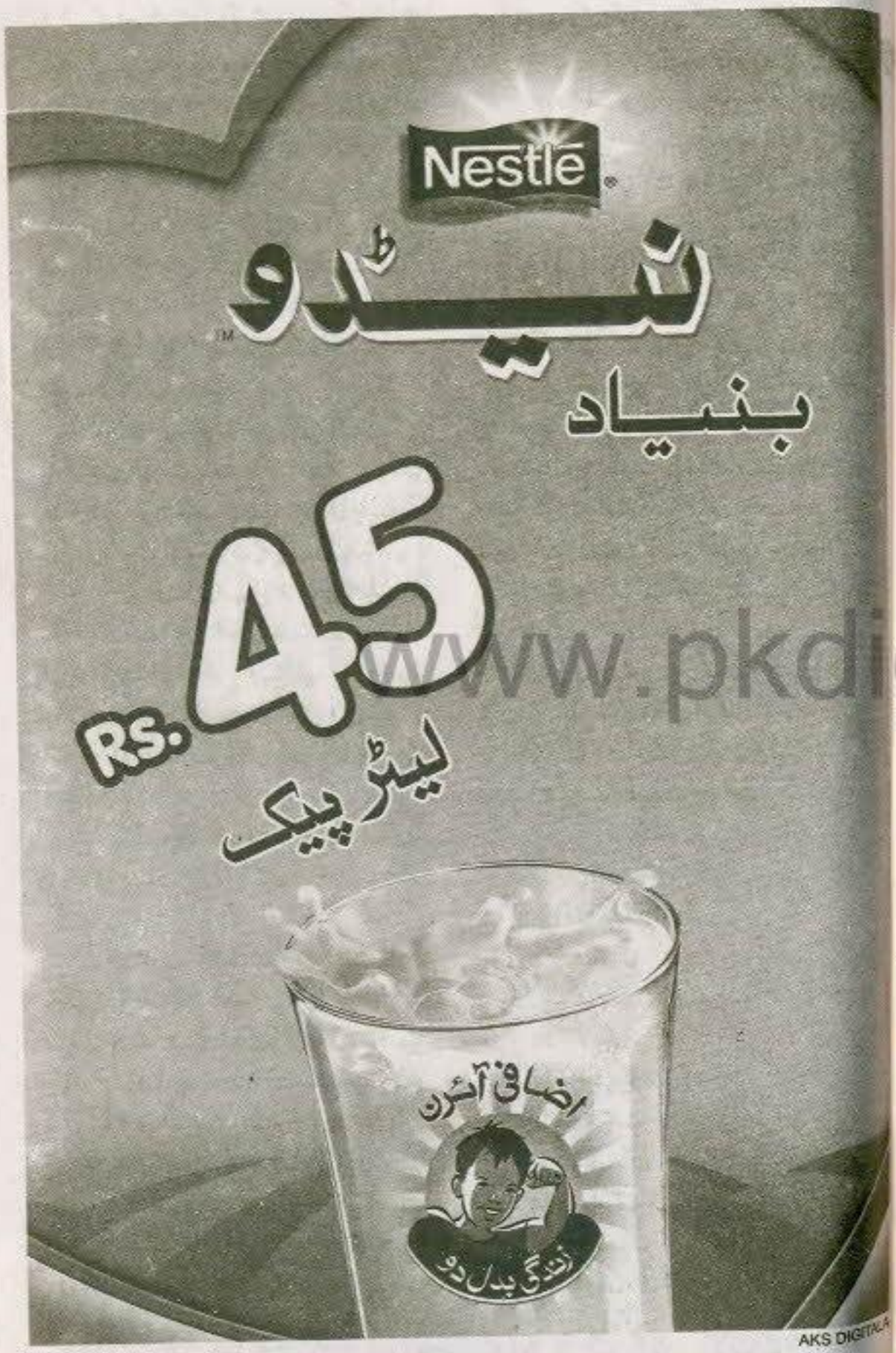

جذبہ مر گیا ہے جینے کو کچھ نہیں بچا" وہ مایوسی کی انتہا پہ تھی۔

"جینے کو بہت کچھ ہے زوباریہ آپی، صرف اُس شخص پہ زندگی ختم نہ کریں جو آپ کی محبتوں کی قدر نہ کر سکا بلکہ اُن لوگوں کے لیے جیئیں جو آپ کی قدر کرتے ہیں آپ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ کو بہت دعائیں، محبتیں اور خلوص دیتے ہیں"۔ حسام بڑی محبت اور خلوص سے بولا۔

"شاید یہ ان لوگوں کی دُعائیں اور محبتیں تھیں جنہوں نے ان تکلیف دہ حالات میں بھی میرا سانسوں سے تعلق قائم رکھا۔ ورنہ جینے کی خواہش یا اُمید تو نہ تھی۔ اور تمہاری بھی شکر گزار ہوں کہ تم نے میرا ساتھ دیا مجھے پناہ دی" وہ نم لہجے میں بولی۔

"زوباریہ آپی کوئی انسان بذات خود کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا یہ سب ہماری قسمت اور قدرت کاملہ کے کرم ہیں۔ کہ راہیں آسان ہو جاتی ہیں اور راستے کھلتے جاتے ہیں"۔

"اور وہ راستے کیوں نہیں کھلتے جن کا بہت انتظار ہوتا ہے۔" اس نے دلگرفتی سے سوچا تھا۔

"کیا سوچا تھا زندگی کے بارے میں کیا خواب دیکھے تھے اور کیا ہو رہا تھا، مہوش، ماہم اور عدیل جانے کیسے ہونگے کیا سوچ رہے ہونگے میرے متعلق اور وہ بے درد شخص جس سے محبت کر کے روگ لگا لیا خود کو وہ کیسا ہوگا، کیا خیالات ہونگے اس کے میرے اپنی زندگی سے نکل جانے پہ، جانے اپنے گھر والوں کو کیا بتایا ہوگا کیا کہا ہوگا۔ رحماء تو اب تک اُس کی ہو چکی ہوگی۔ جانے دُرانی ہاؤس کے مکینوں نے کیا رویہ رکھا ہوگا رحماء کے لیے اور واصف درانی ان سب حالات سے کیسے گزر رہا ہو گا۔ وہ وہاں سے آ کر بھی وہیں تھی۔

"اور یہ گھر یہاں حسام کے دوست کی بہن کی حیثیت سے آ تو گئی ہوں مگر یوں پڑے رہنے یا بے کار بھٹکنے سے تو کچھ نہ ہوگا۔ زندگی ایسے تو نہ گزرے گی"۔

اَن گنت سوالات تھے جو اسے پریشان کر رہے تھے سوچوں کے خار زار جنگل میں بھٹکا رہے تھے۔ اوہ وہ سفید کین کی چیئر سے اُٹھ کر ہار سنگھار کے درخت سے ٹیک لگا کر پلکیں موند کر بیٹھ گئی دو گرم آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگتے رخساروں پہ پھسل آئے تھے اور دور کھڑے حسام نے تاسف سے ہونٹ سکیڑتے ہوئے اُس کے لیے خوشیوں بھری زندگی کی دُعا بہت دل سے کی تھی۔

اک جھیل ہے آنکھوں میں جو آباد بہت ہے
صدیوں یونہی رونے کو تیری یاد بہت ہے
کہہ دو کہ سمندر سے پلٹ آئیں ہوائیں
بارش کو میرے اشکوں کی بنیاد بہت ہے
یہ کیا کہ بلکتا ہی پھروں شام و سحر میں
تو خدا ہے تو ایک ہی فریاد بہت ہے

☆☆☆

محبت خود اپنی گہرائیوں سے اس وقت تک واقف نہیں ہوتی جب تک جدائی کے لمحے اُسے بیقرار نہ کر دیں اُسے بھی ہجر ساعتیں شمار کرتے ہوئے پتا چلا تھا کہ رحماء جیسی دھوکہ باز، بے وفا اور فراڈ لڑکی کے لیے اُس نے زوباریہ جیسی معصوم، پرخلوص اور چاہتوں کے جذبوں سے گندھی خالص لڑکی کو کھو دیا تھا۔ اور یہ نقصان ایسا تھا کہ جس نے اس کے اعصاب شل کر کے رکھ دیے تھے۔

"محبت دل پہ دستک ہے اور یہ دستک پہلی بار آپ کے دل پہ ہی ہوئی ہے اب نہ سہی کبھی تو اس دستک کا شور آپ کے دل میں برپا ہوگا اور آپ کو زندگی میرے بنا گزارنی کتنی مشکل لگے گی یہ وقت بتائے گا"۔

اُس کی سماعتوں میں زوباریہ کا نم لہجہ گونجا تھا اور اُس کا پورا وجود اضطرابیوں کی زد میں گھر گیا تھا۔

"ماما میں نے غلطی کی ہے مجھے تسلیم ہے لیکن میری توبہ، معافی کو قبولیت نہیں مل رہی۔ اُس کے

www.pkdigest.com

جانے کے بعد میں نے اتنی شدت سے اُسے مانگا ہے کہ کسی مرنے والے نے اتنی شدت سے زندگی بھی نہ مانگی ہوگی۔ شدتوں، محبتوں کی یہ آنچ اس تک کیوں نہیں پہنچتی، وہ کیوں نہیں ملتی، کہاں جا چھپی ہے"۔

اُس کی ذہنی حالت ابتری کا شکار تھی وہ جنونی ہو رہا تھا۔ بیگم دُرانی اُسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے رو پڑیں۔

مہوش اور ماہم نے نگاہیں پھیر کر اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کی تھی۔

"ابھی تو وہ میری زندگی میں شامل تھی میں نے اُسے یہاں سے جانے کا کہا ضرور تھا مگر یہ نہیں کہ وہ بتائے بنا کچھ کہے چپکے سے چلی جائے۔" وہ راحیلہ بیگم کے سینے میں منہ چھپائے بول رہا تھا۔

"بس غلطی ہوگئی اب کیا ہوسکتا ہے صرف دعا کے سوا اللہ سے معافی طلب کرو۔ اپنے معاملات میں حد سے زیادہ تجاوز پہ توبہ طلب کرو وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے جلد تمہیں اُس سے ملا دے گا" وہ اُسے کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں خدا مجھے معاف کرے گا کہ نہیں" واصف کی پریشان خیال آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"اس طرح کم ہمت اور کمزور پڑو گے ناں تو کچھ نہیں ہوگا بلکہ مشکلات زیادہ محسوس ہوں گی بہادر بنو۔ ڈس ہارٹ ہونے سے تم بالکل ڈھے جاؤ گے اور یاد رکھو کہ خدا اپنے بندوں کو آزماتا ہے یہ دیکھنے کو کہ وہ کتنا ثابت قدم ہے، اپنے اقوال و افعال اور دین داری و دُنیاداری میں، اور بندے اس آزمائش میں حد سے نہ گزریں بلکہ صبر و ضبط اور حوصلے سے کام لیں تو وہ اپنے بندوں پر بہت انعام کرتا ہے۔ جو غلطی ہوئی سو ہوئی اُس پر شرمسار ہو کے اپنے رب سے معافی و توبہ کے خواستگار بنو۔ آنسوؤں، آہوں اور ندامت کے اظہار سے اُسے مناؤ اپنے لیے بہتری طلب کرو" وہ بہت رسان سے سمجھاتی گئیں۔

اور واصف گہری سانس لیتا اُٹھ کھڑا ہوا اُس کا چہرہ شدت گریہ و ضبطِ کرب سے سرخ تھا آنکھیں بے خواب راتوں کی تھکاوٹ سے سوجی اور سرخ تھیں اور اُن میں ہلکی نمی کا تاثر ابھی تک موجود تھا۔

"آپی آپ اس شخص کی محبت کے لیے تڑپا کرتی تھیں۔ آپ کو محبت بھرا ایک فقرہ سننے کی حسرت تھی اس شخص کی محبت کے لیے تڑپا کرتی تھیں۔ ایک نگاہ پیار کی جستجو کرتی تھیں اور آج یہ لمبا، چوڑا مرد چاہت سراپا محبت بنے آپ کے لیے رو رہا ہے۔ آپ کو پانے کے لیے بیقرار ہے کہاں ہیں آپ؟ دیکھیں زندگی آپ کو کس شدت اور بیتابی سے ڈھونڈ رہی ہے اور کاش یہ وقت یہ لمحات اس شخص کو تب ملے ہوتے جب آپ اس کے پاس تھیں، اُس وقت یہ دوریوں کے مقام بنا کر گرہ پہ گرہ لگا رہا تھا جدائیوں کی اور اب وصل لمحات مانگ رہا تھا۔ کاش ہم اپنے معاملات میں حد تجاوز کرتے ہوئے لمحہ بھر اللہ کو بھی سوچ لیں تو کیسی برائی کا خیال تک نہ آئے" مہوش نے کرب سے سوچا تھا۔

☆☆☆

یہ تمہیں بتا دوں میں
چاہتوں کے رشتوں میں
پھر گرہ نہیں لگتی
لگ بھی جائے تو اس میں
وہ کشش نہیں ہوتی
ایک پھیکا پھیکا سا
رابطہ تو ہوتا ہے
تازگی نہیں رہتی
روح کے تعلق میں
زندگی نہیں رہتی
بات وہ نہیں رہتی
دوستی نہیں رہتی

لاکھ بار مل کر بھی
دل نہیں ملتے
ذہن کے جھروکوں میں
یاد کے دریچوں میں
تتلیوں کے رنگوں کے
پھول نہیں کھلتے
اس لیے میں کہتا ہوں
اس طرح کی باتوں میں
احتیاط کرتے ہیں
اس طرح کی باتوں سے
اجتناب کرتے ہیں

"کیسا ہوتا ہے غم کا موسم جو زندگی پہ محیط ہو جاتا ہے پل پل اذیت بن کر ڈسنے لگتا ہے اور صدی کے برابر ہو جاتا ہے لمحہ بھی گزرنے نہیں پاتا خوشی کیسے لمحوں میں بیت جاتی ہے اور دُکھ بتائے نہیں بٹتا۔ کیسا سکون تھا ہم سب کی زندگیوں میں کچھ دن پہلے ہمارے دل کیسے مسرت میں گھرے تھے اور اب کیسے آزردہ، رنجیدہ ہیں سب، جانے کہاں ہوگی بھابی کس حالت میں اور کن کیفیات سے گزر رہی ہوگی۔ بھائی بھی کتنے خاموش، اُداس اور اُلجھے ہوئے ہیں، یا اللہ کچھ ایسا کر دے کہ ہم سب کی زندگیوں میں سکون آجائے" لان کی نم گھاس پہ ننگے پاؤں پھرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

"جویریہ کیا کر رہی ہو" راحیلہ بیگم لان میں چلی آئیں تھیں۔

"کچھ نہیں ماما، یونہی ہوا خوری کو دل چاہ رہا تھا"۔

"میرا دل بہت پریشان ہے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کیا ہوا ہے اور کیا ہوگا؟ مجھے واصف سے اتنے ڈرامے بازی کی اُمید نہ تھی۔ زوبار یہ مجھے نہ سہی کم از کم تمہیں تو کچھ بتاتی۔ وہ بھی خاموشی سے چھوڑ کر چلی گئی۔ گھر بھر کر پریشان کر کے رکھ دیا دونوں نے اور اوپر سے یہ صالحہ بیگم روز فون کرتی ہیں تمہارے رشتے پہ مصر ہیں، اپنے بیٹے معیز کی خاطر، اب بھلا اس ٹینشن اور پریشانی کے عالم میں کیا کہوں۔ لڑکا اچھا ہے گھر بار بھی، مگر اپنے گھر اور دل میں سکون ہو تو انسان ایسی باتیں کرتا اچھا لگتا ہے۔ میں نے اُن لوگوں کو کچھ دن انتظار کرنے کو کہا ہے کہ کچھ پرپوزل اور بھی ہیں سوچ سمجھ کر جواب دیں گے۔ تم بتاؤ کیا چاہتی ہو کیسے لگے تمہیں یہ لوگ"۔

"میں کیا کہوں، مجھے کون سا اتنا تجربہ ہے بہ ظاہر تو اچھے لگتے ہیں"۔ وہ جھک کر بولی۔

"تمہارے ڈیڈی تو بالکل تیار ہیں اُنہیں لڑکا بہت اچھا لگا ہے۔ خوش اخلاق، شائستہ اطوار اور دیکھنے میں بھی خوبصورت ہے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ تمہیں پسند بھی کرتا ہے۔ کیونکہ بقول صالحہ کے انہیں ہمارے گھر بھیجنے والا معیز تھا"۔ جویریہ بے ساختہ جھینپ سی گئی ویسے بھی فطرتاً قدرے شائی تھی۔

"چلو، تم جو کہو گی وہی ہوگا فی الحال تو یہ مسئلہ نپٹ جائے" وہ بیٹی کا چہرہ دیکھ کر بولیں۔

ویسے ماما ہماری زندگی میں سب کچھ کتنا عجب سا ہوا ہے ہم شروع سے اپنے سگے رشتوں کو ترستے رہے خالص اپنائیت، خالص محبت اور خالص زندگی سے دور رہے۔ ماموں تھے تو وہ چھپ چھپا کے بھی کبھار ملتے خالہ تھیں تو وہ نامعلوم اور اب انسانیت اور ہمدردی کے تقاضوں سے آشنا ہو رہے تھے۔ کہ وہ کیسی خواب کی مانند ہاتھ چھڑا کے چلی گئیں اور ہماری زندگیوں سے سارا اطمینان رخصت ہو گیا۔ جویریہ متاسف انداز میں بولی تھی۔

"جانے کہاں بھٹک رہی ہوگی نہ اپنے میکے گئی ہے اور نہ کسی سہیلی کے پاس کہاں ڈھونڈیں، معاملہ بھی لڑکی کا نہیں بہو کی گمشدگی کا ہے بات لیک آؤٹ بھی نہیں کر سکتے یہ سارا کیا دھرا واصف کا ہے اس خرانٹ رحماء کے عشق میں پاگل ہو کے اس احمق لڑکے نے ہم سب کی زندگیوں میں دُکھ بھر دیا، کس کو

www.pkdigest.com

پوچھیں۔

افسانے بن جائیں گے ہزار باتیں ہونگی اور اخبار والوں تک خبر گئی تو جو بیان، تراشے گے وہ الگ خاندان، عزت و ناموس کی بدنامی اور کاش یہ سب کرنے سے پہلے اس لڑکے نے لحہ بھر آنے والے وقت کے معلق سوچا ہوتا" اُن کے لہجے میں غصہ، رنج اور شکستگی واضح تھی۔

جویریہ نے بھیگی آنکھوں سے دیکھا تھا اور چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

"زندگی میں اتنا کچھ بکھر جائے تو سمیٹنا کس قدر دشوار ہو جاتا ہے۔ اور سمیٹنے کی کوشش میں سب کچھ بکھرتا جاتا ہے کاش ہم سب کی زندگی میں وہ موڑ آجائے جب جو چاہیں وہ کرسکیں جو مانگیں پاسکیں اور حالات اپنے بس میں کرلیں، آہ، قسمت نہیں تو مات کھا جاتی ہے کہ سب کچھ تقدیر کے ہاتھ ورنہ سب اپنی من چاہی خوشیاں اپنے نام نہ لکھ لیتے اور دل سے ہنستے جیتے، اور یہ جان لیتے کہ خوابوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور یہ بیچے اور خریدے بھی نہیں جاتے، محبتوں سے سینچے جاتے ہیں، محبتوں کے ساتھ بانٹے جاتے ہیں۔ خواب محبت خلوص اور وفا بانٹنے والے جذبے ہیں خریدنے اور بیچنے والے نہیں، اُس نے مغموم ہوکر سوچا تھا۔

☆☆☆

قائداعظم انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر اُن کی نظریں بے قراری سے امیگریشن ہال سے نکلتے مسافروں کو دیکھ رہی تھیں، ان نظروں میں انتظار و شوق کے ساتھ دُکھ کی لکیر اور نامحسوس نمی کی جھلک بھی تھی، ایک کے آنے کی خوشی زندگی وصحت کی خوشی دوسرے کے جانے کا غم اُس کی بربادی و دُکھ کا احساس، "امی آگئیں" ماہم نے تیز لہجے میں کہتے ہوئے خوشی سے قدم آگے بڑھائے تھے۔

"السلام علیکم امی" جوہ تینوں ایک ساتھ انہیں بانہوں میں تھامے آنسو بھری آنکھوں خوشی بھرے لہجے میں بولے تھے۔

"کیسے ہو میرے بچو! بہت یاد کیا تمہیں بہت تڑپی تمہارے لیے میں" شگفتہ بیگم اُنہیں چومتے ہوئے نم لہجے میں بولیں۔

"ہم بھی آپ کے بغیر بہت اُداس اُلجھے اور بے بس رہے لیکن اتنی خوشی ہے کہ اس ذرا سی دوری کے بدلے آپ کو صحت وزندگی ملی" عدیل بولا۔

"زوباریہ کہاں ہے وہ نہیں آئی" اُن کی متلاشی نگاہیں بیقراری سے اپنی لاڈلی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں جو نظر نہ آئی تھی۔

'وہ دراصل اُن کے آفس میں بہت ضروری میٹنگ تھی اس لیے اُن کا آنا مشکل تھا۔ آپ گھر چلیں وہ جلد پہنچ جائے گی۔ مہوش نے تیزی سے بات سنبھالی۔ "بہت محنتی اور حساس ہے میری بچی، بہت دُکھ سہے ہیں اس چھوٹی سی عمر میں، یا اللہ میری بچی کو بہت سکھ دینا میرے چاروں بچوں کو خوشی کے موسم دینا ہر غم سے بچانا" انھوں نے اپنے رب سے دعا کی۔

مہوش اور ماہم نے بھیگی آنکھوں سے ایک دوسری کو دیکھ کر نگاہیں چرالیں تھیں۔ "امی آپ کو کیا معلوم آپ کی بیٹی نے آپ کے دُکھ کو کم کرنے کے لیا اپنا دامن دکھوں سے بھرلیا ہے۔ اُس کے چاروں طرف دکھ کا موسم پوری شدت سے چھایا کیے ہوئے ہے اور سکھ دور کہیں بادلوں کے پار چھپ گیا ہے۔ دُکھ اذیت پہ اذیت دے کر خوشی کی جھلک کے عوض درد کے جنگل میں بھٹکائے پھرتا ہے"۔

"شام سے رات ہو رہی ہے اور زوباریہ ابھی تک آئی نہیں تم تو کہہ رہی تھیں کہ وہ جلد آجائے گی آئی نہیں ابھی تک" شگفتہ بے چینی سے رات کے سائے گہرے ہوتے دیکھ کر ہولتی ہوئی بولیں۔

اور اُن دنوں ایک بار پھر آپس میں نگاہیں کا تبادلہ کیا تھا۔

"کیا کریں، کتنی دیر تک چھپا سکتی ہیں بتانا تو

آخر پڑے گا۔ بات ایسی ہے کہ چھپائی نہیں جاسکتی" مہوش نے سوچ کر کچھ جھجکتے ہوئے بولی۔

"امی آپی نہیں آئی گی" وہ نہیں آسکتی ہیں۔

"کیوں کیا ہوا ہے" وہ دھک سے رہ گئیں۔

"وہ دراصل گم ہوگئی ہیں کئی دن سے اُن کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا"۔

"گم ہوگئی کب؟ کیسے، تم لوگوں کا دماغ خراب ہے وہ کوئی بچی ہے جو راہ چلتے راستہ بھول کر گم ہوگئی" وہ حیرت اور دُکھ سے پھٹ پڑیں۔

"امی وہ اپنے سسرال میں تھیں وہیں سے کسی بات پر ناراض ہوکے بنا کچھ بتائے چلی گئیں" مہوش نے پلکیں جھکاتے ہوئے کہا۔

"سسرال کیسا سسرال، کس نے کی اُس کی شادی، کیا اوول فول بکے جارہی رہی ہو تم" انھوں نے مہوش کے تھپڑ دے مارا تھا۔ مہوش آنکھوں میں آنسو لیے چند لمحے انہیں دیکھتی رہی پھر بولی تو سب کچھ بتاتی چلی گئی ساری کہانی حرف بہ حرف کہہ سنائی اور وہ صدمے، حیرت، دکھ کی زیادتی سے ساکت بنا پلک جھپکے دیکھتی گئیں۔

"محض میرے لیے، میری زندگی کے لیے میری بیٹی نے خود کو داؤ پر لگا دیا اتنا بڑا رسک لیا اور مجھے کسی نے کچھ بتانا پوچھنا گوارہ نہ کیا اتنی بڑی بات اتنے آرام سے چھپالی کیوں کیا تم سب نے میرے ساتھ یہ گھناؤنا مذاق۔ اس سے تو اچھا تھا مجھے تکلیف میں مرجانے دیتے میری ممتا کو اتنے عذاب میں تو مبتلا نہ کرتے کہاں گئی ہوگی میری بچی، کس حال میں ہوگی یہ سب کیا اور کیوں ہوا" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں"۔

☆☆☆

حسام ٹیرس پہ کھڑا تھا جب وہ اُس کے پاس آکر بولی۔

"حسام تم ایک کام کروگے"۔

"صرف ایک کیوں، آپ سو کام کہیں" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"نہیں فی الحال تم ایک ہی کر دو تو بہت مہربانی ہوگی۔ اگر ہوسکے تو کسی طرح میری فیملی سے ملوا دو مگر یہیں اسی گھر میں کیونکہ کراچی واپسی ابھی میں اپنے لیے بہتر نہیں سمجھتی وہ بہت ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولی تھی۔

اوکے، آپ سمجھیں آپ کا کام ہوگیا"۔ حسام نے کہا اور واقعی اُس نے اپنے کہے پہ عمل کر دکھایا اگلے دن سب اُس کے اردگرد تھے امی، مہوش، ماہم اور عدیل آنسو مسکراہٹیں، خوشی اور تحیر کے ملے جلے جذبات لئے سب اُس سے مصروف گفتگو تھے۔

"زوبی میری بیٹی تو اتنی بڑی کب سے ہوگئی کہ بڑے بڑے فیصلے خود کرنے لگی اور کسی کو بتانا، پوچھنا گوارہ نہ کیا" امی اس سے شکوہ کناں تھیں۔

"امی آپ کو نہیں پتا ہم سب کو کھو چکے تھے رشتوں کو، خلوص کو، اپنائیت کو اور ایسے میں خود کو آگے نہ کرتی تو اور کیا کرتے ہم۔ چپ چاپ خاموشی سے آپ کو مرتے دیکھتے۔ امی آپ ہر جذبے، ہر رشتے میں بڑھ کر تھیں"۔ وہ آنسو بھری آواز میں بولی۔

"اور تم میرے لیے ہر جذبے، ہر رشتے سے قیمتی تھیں، مرجانے دیتیں مجھے مگر خود کلویوں ارزاں تو نہ کرتیں" وہ شدید دُکھ سے بولیں۔

"بس کریں امی جو گیا سو ہوگیا گزری باتوں کو دہرانے سے کیا حاصل ویسے بھی اب تو حالات تبدیل ہوچکے ہیں اور پلیز آپی آپ بھی آخری بار رولیں جتنا رونا ہے آپ کو ہر دُکھ ختم ہوگیا ہے واصف بھائی آپ کے تھے نا آپ کو ہی ملے ہیں اُن کی زندگی میں صرف آپ ہیں رجماء کہیں نہیں ہے" مہوش نے کہا تو وہ کتنی دیر بے یقینی کے عالم میں دیکھتی رہی۔ اور یقین آتا تو کیسے جس کرب اور اذیت سے گزر کر وہ درد کی اس منزل پہ پہنچی تھی وہاں ایسی کوئی بات مذاق سے کم نہ تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں یقین کریں واصف

www.pkdigest.com

واصف کے قدم بے خودی کے عالم میں اٹھ رہے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی پہلی نظر زوباریہ پہ پڑی جو برآمدے میں کین کی چیئر پر بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی۔ گیٹ کھلنے پر ادھر متوجہ ہوئی تو اخبار چھوٹ کر قدموں میں جا گرا۔

''کہاں چلی گئی تھیں تم بنا بتائے کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا'' وہ اُسے جھنجوڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''آپ مجھے چھوڑ رہے تھے۔ طلاق دے رہے تھے۔ میرے لیے یہ سب ناقابل برداشت تھا، اس لیے میں آپ کی دنیا سے نکل آئی تاکہ آپ رُحماء ہے.....''

''نام مت لو اُس کا میرے سامنے'' وہ زور سے بولا پھر دھیما پڑتے ہوئے کہنے لگا۔

''رحماء صرف سراب تھی پل دو پل کا خواب، حقیقت تو تم تھیں اور میں حقیقت کو چھوڑ کر سراب کیسے لے لیتا''۔

''جھوٹ بول رہے ہیں آپ، پھر کوئی ڈرامہ کر رہے ہونگے'' وہ بے یقین ہوئی۔

''یہ حقیقت ہے زوباریہ، میری چاہت تم تھیں، تم ہو، میری تلاش رُحماء نہیں تم تھیں''

''اس ڈرامے کیلئے مجھے کتنے پیسوں میں خریدنے کا ارادہ لیکر آئے ہیں یقیناً ابھی رحماء نے کوئی اور شرط رکھی ہوگی۔ آپ کو کوئی اور مسئلہ درپیش ہوگا اس لیے دوبارہ آ گئے'' وہ تاک کر حملے کر رہی تھی۔

''شٹ اپ زوباریہ، شک مت کرو مجھ پر'' واصف کو اچھا خاصا غصہ آیا۔

''یہ سچ کہہ رہا ہے زوباریہ میرے بیٹے کو بہت سزا مل گئی ہے۔ اب معاف کر دو اسے''۔ راحیلہ بیگم آگے بڑھیں۔

''مجھے ان پر یقین نہیں یہ بہت بڑے فراڈیے ہیں'' وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

''ماما آپ لوگ بعد میں آ جایئے گا میں اسے لے کر چلتا ہوں'' واصف نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''نہیں میں نہیں چلوں گی وہاں لے جا کر یہ مجھے طلاق دے دیں گے'' اس نے ہاتھ چھڑایا۔

خوف کے آثار اس کے چہرے پر ابھرے۔

واصف کو اپنا غصہ کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا

''آنٹی اسے کہیں یہ آرام سے میرے ساتھ چلے'' وہ شگفتہ کو آتے دیکھ کر بولا۔

''نہیں مجھے نہیں جانا۔ وہاں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے''۔

''تم دونوں نے ملتے ہی لڑائی بھی شروع کر دی۔ چلو دونوں آرام سے اندر چل کر بیٹھو'' انھوں نے دونوں کو کہا۔

''امی مجھے ان کے ساتھ نہیں جانا آپ کو نہیں پتا یہ کتنا ٹارچر کرتے ہیں مجھے''۔ وہ امی کے پیچھے ہو کر بولی۔

''اور تم نے جو مجھے اتنی اذیت دی ہے''

واصف دو قدم آگے بڑھا۔

''آپ کے اپنے اعمال کی سزا ہے'' زوباریہ نے وہیں سے کہا۔

''گھر چلو'' میں بتاتا ہوں کس کے اعمال کی سزا کی ہے'' وہ یک بیک سنجیدہ ہوا۔

''نہیں بالکل نہیں اس نے سختی سے انکار کیا اور واصف نے جھٹکے سے اُسے امی کے پیچھے نکال کر اپنی طرف کھینچا۔

''واصف صبر کرو'' ماما نے گھورا۔

''پلیز آپ ذرا چپ رہیں'' اس نے ماں اور خالہ کو اشارتاً کہا اور اُسے پکڑے گاڑی تک لے آیا۔

''پہلے نکال رہے تھے، اب زبردستی لے جا رہے ہیں۔ انتہائی کرپٹ ہیں آپ'' بالکل اچھے نہیں لگ رہے اس طرح کرتے ہوئے سنا آپ نے'' اُس کے وہیں اسٹیرنگ پہ رکھے بازو کو پکڑ کر وہ

غصے اور بے بسی سے بولی۔

''تم چپ ہو کے نہیں بیٹھ سکتیں'' وہ اُس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

''نہیں بیٹھوں گی پہلے رُحماء پر عاشق تھے اب مجھ کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔ کل کسی اور کو پسند کر لیں گے'' میں انھی ڈراموں کا کردار بننے کے لیے رہ گئی ہوں''۔

واصف نے تپے تپے انداز میں ہونٹ بھینچے اُس کے چہرے پر ذرا گی ذرا نگاہ کی پھر رش انداز میں ڈرائیو کرتے اُسے گھر لایا گاڑی گیراج میں کھڑی کرا کے اس کا بازو تھامے بیڈروم میں داخل ہوئے تو دروازہ بند کر کے بولا۔

''اب کہو جو کہنا ہے تمہیں جتنے شکوے، شکایات، خفگیاں ہیں وہ اس کمرے میں کلیئر کرو سب کے سامنے نہیں''۔

''مجھے کچھ نہیں کہنا، واپس چھوڑ کے آئیں ڈر لگ رہا ہے، مجھے آپ سے''۔

چیچ اور بلیک کلر کے کنٹراسٹ سوٹ میں ہمرنگ کڑائی والا دوپٹہ گلے میں ڈالے بے یقینی و خفگی سے دیکھتی وہ اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ واصف کو خود پہ کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔

''میری زندگی کو عذابوں کے حوالے کر کے کہاں کھو گئیں تم، تمہیں ایسا کرتے ہوئے مجھ پر بالکل ترس نہیں آیا'' اس کے شانوں پہ دونوں ہاتھ رکھے کتنا قریب تھا کہ اُس کے سانسوں کی تپش زوباریہ کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔ اور دل میں حیرت ہی حیرت تھی یہ اُس کا انداز کب تھا، وہ ایسے کب مخاطب ہوتا تھا کیا واقعی رحماء کے سحر سے آزاد ہو گیا تھا وہ۔

''مجھ پر صرف تمہارا جادو چل سکتا تھا جو چل چکا تھا پھر رحماء کی دال کیسے گلتی'' وہ جیسے اُس کی سوچ کو پڑھ کر بولا۔

میری سوچوں کی لہر، اُن کی پرواز سے بھی واقف تھے پھر بھی میرے ساتھ اتنا برا کرتے تھے اور کرنے چلے تھے'' شکوہ لبوں سے پھسل پڑا۔

''تمہارے ساتھ انہیں اپنے ساتھ برا کر رہا تھا۔ کہ سنبھل گیا اور یہ تمہاری محبت کی سچی لگن، شدت اور تڑپ تھی کہ جس نے بروقت سنبھالا دیا اور گرتے گرتے اُٹھ کھڑے ہوا ہجر کے سائے چھٹے تو محسوس ہوا کہ بہار رُت کے پھول تو میری زندگی میں بہت پہلے کھل چکے تھے۔ لیکن بہاروں کی سنہری شہزادی نے دل کے آنگن میں قدم اتنی خاموشی سے رکھا کہ چاپ دیر بعد سنائی دی''۔ واصف کا خوشبو بکھیر لہجہ، محبت بخشا لمس اُس کے وجود پہ گلاب بن کر کھلا تھا۔

''زندگی کا یہ لمحہ دلآویز بھی تھا اور پرکشش بھی''۔ اُس نے خود پر خوشبو بھری پھوار بن کر برستے پیار کو پا کر سوچا تھا۔

''زندگی بہت خوبصورت ہے۔ محبت اس کی بڑی حقیقت اور تم اس سے بھی زیادہ حسین سچائی ہو ایسی سچائی اور ایسا حسن جس کے بغیر میں نامکمل ہوں'' واصف درانی کے اعتراف نے اُس کے گرد پھول ہی پھول کھلا دیے تھے۔ اور وہ بہت سرشار انداز میں اُس کے شانے پہ سر رکھتے ہوئے دلکشی سے مسکرا دی کچھ یوں کہ زندگی کا ہر رنگ چمکنے لگا تھا۔ موسم گل اس کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

☆☆☆

ٹوبہ ٹیک سنگھ اور اس کے گردونواح کے دوکاندار ماہنامہ حنا، حاصل کرنے کے لیے علی رضا نیوز ایجنسی پروپرائیٹر صابر حسین سے رابطہ کریں۔

www.pkdigest.com

میرے ساحر سے کہو

ام مریم

پندرہویں قسط کا خلاصہ

داؤد حسن خاں کا رویہ شہیر کے ساتھ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ وہ کوئی امید لے کر لوٹتا جبھی اپنے طور پر داؤد حسن خاں مطمئن تھے وقاص محض داؤد کی خاطر خود کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا وہی سلسلہ تھا ہے اور نگین اس کی کیفیات سے آگاہ بے حد تھی پریشان۔

پریشے درانی سالہا سال کی دوری اور نارسائی بعد طارق شہرازی کو روبرو پا کے خود کو تندرست اور توانا محسوس کرتی ہے سونیا سے اپنی کیفیات بیان کرتے ہوئے وہ اسے بتاتی ہے کہ طارق شہرازی کی طلب اس کے اندر گہرائیوں سے نکل کر دل کے ایوانوں ہی سرگرداں ہے۔

شہریار رابیل سے نفرت وانتقام کی آگ میں جلتے جلتے خود کو ایک اور نوکھے انکشاف کی زد میں پا کر شہی کے ہے وہ احساس شدید محبت کا ہے۔ شہیر داؤد سے ملنے چلا آتا ہے اور ان کے سامنے داؤد کو ہارنا دیکھ کر اسے رہی خوشی محسوس ہوتی ہے۔

okdigest.com

اب آپ آگے پڑھیے

سولہویں قسط

نگین نے ایک جھٹکے سے سر اونچا کر کے انہیں دیکھا۔ وہ بہت اطمینان بھرے انداز میں اسٹول سے لگے پانی کا گل البوں سے لگائے گھونٹ گھونٹ حلق سے اتار رہے تھے۔ رفتہ انہوں نے اس کی شاکی نظروں کو بلکہ تیز اور تیکھی نظروں کو محسوس کیا تھا گلاس سلیب پر رکھا اور قدم بڑھا کر درمیانی فاصلہ گھٹاتے ہوئے نزدیک آنے پر اسے دونوں شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کر لیا۔ نگین تو ہکا بکا رہ گئی کچھ لمحے یونہی چپ چاپ بنا آہٹ کے سرک گئے ایک ان دیکھی ان کہی خاموشی درمیان معلق رہی۔ اس کی پلکیں لرز رہیں تھیں اور اس نے نگاہ جھکا لی تھی۔ اور ان کی گرفت سے نکلنے کو بے کار سی کوشش کی۔

آئی ایم ساری فاڈیت وہ بھاری آواز میں کہہ کہ اس کے چہرے پر بکھرے اذیت کے رنگوں کو دیکھتے لگے۔

"پتہ نہیں کیوں انسان اپنی الجھنوں میں خود سے وابستہ رشتوں کو اذیت و پریشانی میں مبتلا کیے رکھتا ہیں مثاید یہ انسانی فطرت ہو بہر حال میں آپ سے اکسیوز کر رہا ہوں۔"

"اٹس آل رائیٹ" اس سے گویا انہیں شرمندہ نہیں دیکھا گیا جلدی سے بولی۔ اور داؤد حسن خاں چونک گئے۔ نگین نے جھجکتے ہوئے انہیں دیکھا تھا اور دل جیسے۔

ہائے آداب محبت کے تقاضے ساغر
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا

داؤد حسن خاں عجیب سی دل شکستگی کو محسوس کرتے پلٹ کر کچن سے نکل گئے۔ جبکہ نگین کے اندر جیسے ایک نئی ترنگ آ گئی تھی۔ اس نے مسکرا کر اپنی کلائی کو دیکھا جہاں ان کی گرفت کی مضبوطی سے سرخی نمایاں تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا گویا ساری کائنات کی توجہ سمٹ کر اس لمس میں آ گئی ہے۔ دھیما آواز میں گنگناتے ہوئے اس نے کچن کا کام نپٹایا بھی کیا تھا۔ بہت سارے کام صابر کو سونپ کر باہر آ گئی۔ ہال کی انٹرنس پر موجود آرائش آئینے کے سامنے بے اختیار اس کے قدم ٹھٹھک کر رکے تھے اور ہر زاویے سے اپنا جائزہ لیتے وہ جیسے آپ ہی آپ چھینپتی رہی تھی اور پھر کس کے دیکھ لئے جانے کے خیال سے ہی وہاں سے ہٹی اور دل کی دھڑکنوں کو شمار کرتے ہوئے ان کے بیڈروم کے دروازے پر آن کی۔

"تو کیا اس کی زندگی کی آزمائش ختم ہو چلی تو کیا آج سے اس کی زندگی کا نیا رنگ شروع ہو رہا ہے۔"

اس نے سوچا تھا۔ اور مسکرا دی تھی۔

وہ اندر آئی تو داؤد حسن خاں کو تکیوں کے سہارے نیم دراز کسی کتاب کے مطالعے میں محو پا کے وہ قدرے جھجک کر وہیں تھم گئی تھی۔ داؤد حسن خاں نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔ اور کتاب بند کر کے نظریں اٹھائیں۔ وہ گریزاں سی نظر آئی۔

"پلیز سٹ داؤن۔"

انہوں نے موفے کی سمت اشارہ کیا تھا نگین بیٹھ گئی تب وہ گلا کھنکار کر بہت محتاط سے لہجے میں گویا ہوئے۔

"مجھے بے حد شرمندگی ہو رہی ہے نگین مجھے سمجھ نہیں آ رہی یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے ذرا سا غور کرنے پر میں یہ جان کر ششدر رہوں کہ کچھ دنوں سے میرا اور یہ آپ کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔"

نگین کیا کہتی سر جھکائے انگلیاں مسلتی رہی۔

"بہر حال آج آپ کو یہاں بلانے کا مقصد بھی یقیناً واضح ہو گا آپ پر، وقاص کی بات دوسری ہے مگر

اب جبکہ گھر میں مہمان تھے تو میں مناسب نہیں سمجھتا ہماری اس پرسنل بات زبان زد عام ہو پھر میں آپ کو فری ہینڈ بھی دے چکا ہوں جہاں تک مجھ سے وابستہ ہونے کی بات تھی وہ آپ کی مجبوری تھی اور کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا مجھے بالکل زیب نہیں دیتا چوائس کا حق آپ کو ہے۔ جس وقت جب بھی آپ چاہیں میں آپ کے لئے تمام راستے کھلے رکھنا چاہتا ہوں۔"

داؤد حسن خاں کو تکتی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ کتنا کٹھور تھا یہ شخص اسے اتنی بھی فرصت نہیں تھی دو پل کو تھم کے کس کی آنکھوں میں جاگتے اپنے انتظار کو ہی دیکھ لیتا دل کی جگہ قدرت نے جیسے، رکھا ہو پتھر ایسا ہی لگا تھا اسے سنہری سوچیں خوبصورت خیال دلنشین تصور خاک میں مل گئے۔ اس کا جی چاہا دل کی اس بربادی پر چیخے چلائے۔ مگر وہ اپنی انا کا اس سے بڑھ کر خون نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جبھی خاموشی سے اٹھی تھی اور بیڈ سے ایک تکیہ اٹھا کر صوفے پر رکھنے کے بعد نیم دراز ہوتے ہوئے تمام آنسو پیچھے دھکیل دیئے تھے۔

"ان ہی لوگوں جن سے آپ نے اپنی ذاتی زندگی کو آشکار نہ کرنے کی بدولت مجھے اپنے بیڈروم میں بلایا ہے داؤد انہی لوگوں کے سامنے ہماری آج ازدواجی حیثیت بھی گویا واضح ہو گی ہے۔ میں آپ کی بیوی کی حیثیت سے آپ کے ساتھ اس کمرے میں ہوں لوگ تو مجھے آپ کے حوالے سے پہچانتے ہیں نا۔ پھر آپ نے میرے لئے کون سے راستے کھلے رکھنا چاہتے ہیں اگر ایسا تھا تو پھر آج مجھے اپنے بیڈروم میں آنے کا کیوں کہا اور اگر میں آئی ہوں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ مجھے یہاں آنے کے بعد آپ کے حوالے سے متعارف ہونے کے بعد نہ کہیں جانا ہے نہ کسی اور حوالے کی ضرورت ہے۔ اس کے باوجود کہ آپ مجھے میری حیثیت میرا مقام اور میرا حق دیتے ہیں یا نہیں۔" اس کا گلا بھر یا تب وہ لب بھینچے ہوئے سر تک کمبل کھینچ کر رخ بدل گئی تھی۔

اور داؤد حسن خاں اس کی اس جرات یا دوسرے لفظوں میں اپنی برین واشنگ پہ ششدر بیٹھے تھے۔

☆.....☆.....☆

سمیٹ کر اپنی دہلیز کا پتھر کر دے
یا خاک بنا کر دربدر کر دے
اس سے دور ہیں تو بڑے کرب میں ہیں
اسے کہو میری آزمائش کو مختصر کر دے

وہ کھڑکی میں کھڑا دل کی خاموشی اور سناٹے کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کی اداسی چہرے سے عیاں تھی جبھی تو اس کے دوست ساتھی عزیز میجر عبداللہ نے خصوصاً اسے سنانے کو اشعار پڑھے تھے اور شرارتی نظریں سے اسے دیکھنے لگا۔ جو اس کا رازداں ہی نہیں بہت پیارا دوست بھی تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ پہلے سے یہاں پوسٹ تھا جبکہ طارق کو یہاں آئے محض دوسرا مہینہ تھا۔

تو گویا یہ ظلم ہوا ہے جناب پر گوہر مقصود ہاتھ آیا تو ظالم سماج آڑے آ گیا۔ افوہ وہ کیا شعر ہے وصال رت کی پہلی بارش ہی سرزش ہے، کہ ہجر موسم نے رستے رستے سفر کا آغاز کر دیا ہے۔

اب عزیز طارق شیرازی کے دل و دماغ میں شورش برپا ہے کارزار حیات میں ہر سو ویرانی ہی ویرانی ہے جس کا سلسلہ طویل ہوتا چلا جا رہا ہے اور محترم طارق شیرازی لہجے کے ہر پل ایک ہی تصویر جاناں نظروں کے سامنے رکھنے کے باعث کارگردگی متاثر کر رہے ہیں اور برگیڈیر صاحب سے دن رات جھڑکیاں سنتے ہیں۔ ہاتے بہترین تناسب تو خیر پہلے بھی نہیں تھا حیات کا جواب مزید الٹ پلٹ ہونے لگا۔ یار میرا مفت مشورہ مان اور دودن کی اخصت لے کر بھابھی سے ملنے مجھے ترس آ رہا ہے تجھ پر۔"

www.pkdigest.com

وہ کب سے اسے چھیڑ رہا تھا مگر طارق کی ایک چپ سے ہار کر بڑے پیار سے بولا۔

"نہیں مل رہی۔"

"کون بھابھی؟" ناراض ہوں گی یار تو منائے گا تو مان جائیں گی"۔ میجر عبداللہ سمجھ کر بھی انجان بنتے ہوئے بڑی معصومیت سے بولا تو طارق نے سخت نظروں سے بے اسے گھورا۔

"میں چھٹی کی بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ آئی سی۔" میجر عبداللہ نے سر ہلایا۔

"تو فون کر لے نا۔" اگلا مشورہ حاضر تھا

"وہ بھابھی نہیں ریسو کرتی ہوں گی۔ چل ایسا کرتے ہیں تیری اوپر سفارش پہنچاتے ہیں بچہ بڑا ہو گیا ہے۔ رہنے کو گھر دیا جائے آفر پر اپنے بریگیڈیر صاحب بھی تو بعد میں آ کر سرکاری گھر پہ قابض ہوئے ہیں بیوی آئے گی تو صحیح معنوں میں تو انسان کا بچہ بنے گا بیگم بیں کھینچ کر رکھے گی تو تجھ جیسا حسین و جمیل خطر حسن کا مالک بندہ قابو میں رہے گا۔" وہ پھر بے تکی ہانک رہا تھا۔

"تو خود ہمت کرے گا یا پھر میں بات کروں۔"

"نہیں میں اپنا انتظام خود کر لوں گا۔" طارق نے ٹالا۔

"تو پھر بہتر ہے تو یہ انتظام ذرا جلد کر لے ورنہ جس طرح دیکھا جا رہا ہے کام سے لاپرواہی برتنے اور صبح سویرے رتجگوں کی مظہر سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ دفتر آنے کے جرم میں کوئی بڑا ایکشن بھی لیا جا سکتا ہے۔"

میجر عبداللہ جانے کو اٹھ کھڑا ہوا تھا پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ چونکتے ہوئے بولے۔

"ہاں دراصل بات بلکہ پیغام تو بھول رہا ہوں۔ کل سنی کی برتھ ڈے ہے تمہاری بھابھی نے بالخصوص تمہیں بلوایا ہے۔ شام میں یاد سے آ جانا۔ اس کے علاوہ پرسوں شام کو فائیو اسٹار ہوٹل کے سبزہ زار پر کرنل مشتاق کہانی کی صاحبزادی کی شادی خانہ آبادی کی شاندار تقریب منعقد کی جا رہی ہے اور اس میں شریک حکمرانوں کی رکھوائی کے لئے ہمیں بھی مدعو کیا گیا ہے خیال یار میں کھو کر یہ اہم بات مت بھول جانا۔"

طارق نے سر ہلا کر اسے مطمئن کر دیا تھا۔ اور کھڑکی میں آ کھڑا ہوا اور ماہ نور کا نمبر ٹرائی کیا حسب توقع اس کا نمبر بند تھا۔ وہ سخت جھلاہٹ کا شکار ہوتا لب کاٹنے لگا۔ باہر جھلملاتی ہوئی رات ایسا قدرے پرسکون تھی۔ بادل بے تحاشا برسنے کے بعد اب خاموش تھے۔ فضا میں قدرے سکوت تھا اس قدر سکون اور سناٹے میں رات کا ایک حصہ گزر جانے کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا ماہ نور کی خفگی کسی نیچ پر جا پہنچی ہوگی۔ یہی سوچتا وہ گھر کا نمبر پیش کر رہا تھا جب اسکرین پر ایک انجانا نمبر چمکنے لگا۔

"ہیلو۔" اس نے گہرا سانس کھینچ کر کال ریسو کی تھی۔

"آداب۔" چہکتی کھنکتی شوخ نسوانی آواز تھی۔ اس کی الجھن مزید بڑھ گئی۔

"وعلیکم آداب مگر آپ ہیں کون میں اپنے گھر رابطہ کر رہا تھا کہ آپ کی کال آ گئی۔" وہ نرمی سے جھنجھلاتا ہوا صاف گوئی سے بولا۔

"اوہ وہی ہوا نا جس کا مجھے خدشہ تھا آپ اتنے بھلکو کیوں ہیں؟"

دوسری جانب سخت احتجاجی انداز اپنایا گیا وہ بھی باقاعدہ خفگی سمیت طارق شہرازی کے ذہن میں جیسے جھماکا سا ہوا۔

"آپ سونیا شاہ تو نہیں۔"

"تھینک گاڈ ورنہ اس مرتبہ کی انسلٹ میں قطعی برداشت نہ کرتی اور سر پھوڑ دیتی۔" وہ تیز ہو کر بولی۔

"اوہ مگر کس کا۔" اسے بھی اپنی جھنجلاہٹ اداسی اور یاسیت اس دلچسپ لڑکی سے بات کرتے فضا میں علیل ہوتی محسوس ہوئی۔

"اس کا جس کی وجہ سے میں خوار ہو رہی ہوں۔" وہ جیسے چڑی تھی۔

اور وہ کون ہے۔ طارق نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔

"میری پگلی دیوانی بیوقوف دوست پریشے درانی سونیا نے پریشے کی آنکھوں کے نکلنے کی پرواہ کے بغیر بڑے آرام سے کہہ دیا اس کے خیال میں کبھی نہ بھی تو یہ قدم اٹھانا ہے پھر ابھی کیوں نہیں وقت برباد کرنے کا فائدہ۔"

"آپ یہ بات ان کے سامنے کہہ رہی ہیں تو پھر اپنی خیریت کی اللہ سے دعا مانگ ہیں۔ یہ خاموش رہنے والے لوگ بہت گہرے ہوتے ہیں۔"

وہ ہنسنے لگا۔ سونیا نے بھی اس کی بات کا لطف لیا تھا۔

"بہت جھوٹے ہی آپ چاہے پینے تو کیا آپ تو میری سہیلی کی خیریت بھی دریافت کرنے نہیں آئے ایونچند روپوں کا زیاں مناسب نہیں سمجھا کہ ایک فون کال ہی کر لیتے۔"

وہ جتنی اپنائیت سمیت شکایت پر شکایت کر رہی تھی۔ طارق کو اس حد راجہ شرمندگی نے آن لیا۔

"آئی ایم ساری۔" وہ بس یہی کہہ پایا۔

"تب یہ ایکیوز ایکسیپٹ کروں گی جب آپ خود تشریف لائیں گے۔"

سونیا کی اگلی بات نے طارق کے ہونٹوں کی مسکان کو سکوڑ دیا۔

"دیکھئے میں وعدہ نہیں کرتا مگر کوشش۔"

"آپ کو وعدہ کرنا پڑے گا جناب سمجھ لیں بہت ضروری بات کرنا ہے ہمیں آپ سے۔" سونیا نے اس کی بات ہی وقطع کر دی۔

"کیا بات ہے؟ فون پر کر لیں ناں۔" وہ کچھ کچھ چونکا تھا۔

"ارے نہیں فون پر نہیں کس ضم کی بات ہے۔" اس کے اعصاب الرٹ ہونے لگے۔ اس لڑکی اپنی کی ذات میں اس حد تک دلچسپی اب کچھ معنی خیزی کا رخ اختیار کر رہی تھی۔ وہ اتنا بھی نادان نہیں تھا کہ سمجھ نہ پاتا۔

"ایک شعر ہے۔ آپ کے لئے کہیں تو عرض کر دوں" سونیا نے اس کی بات جیسے اڑا دی تھی۔ طارق ٹھنڈا سانس بھرا اور ادھر گویا خاموش سے اجازت کے معنی اخذ کئے گئے جبھی چند لمحوں کے توقف سے بہت جذب سے کہا گیا۔

کہتے ہیں لوگ تجھ کو بچانس مگر
اک شخص مر گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

طارق کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا۔

"واٹ یو مین۔" اس نے بے اختیار استفسار کر لیا۔

"سوری میں ہمیشہ سے اردو کے پیپر میں فیل ہوتی رہی ہوں۔"

وہ پھر طرح دے گئی اور طارق سیل فون ہونٹوں کے ساتھ ٹھکائے جیسے کسی گہری متفکر سوچ میں ڈوب

www.pkdigest.com

رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

میں تو جانتا ہوں کہ جس شب ہمیں چھوڑ کر تم گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگے
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

''تصویروں کا البم اکھلا اس کے سامنے پڑا تھا۔ اس کی نظریں ایک جگہ ساکن رہ گئی تھیں۔ ہنی مون کے دوران بنی یہ تصویر ان کی بے شمار لاتعداد تصویروں میں سب سے اچھی تصویر تھی خود اس کے اپنے خیال میں ،جیسے اس نے انلارج کروا کے بیڈروم میں عین بیڈ کے سامنے لگوایا تھا۔ چہار سو برف کی سفید چادر بچھی تھی۔ بلیک ٹو پلیس میں ہاتھ میں ہنڈی کیم لئے۔ وہ رابیل کو ایک بازو کے حصار میں لئے ہوئے کیمرے کی اسکرین پر ابھرتا ہوا منظر دکھا رہا تھا۔ گرم اونی پنک کوٹ گلابی لباس پہنے تراشیدہ کھلے بالوں والے سر کو اس کے شانے سے لگائے بے تماشا ہنستی ہوئی رابیل دونوں بازو بہنے سینے پر لپیٹے بہت مگن ہو کر کیمرے کی سمت متوجہ تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور تصویر کو چھوا۔

''کہاں چلی گئی ہو رابیل؟'' اس کی آواز صرف بوجھل ہی نہیں روقت آمیز بھی ہلی تھی۔

''اک بار پلٹ کر دیکھو تو سہی تمہارا شہریار کتنا بدل گیا ہے۔'' اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی اور تصویر اٹھا کر اس کو لبوں سے چھوا۔

''کہا ہو گی تم؟''

مگا وہ بری طرح چونکا اور وحشت زدہ نظر آنے لگا۔

''ہاں بھلا کہا چلی گئی ہو تم اتنی بڑی دنیا برے لوگ تم تو بہت پارسائی کو پسند کرتی تھیں میری اپنے شوہر کی بھی غلط بات پر ہرٹ ہونے والی یہ دنیا اوہ مائی گاڈ یہ کہا کر لیا تم نے رابیل میں پھر کہاں ڈھونڈوں۔''

وہ اٹھ کر مضطربانہ ٹہلنے لگا۔ جب یہ اضطراب بڑھا تو ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر کی سمت بھاگا۔ اس کا سیل فون بج رہا تھا۔ مگر اسے جیسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

''میں تمہیں ڈھونڈ لوں گا۔'' گاڑی اسٹارٹ کر کے فل اسپیڈ میں بھگاتا ہوا وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

یہ تم کو جاگتے رہنے کا شوق کب سے ہوا
مجھے تو خیر تیرا انتظار کرنا ہے
وہ مسکرا کے نئے وسوسوں میں ڈال گیا
خیال تھا اسے شرمسار کرنا ہے
تیرے فراق میں دن کس طرح کہیں اپنے
کہ شغل شب تو کو ستارے شمار کرنا ہے

رات بھر اس کی طرح داؤد حسن خاں نے بھی بے قراری میں بتائی تھی۔ دونوں کی کفیات الگ تھیں۔ اس کا دل انہیں کروٹیں بدلتے محسوس کر کے سسکتا رہا تھا۔

''ایک بار اجازت تو دیتے داؤد سارے دکھ اپنی پلکوں سے چن لیتی آپ کے آپ نے تو مجھے کسی

قابل ہی نہیں سمجھا آج تک نہیں بتایا کہ اپنے گھر والوں سے اختلاف کی وجہ کیا تھی۔''

یہ شب بھر کی ذہنی ٹینشن تھی یا کچھ اور کہ صبح وہ شدید فلو میں مبتلا تھی۔ سر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ تو آنکھیں بے تحاشا سرخ مگر وہ پھر بھی اٹھ کر کچن میں آ گئی تھی۔ مہمانوں کے لئے ناشتہ بنانے کا کام صابر پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ صابر فرحان کے لئے بیڈ ٹی لینے آیا تو اسے مسلسل چھینکتے پا کر پریشان ہو گیا۔

''چھوڑ دیں بی بی جی میں کر لوں گا سب آپ آرام کریں۔'' اس کے آگے بڑھ کر ڈبل روٹی کا پیکٹ ہاتھ سے لینے پر نگین بے اختیار مسکرائی تھی۔

''آپ کی طبیعت واقعی ٹھیک نہیں ہے۔'' ''بی بی جی صاحب نے دیکھا تو بہت خفا ہوں گے اور اب تو کل سے جو بڑی بیگم صاحبہ آئی ہوئی ہیں نا سچ ان کو تو میرا کوئی کام بھی پسند نہیں آ رہا یوں آپ کو اتنی بیماری میں کام کرتے اگر دیکھ لیا تو سمجھ لیں مجھے ضرور نوکری سے برخاست کر دیں گی۔'' ''صابر کہ چلبلا کر کہنے پر وہ ایک بار پھر چھینکی تو وہ ہو گا دو قدم پیچھے ہو گا۔''

''او کے فائن اگر تم نے مجھے کچن بدر کرنے کا تہیہ کر ہی لیا ہے تو ٹھیک ہے۔''

وہ اسے ناشتے کے متعلق ہدایات دینے کے بعد باہر آئی تو داؤد حسن خاں جاگنگ کے بعد اس وقت لوٹے تھے۔

''آپ کے لئے جوس لاؤں یا۔''

''کچھ نہیں شکریہ۔'' اس دیکھے بغیر وہ بہت تکلف سے کہتے اپنے بیڈروم کی سمت چلے گئے۔ نگین نے ٹھنڈا سانس کھینچا تھا۔

''ارے کیا لم ڈھینگ بہو لیہ کر رہا ہے کب سے چائے بنانے کو بھیجا تھا۔''

چاچی کی پکار پر وہ چونکتے ہوئے پلٹی اور صابر کی شان میں پڑھے گئے مسکراہٹ ضبط کرتی ہوئی مودب ہو کر بولی تھی۔

''بنا رہا ہے چچی جان آپ بتائیے چائے کے ساتھ کچھ لیں گی۔ میرا مطلب بسکٹ یا سلائس وغیرہ۔''

نہ پتری ہم یہ چیزیں نہیں کھاتے سادہ غذا کھانے کے عادی ہیں ایسا کر اگر پاپے ہیں تو دو ساتھ رکھ دینا ورنہ رہن دے۔''

''جی'' وہ نا سمجھی کی کیفیت میں انہیں دیکھنے لگی تھی کہ ایک بار پھر دو تین چھینکیں ایک ساتھ آئیں اور اس کا نازک وجود لرز کر رہ گیا۔

''ارے بچی تیری تو اپنی طبیعت خراب ہے بیٹھ یہاں۔ وے لمحے جا ذرا داؤد کو تو بلا کے لا۔''

چاچی نے پہلے اس کی کلائی تھام کر صوفے پر بیٹھایا پھر اسی وقت دروازے کے سامنے سے گزرتے صابر کو دیکھ کر ہانک لگانے کے انداز میں کہا۔ صابر نے اس تخاطب پر نگین کو شکایتی نظروں سے دیکھا تھا اور منہ بناتا باہر چلا گیا۔

''میں ٹھیک ہوں چاچی جان آپ پریشان مت ہوں پلیز۔'' آیکدم سے ان کی اتنی توجہ پا کر نگین کا دل جانے کیوں رونے کو چاہنے لگا۔

''ارے کہاں ٹھیک ہو دلہن مجھے تو زکام کے ساتھ بخار بھی لگ رہا ہے۔ یہ اپنا داؤد ڈاکٹر ہے نا''

''جی''

نگین نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔ جیسے سمجھ نہ پائی ہو یہ استفسار تھا یا تائید چاہی گئی تھی۔ مگر چاچی نے

www.pkdigest.com

اس کی جی سے ہی اپنی مرضی کا طلب اخذ کر لیا تھا۔

"میرا تو خیال تھا آج واپس چلتے وہاں بھی تو اتنے کام رکھے ہیں خیر سے شادی والا گھر ہے مگر اب تیری یہ طبیعت۔"

"جی چاچی خیریت کیا ہوا؟"

داؤد حسن خاں خاصی عجلت میں اندر آتے تھے یقیناً باتھ لے کر نکلے تھے گلے میں تولیہ لٹک رہا تھا۔ تو بالوں اور چہرے پر نمی اس کے فری شیو کی نیلاہٹوں سے سجے خوبرو چہرے کو مزید تر و تازہ اور دلکش بنا چکی تھی۔ اس نے ایک نظر ڈال کر یں سر جھکا لیا۔

"آج سے میرا آپ کی طرف شروع ہونے والا ہر سفر ختم۔" "دل میں سر اٹھاتی ہر خواہش ہر طلب کا میں خود اپنے ہاتھ سے خاتمہ کروں گی۔ مجھے یہ سوچ کر صبر کرنا ہے کہ آپ میرے لئے نہیں بنے۔"

"ارے پتر سوہنے یہ مجھ سے پوچھتا ہے بیوی تیری ہے تیرے ساتھ رہتی ہے اور تجھے اتنا بھی نہیں پتہ بیماری کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ یا اپنے خاندان کے ہر مرد کی طرح تم بھی عورت کو صرف ضرورت کی ایک چیز سمجھتے ہو۔"

چاچی نے تو جیسے انہیں لتاڑ کے رکھ رہا تھا۔ داؤد حسن خاں نگین کے سامنے ہوتے والی اس عزت افزائی پر گڑبڑا کر رہ گئے تھے۔

"کیوں ایسا کیا کر ڈالا میں نے کہ آپ اتنا فضا ہو گئیں۔"

انہوں نے جواب میں کسی قدر نخوت سے کہتے ہوئے سنجیدہ نظروں سے نگین کو دیکھا۔ جو اس صورتحال میں خود بھی کچھ کم کنفیوزن کا شکار لگ رہی تھی۔

"ارے اتنا چھینک رہی ہے نزلہ زکام ہے دیکھو تو ذرا بخار بھی ضرور ہوگا۔"

چاچی کا انداز وہی ملامتی ہی تھا۔ وہ بھول گئی تھیں کہ یہ وہی داؤد ہے جنہیں اتنی منتوں مرادوں کے بعد جا کے دیکھا ہے انہوں نے۔

"رات تک تو بالکل ٹھیک تھیں۔ کب طبیعت خراب ہوئی نگین آپ نے بتایا نہیں مجھے۔"

کسی قدر لہجے کو کنٹرول کرنے کے بعد وہ بہت رسان سمیت کہتے اپنا ہاتھ اس کی سمت بڑھا چکے تھے ارادہ یقیناً نبض چیک کرنے کا تھا۔ نگین نے جیسے دیکھ کر محسوس کر لینے کے باوجود بھی نظر انداز کر دیا۔ داؤد حسن خاں نے کچھ حیرانگی سمیت سرخ ہوتی ناک اور آنکھیں والی نگین کو دیکھا تھا اور خود پیش رفت کرتے ہوئے اس کی کلائی اپنے آہنی ہاتھ میں لے لی۔ مگر اس وقت انہیں ہزار وولٹیج کا کرنٹ لگا تھا جب نگین نے دوسرے ہاتھ کی مدد سے انکا ہاتھ ہٹا دیا تھا۔ ان کے اعصاب ایکدم ہی تناؤ کا شکار ہوئے تھے تو پیشانی پر کسی نے آگ سلگا دی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں دوا لی تھی صبح۔" یہ وضاحت بھی گویا ان کے لئے نہیں چاچی کے لئے تھی اور اٹھ کر یہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

"میں آپ کے لئے چائے لائی ہوں۔"

اس آخری بات میں بھی اس کی مخاطب چاچی ہی تھیں۔ داؤد حسن خاں جیسے ہنوز غیر یقینی کی کیفیت میں تھے۔

☆.....☆.....☆

اس سے پہلے کہ دشت امکاں میں
وصل جاناں کی آرزو سے
تجھ کو پانے کی جستجو نہ رہے
اس سے پہلے کہ دشت فرقت میں
فرش افسردگی بچھے سرداہ
لوٹ آؤ کہ منتظر ہے نگاہ
اس سے پہلے کہ لوح قسمت پر
باب الفت تمام ہو جائے
اس سے پہلے کہ شام ہو جاتی

"داؤد امیزنگ یہ تم نے گورے مصنفوں کو چھوڑ کر دیسی شاعروں کو کب سے حفظ کرنا شروع کیا ہے ڈیر۔"

سونیا نے اندر آ کر اس کے آگے سے کتاب اچک کر حیرت کی نگاہ اردو شاعری پر ڈالی اور پھر اسی حیرت سمیت پریشے کر دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔

"میں صرف فرنگی ادیبوں کو ہی نہیں پڑھتی رہی ہوں۔"

اس کے لہجے میں بھی وہ تھکن اور اداسی تھی جو سونیا نے اس کی مسکراہٹ میں محسوس کی تھی۔

"آر یو اوکے پری سانس کا پرابلم تو نہیں ہو رہا۔"

سونیا کی تشویش فطری تھی۔ پریشے نے پہلے چونک کر پھر خود کو سنبھال کر اسے دیکھا۔

"نہیں میں نے بتایا تھا نا تمہیں کہ اس روز سے مجھے انہیلر کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی جب سے"

"ہوں۔" سونیا قدرے مطمئن ہوئی مگر پھر سے چین سی ہو کر بولی تھی۔

"مگر پری یوں کب تک چلے گا۔"

"کیا؟" پریشے نے جیسے سمجھتے ہوئے بھی تجاہل برتا۔ تو سونیا نے اسے گھورتا فرض جانا۔

"ٹالو مت پلیز مجھے تو فکر سے راتوں کو نیند نہیں آئی۔ میرا خیال ہے ہمیں خود بات کرنا چاہیے۔"

"کیا بات؟" پریشے نے بری طرح سے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

"میں کم از کم تمہارا پروپوزل پیش نہیں کروں گی بیوقوف بس ذرا کریدوں گی اس کی تمہارے بارے میں کیا رائے ہے؟"

سونیا نے پرسوچ انداز میں کیا تو پریشے بے قراری ہو کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

"پلیز سونی تم ایسا کچھ نہیں کرو گی پلیز۔" وہ بجھی ہوئی تھی گڑبڑا سی گئی تو سونیا نے کسی قدر حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے سونیا بہت دیر خود کو دھوکہ دیئے رکھنا چاہتی ہوں اسی فریب میں مبتلا ہنا چاہ رہی ہوں۔"

اس نے سر جھکا لیا تھا اور دھیمے لہجے میں جیسے خود کلامی کی تھی۔ مگر سونیا کو شدید دھچکا لگا تھا۔

"کیا بات ہے پری لکل کے کہو پلیز کیا ڈر کونسا فریب کہیں تمہیں میجر طارق کے متعلق کچھ ایسا ویسا تو پتہ نہیں چل گیا۔" وہ گھبراہٹ میں تیز تیز بولے گئی۔ پریشے سر اونچا کر کے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں

www.pkdigest.com

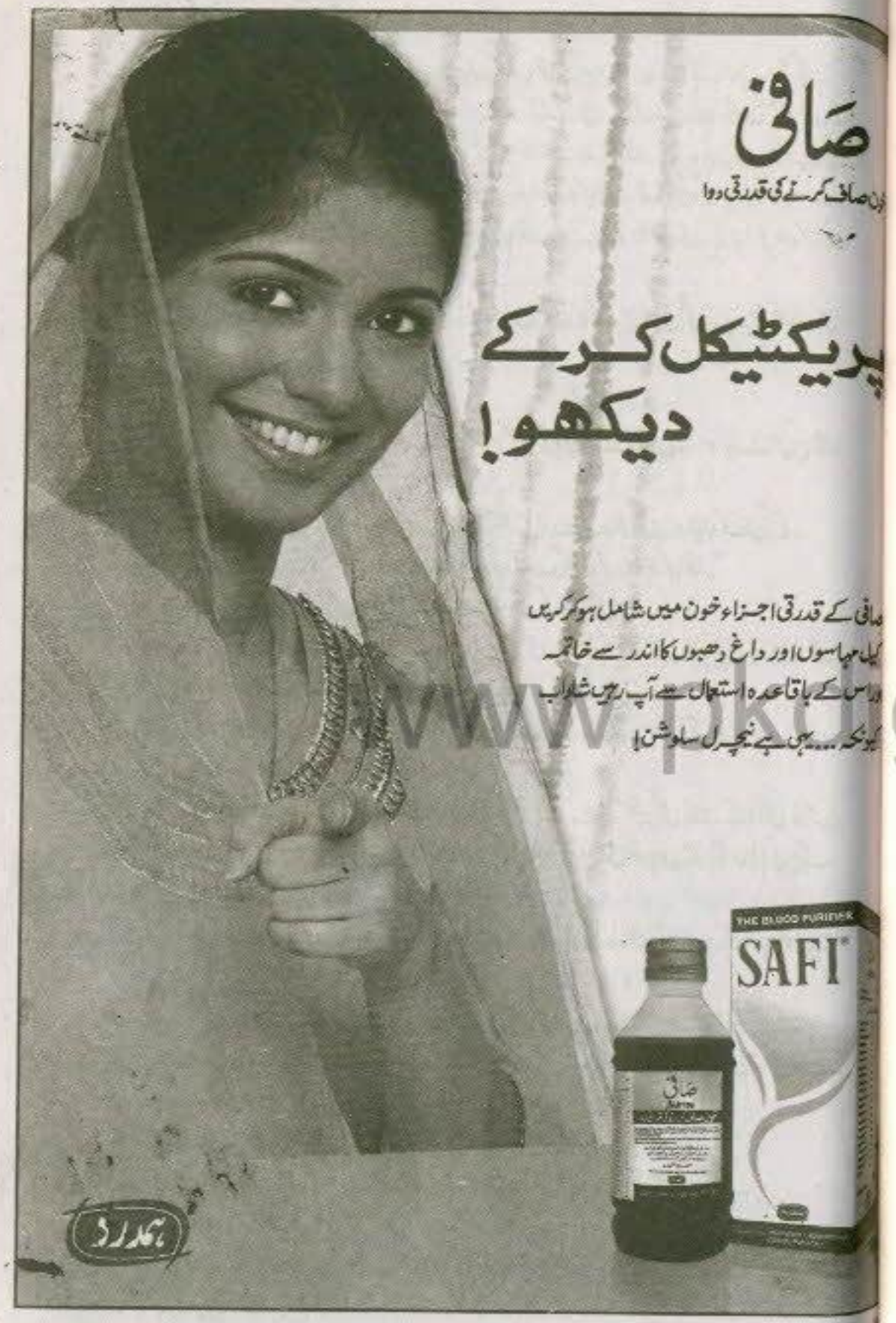

نمی سی جھلملائی تھیں۔

تمہیں پتہ ہے سونی اسے اتنے عرصے بعد دیکھ کر مجھے خوشی نہیں ہوئی ویسی خوشی جیسی ہونا چاہئے تھی۔ کیوں جانتی ہو کیوں۔"

ایسا کیوں ہے آئی نو ڈیٹ ایسا کیوں ہے وہ میرا ہونے سے پہلے ہی" آنکھوں کی نمی گالوں پر اتر آئی تھی۔ سونیا نے سر جھٹک دیا تھا۔

خوامخواہ فضول باتیں مت سوچو پری محض ایک وہم ہے اور کچھ نہیں۔ یہ بتاؤ شام میں چل رہی ہو۔"

"کہاں؟" پریشے کی بے دلی اپنی جگہ تھی۔

"یاد نہیں تمہاری نیرز مسز عبداللہ اپنے بیٹے کی برتھ ڈے پارٹی میں انوائیٹ کر کے گئی ہیں۔"

سونیا نے یاد دلایا تو پریشے نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"چھوڑو یار بالکل دل نہیں چاہ رہا۔" "بری بات ڈیر وہ کیا سوچیں گی کس قدر بے حروت اور خشک لوگ ہیں۔ بس تم چل رہی ہو۔ تیار رہنا جہاں تک گفٹ کی بات ہے وہ میں خود مارکیٹ سے لے آؤں گی بلکہ میرا تو خیال ہے تم بھی چلو اس روز آئس کریم کھا کے جب واپس آ رہے تھے میں نے روڈ کی دوسری جانب ایک ایک بک شاپ دیکھی تھی۔ تمہارے فیورٹ رائیٹر جارج برنارڈ شاہ کی نئی بک مارکیٹ میں آئی ہے آؤ نا چلو ہا دیہ بک تمہیں میں گفٹ کروں گی تمہارے مسٹر پرفیکٹ سے ملنے کی خوشی میں۔" سونیا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا۔

"ابھی ملے کہاں ہیں۔" پریشے نے یاسیت میں تے ہوئے زیر لب کہا مگر سونیا کی تیز سماعتوں نے باخوبی اس کی بڑبڑاہٹ کیچ کی تھی۔ جبھی تسلی کے انداز میں ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا تھا۔

"ڈونٹ وری نظر تو آیا ہے اللہ نے چاہا تو مل بھی جائے گا۔ کپڑے تو تمہارے ٹھیک ہی ہیں بس ایسے ہی چلو۔"

سونیا نے انکار کی تمام واپسی ہی مدد کر دی تھیں۔

"یار اپنے شاعری کے ذخیرے سے کچھ سنا ہی ڈالو۔" راستے میں ہرے بھرے خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سونیا نے اچانک فرمائش کر دی تھی پریشے نے کچھ دیر سوچا تھا اور پھر جیسے کچھ یاد کر کے مسکرائی۔

بہت اچھا بھی لگتا ہے
اچانک اس طرح دل کا دوبارہ مبتلا ہونا
محبت آشنا ہونا
مگر جب دیکھتا ہوں وقت

پھر ایکدم چپ ہوئی تھی اور لب بھینچ لئے۔ سونیا جو مگن سے انداز میں اس کے خوبصورت لہجے کے زیر و بم میں کھو چلی تھی اس خاموش پر چونک کر متوجہ ہوئی اور پریشے کے متفکر چہرے کو دیکھ کر ٹھٹکی

"واٹ ہیپنڈ پری۔"

"تھنک" پریشے نے سختی سے لب بھینچ لئے تھے۔ مگر سونیا مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

"پلیز ٹیل می پری ہوا کیا تم ایکدم چپ کیوں ہو گئیں"

"یہ نظم اچھی نہیں ہے سونی اور میں اسے پورا نہیں کرنا چاہتی۔ سو پلیز" اس نے جیسے اپنی الجھن بیان کی

تھی سونیا نے بے اختیار گہرا سانس کھینچا۔

"اوہ تم نے تو مجھے ڈرا کے رکھ دیا تھا۔"

گفٹ سنٹر سے انہوں نے پہلے ٹیڈی بیئر خرید کر پیک کروایا تھا پھر سونیا اسے لئے بک شاپ پر آ گئی۔

انتی ساری کتابیں ہیں۔ دیکھ کر اوور مت ہونا بس ایک کتاب ہی لے کر دینی ہے مجھے۔" سونیا نے اس کی خوبصورت انکھوں میں بڑھتی چمک دیکھ کر اپنی مرضی کا مطلب اخذ کیا تھا۔ جب پریشے نے اسے ٹہو کا دے کر شاپ کیپر کے پاس کھڑے میجر طارق شیرازی کی سمت اشارہ کیا تھا۔ نیوی بلیو گرم دانہ شلوار سوٹ میں وہ اپنی عام تر وجاہتوں سمیت ہمیشہ کی طرح شاہکار نظر آ رہا تھا۔ چہرے پہ خود اعتمادی بے نیازی اور نخوت کے ساتھ رعب و دبدبہ جھلک رہا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں اسے یہاں بلاؤں۔" سونیا نے ناک چڑھائی تھی۔ پریشے خفیف سی ہو گئی۔

"میں نے کب کہا"

"وہ کتابوں کی سمت متوجہ ہو گئی اس کا مطلب ہے محترم بھی کتابوں کے رسیا ہیں۔" سونیا نے اس پر نگاہ ڈالتے ہوئے سوچا۔

"ایکیوزمی برٹرینڈ رسل کے ناولز چاہیے۔" پریشے سیلز مین سے کہہ رہی تھی۔ سونیا بدک سی گئی۔

"یہ دھانہ لی کیوں میں نے تو تمہیں جارج برنارڈ شاہ کی کتاب گفٹ کرنے کا کہا تھا۔"

سونیا اس کے سر پر پہنچ کر غیض بھری نظروں سے گھورتی سلگ کر بولی تھی۔

"یہ کتاب میری بک شلیف میں پچھلے ایک سال سے پڑی ہے اور اسے میں غالبا چار بار پڑھ چکی ہوں ناؤ کائنڈ یو پور انفارمیشن کہ یہ برناڈ شاہ کی نئی کتاب نہیں ہے۔"

اس کا موڈ ایکدم خوشگوار ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر شرارتی مسکراہٹ سمیت بہت جتا کر کہا تو سونیا نے اندر مڈتے جلال پر بڑی وقت سے دبایا تھا۔

"تو پھر سن لو صرف ایک کتاب کی پے منٹ ہو گی میری طرف سے۔" بغیر کسی لحاظ کے اچھی خاص ناراضگی کا اظہار ہوا۔ تبھی ان کی آواز پر سرسری طور پر متوجہ ہوتا میجر طارق شیرازی نظروں میں شناسائی کی چمک لئے مسکراتا ہوا قریب آ گیا۔

"ہیلو" "آج آپ کو اپنا شکوہ شکایت واپس لینا پڑے گا بی کوز میں نے بغیر تعارف کے آپ کو پہچانا ہے۔"

اس کے پرکشش مردانہ چہرے پر بے ریاسی مسکان کتنی بھلی لگتی تھی۔ اسکا اعتراف سونیا کو بھی کرنا پڑا تھا۔ جبکہ پریشے کے سرخ و سفید اجلے چہرے پر دھنک کے سبھی رنگ بکھرے گئے تھے دل بہت بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ اس کے ہاتھ کی انگلیوں کی نرم پوروں میں دبی کتاب پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

"ڈھینکس فار اس آلزسر" سونیا جو ابا بے حد خوشدلی سے چہکی تھی۔

آپ کیسی ہیں؟۔ وہ اب اس کی سمت متوجہ تھا۔ وجیہہ چہرے پر مسکراہٹ کی کرجھلملائی تھی۔

"جی جی ٹھیک ہوں۔" اس کی دھڑکنیں خطرناک حد تک تیز گئیں۔

"جھگڑا بھی ہوتا ہے آپ درمیان وہ اب پھر سونیا کی سمت متوجہ تھا اور پریشے اپنے بے تحاشا اسپیڈ سے دوڑتے دل کو سنبھالتی چپکے اسے دیکھنے لگی۔

"اگر یہ شخص مجھے نہ ملا تو۔" اس نے سوچا اور جیسے جسم و روح میں ہر سو ویرانی بکھرنے لگی۔

"آپ بھی کتابیں پڑھتے ہیں۔" سونیا پوچھ رہی تھی۔

"وقت گزاری کو کچھ تو کرنا ہوتا ہے۔ ویسے اس وقت میں یہ بک کسی کو گفٹ کرنے کے ارادے سے خریدنے آیا تھا۔" اس کے ذہن میں ماہ نور کا سراپا جھلملایا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے اس نے ماہ نور کو انگریزی ناول کا مطالعہ کرتے دیکھا تھا اور اگلے دن روہ اس کے لئے اس سے بھی اچھا اور مہنگا ناول خرید کر لایا تھا۔

"کیوں" اس نے تیکھے چتونوں سمیت اسے دیکھا تھا۔

"یہ کتاب بھی بہت اچھی ہے۔" وہ گڑبڑا گیا تھا۔ اس کی اتنی تفتیش پر۔

"دیکھئے مسٹر اول تر آپ میرے معاملات میں ملاخلت مت کیا کریں دوسری بات میں آپ پر ہر یہ واضع کر دوں کہ میں لوگوں سے اتنے مہنگے گفٹ نہیں لیا کرتی۔" اس لہجہ و انداز ہنوز تنفر زدہ تھا۔

"آخر وہ کتاب بھی تو۔"

"اسٹاپ اٹ۔"

ماہ نور نے سرخ چہرے سمیت ہاتھ اٹھا کہ بہت برہمی سے اسے ٹوکا تھا۔ پھر لہجے میں تلخی سمیٹ کر ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولی تھی۔

"میں اپنے بارے میں کسی کو وضاحتیں دینا پسند نہیں کرتی مگر جہاں معاملہ کردار تک پہنچے وہاں بولنا ناگزیر ہے جبھی میں تمہیں بتانا ضروری سمجھی ہوں کہ یہ کتاب میں نے کالج لائبریری سے ایشو کروائی ہے اب تم یہاں چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

مگر وہ تب کی بات تھی اب جبکہ وہ صورت حال نہیں رہی تھی اور اسے امید بھی ہو چلی تھی کہ اسے جلد گھر کی سہولت میسر آ جائے گی تو اس کے آنے سے پہلے وہ اس کی دلچسپی سے متعلق ہر چیز اس گھر میں لانا چاہتا تھا۔

"ہیلو۔ کہاں گم ہو چکے ہیں۔" سونیا نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔ وہ خفیف سا چونکا اور بے اختیار مسکرایا۔

"آپ نے کبھی پپسی سدھوا کو پڑھا ہے۔ اگر نہیں پڑھا تو پلیز ضرور پڑھئے۔ قائل ہو جائیں گی۔"

وہ بالکل اچانک پریشے سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی، بے ساختہ خفت و خجالت کا شکار ہوتی نظریں چرا گئی اور واپسی پر جب سونیا اس کی بوکھلاہٹ کو نشانہ بناتے ہوئے اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"تم جیسی 1947 کی شرمیلی ہیروئین کو آج کے دور کی فاسٹ محبت کرنے کا کوئی حق نہیں"

تب اس نے ایکدم ہی اسے بہت سنجیدگی سے ٹوک دیا تھا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔"

"پھر کیسی بات ہے۔" سونیا نے گھورا۔

تم مجھ سے کچھ سننے کی فرمائش کر رہی تھیں نا۔ ایک انگریزی نظم ہے اس میں تمہاری اس بات کا جواب بھی ہے۔

Because I have lost loved ones in my Life.
Who Never Knew how much I loved Them.
Now I Live with the regret.
That my true feelings For them Never were revealed.

www.pkdigest.com

So I made Promise to my self

To say how much he means to me and avoid that circumstance.

Where there is no second chance to tell him how I feel

If tomarrow never come.

ترجمہ:

کیونکہ میں نے زندگی میں بہت سے پیاروں کو کھو دیا ہے۔ جو نہیں جانتے تھے کہ میں ان سے کتنی محبت کرتی تھی۔ اب میں ایک پچھتاوے کے ساتھ زندہ ہوں۔ کیونکہ ان کے لئے میرے سچے جذبے ہمیشہ مخلص رہے۔ اس لئے میں نے خود سے ایک وعدہ کیا۔ میں اسے بتاؤں گی کہ وہ میرے لئے کتنا اہم ہے اور ایسی کسی بھی صدر تحال کا سامنا نہیں کرنا چاہوں گی۔ جس میں مجھے یہ بتانے کے لئے کسی دوسرے موقع کا انتظار کرنا پڑے۔ کہ میں اس کے بارے میں کیا سوچتی ہوں۔ اگر آنے والا کل نہ آیا۔

"ویری ویل ڈن دیٹس گریٹ خوشی کر دیا نائس گرل ریلی بالکل اسی اسپرٹ کی تو ضرورت ہے تمہیں ڈرنا بالکل نہیں۔ یہ وہ دور ہے میری جان کہ آگے بڑھو اور چھین لو۔"

وہ گویا اس کو تھپکیاں دیتی شاباشی سے نواز رہی تھی۔

"نہیں چھینا میری خطرت نہیں ہے ہاں البتہ کوشش میں حرج نہیں آگے جو اللہ کی مرضی۔"

پریشے نے اختلاف کیا۔ سونیا اسے دیکھنے لگی۔

"بالغرض وہ تمہیں نہ ملا۔" اس نیکہا تھا۔ پریشے نے سنا تھا۔ اور یکلخت زرد پڑ گئی تھی۔

"میں ایسا کوئی تصور بھی نہیں رکھتی ہوں سو ہونی۔"

اس کا مدھم لہجہ بوجھل ہونے لگا۔

"جبھی تو کہتی ہوں اس شعر کی تفسیر بن جاؤ میری جان"

پلٹنا جھپٹنا جھپٹ کر پلٹنا

دنیا میں خوش رہنے کا ہے اچھا طریقہ ہے

اس نے مشہور و معروف شعر کا بڑی بے باکی سے قلع قمع کیا دونوں ہنس دی تھیں اور اسلام آباد کی خوشگوار منچلی ہواؤں نے اس کھنک دار جلترنگ بجاتی ہنسی کو سنا تھا اور سن کر مسکرا دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

طلوع سحر کے آثار تھے۔ جب طارق شیرازی نے شیرازی ہاؤس میں قدم رکھا۔ دھند سردی اور سرد ہواؤں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ سپیدہ سحر پوری نہیں پھیلا تھا۔ کچھ سرمئی بادلوں کی وجہ سے بھی تاریکی کا احساس ہوتا تھا۔ کچھ تو سخت سردی کا موسم اور پھر رات سے متواتر برستی بارش سردی کی شدت میں اضافے کا باعث بنی تھی مین گیٹ سے چوبی دروازے تک وہ بھیگتا ہوا آیا تھا۔

سہرا دروازہ دھکیلا تو وہ بنا آہٹ کے کھلتا چلا گیا۔ ہر سو خاموشی اور سناٹے کا راج تھا ویسی ہی خاموشی جو مکینوں کی غیر موجودگی میں ہی تخلیق ہو پاتی ہے یا پھر آدھی رات کے مخصوص خوابیدہ تصور سے منسوب ہوتی ہے ہوا بلکہ ٹھنڈی مسخ ہوا کے تیز جھونکے اس کے سرد پڑے وجود سے ٹکرائے وہ وہ جھرجھرا کر آگے بڑھ آیا اس کا رخ اپنے کمرے جانب تھا۔

دروازہ بند تھا۔ اس نے ناب گھمائی اور اندر داخل ہو گیا۔ ماہ نور کمبل اوڑھے بے تکلف انداز میں سو رہی تھی۔ اس کے ریشمی دراز کھلے بال بیڈ پر دور تک بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اس کے خوابیدہ ہوش ربا جلوے سے گھائل ہوتا بے اختیاری کی کیفیت میں اسے تک آیا تھا اور جھک کر اپنے سلگتے ہوئے ہونٹ بہت نرمی ملائمت اور محبت سمیت اس کی پیشانی پر رکھ دیئے۔ ماہ نور نے اس لمس کو نیند میں بھی محسوس کیا تھا۔ اور جیسے بے چین ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ اسے خود سے اتنا نزدیک پا کر وہ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔

"آ آپ؟"

وہ بے تحاشا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھے کسی قدر ناگواری سے بولی تھی۔

"سوری یار میرا مقصد تمہاری نیند خراب کرنا نہیں تھا۔" وہ خجالت بھرے انداز میں وضاحت پیش کرنے لگا۔ ماہ نور نظریں اٹھا کر سرد انداز میں اسے دیکھا۔ اور اٹھ کر چادر سنبھالتی دریچے تک آئی پردے ہٹا کر سلائیڈ کھولی۔ باہر موسم کی وہی شدتیں تھیں۔

"افوہ پتہ نہیں آج بھی اس دھند سے نجات ملے گی یا نہیں۔" اس نے اکتاہٹ بھری آواز میں کہا۔

زلف ان کی اگر بکھرے جائے

احتراگا سحر نہیں ہوئی

جانے وہ کب اس کے پاس آ گیا تھا گردن پر گرم سانسوں کی پیش محسوس کرتے ہی وہ سرعت سے پلٹی تو طارق شیرازی نے مسکرا کر اس کے ریشمی بال سہلائے تھے۔ پھر اس انداز میں بھنوؤں کو جنبش دی جیسے پوچھ رہا ہو ٹھیک ہے نا۔

"ناشتہ کریں گے؟" ماہ نور طرح دے گئی۔

"تھینکس ہاں اگر زحمت نہ ہو تو ایک کپ کافی بنا دو جو کسلمندی اور سستی ہے طبیعت پر وہ اسی سے دور ہو گئی۔"

اس نے جیکٹ اتار کر صوفے پر پھینکتے ہوئے کہا تھا۔ ماہ نور کے باہر جانے کے بعد طارق نے الیکٹریز آن کرتے ہوئے ماہ نور کا خالی کیا ہوا بستر سنبھال لیا تھا۔ جب ماہ نور گرما گرم کافی کا مگ ٹرے میں رکھے اندر آئی وہ تکیے کے سہارے نیم دراز اونگھ رہا تھا۔

"کافی لے لیں پھر سو جانے گا۔" اس نے آہستگی سے کہتے طارق کا کاندھا ہلایا۔ وہ سنبھلا اور لیدھا ہوتا بیٹھ گیا۔

"شوگر" ماہ نور نے سوالیہ نظریں اٹھائی تھیں۔

"ود آؤٹ شوگر۔" اس کے لبوں کے ساتھ آنکھوں میں بھی شوخ مسکان بکھری۔ ماہ نور کے چہرے پر خفیف سی سرخی ہرائی۔ اس کی نظریں ہی اتنے تفصیلی جائزے میں مگن تھیں۔

"سوچ لیجئے یہ بلیک کافی ہے۔" ماہ نور نے طنز کہا۔ مگر طارق شیرازی نے لاپرواہی سے کاندھے اچکا دیئے تھا۔

"تم اگر پھیکی بھی دے دو گی تو میری حیات میں شرین گھل جائے گی۔ اس خدویانہ انداز میں کہتے پہلے اس سے مگ لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اچانک اس پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس کے سرد وجود کو اپنی پر حدت پناہیں بخش دی تھیں۔ ماہ نور کو بھلا اس سے اس درجہ بے تکلفی کی کہاں توقع تھی ایک پل تو

www.pkdigest.com

ساکن ہی ہوگئی۔

"تمہیں اندازہ ہونا چاہئے نادان لڑکی کہ تمہارا پردیسی ساجن کو اس وقت کافی سے زیادہ تمہاری ضرورت ہے۔" وہ اسے کسی قیمتی متاع کی طرح اپنے بازوؤں میں سنبھالتے ہوئے بھاری آواز میں بولا تھا۔ جبکہ ماہ نور کے اعصاب پر تو گویا بم پھٹا تھا۔ گھراہٹ سے مفلوج ہوتی حسیات کو بامشکل سنبھالتے ہوئے اس نے چور نگاہوں سمیت پتھر اور فولاد سے بنے وجود کے مالک طارق کو دیکھا تھا اور جیسے اپنی متوقع ہار کے متعلق سوچ کر ہی دوہانسی ہوگئی۔

پلیز اس کا الجھتا ہوا پرتپش تنفس بھاپ کی طرح اس کے تن بدن کو جھلسا چکا تھا۔

"چھوڑ دیں پلیز" وہ اس کے کاندھے پر مکے مارتے ہوئے چلانے لگی۔

"مذاق کر رہا تھا یار ویسے تو تم گلے بھی نہ ملتیں اسی طرح سہی۔" وہ جیسے نارمل انداز میں کہتا اسے چھوڑ کر الگ ہوگیا۔ ماہ نور نے بے اوسان دھڑکنوں کو سنبھالتے آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا کافی کے سپ لیتا وہ کتنا بے نیاز اور نارمل نظر آرہا تھا۔ جبکہ اس کے اندر باہر جیسے اس لمحاتی قربت نے سب کچھ الٹ پلٹ کر دیا تھا۔

"اپنی پیکنگ کرلو میں زیادہ دیر نہیں روکوں گا۔" اس نے آخری گھونٹ کے خالی لگ ٹیبل پر رکھا اور لیٹے کے ساتھ ہی سر تک کمبل کھینچ لیا۔

پھر اسے فاروق نے ہی زبردستی آکر جگایا تھا۔

"لیں کریں بھائی۔ کچھ ہمارا ہی خیال کرلیں تمہاری وجہ سے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا"

اس نے کلائی پر بندھی رسٹ واچ اس کی نظروں کے سامنے کی جو دس بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔

"تو تم کرلیتے اور ہاں آج ہوسپٹل نہیں گئے تم۔"

وہ آنکھیں مسلتا جماہیاں لیتا اٹھ بیٹھا۔

"آج اتوار ہے یعنی چھٹی کا دن آپ بھی غالباً اسی چھٹی کو غنیمت جان کر بھاگے آئے ہیں۔"

فاروق مسکرا رہا تھا طارق جھک کر سلیپر ڈھونڈنے لگا۔

"جلدی سے فریش ہوکر آئیں آج اجتماعی ناشتہ ہمارا منتظر ہے۔"

فاروق نے شو ریک کے سب سے نچلے خانے سے اس کے سلیپر اٹھا کر سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا اور خود پلٹ کر باہر نکل گیا طارق کی نگاہ نے کمرے میں ماہ نور کو کھوجا تھا اور ناکام تھی۔ جس وقت وہ فریش ہونے کے بعد ہال میں آیا بڑی ٹیبل کے گرد سب گویا اسی کے منتظر تھے۔ وہ سب سے ملنے کے بعد کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔ حلوہ پوری گرم کی چائے نان کچوری اور پراٹھے۔ ملازمہ کے ساتھ ماہ نور کچن میں مصروف تھی اور ملازمہ گرما گرم ناشتہ ٹیبل تک پہنچا رہی تھی۔ طارق نے ماہ نور کے متعلق فاروق سے استفسار کیا تھا اور جواب سن کر اس کے لب بھینچ کر رہ گئے وہ منتظر رہا تھا۔ ماہ نور ٹیبل پر آئے مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا یہاں تک کہ سارے بزرگ ناشتہ کر کے اٹھ گئے۔ نوجوان نسل موجود تھی اور بے فکری سے نیتی مسکرائی کھانے اور باتوں میں مگن تھی۔

ذرا نہ موم ہوا پیار کی حرارت سے
چیخ کے ٹوٹ گیا دل کا سخت ایسا تھا
یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
کوئی نہ سہہ سکے لہجہ کرخت ایسا تھا

منیبہ نے طارق کو نظروں کی گرفت میں لئے لئے اپنا راگ لاپا فاروق نے طارق کی پیشانی کی شکنوں کو دیکھا تھا اور جیسے اس کا موڈ بدلنے کی گوہر افشانی کا اثر ذائل کرنے کو بول پڑا تھا۔

"یہ بھابھی بھی عجیب مزاج خاتون ہیں بھائی۔ گھنٹوں چپ چاپ رہ کر بھی نہیں تھا کتیں۔ اللہ جانے کیا پریشانی ہے ورنہ خواتین اور خاموش۔ دو مضاد چیزیں ہی ہیں۔" فاروق نے بالخصوص منیبہ کو دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگائے طارق نے تبصرہ ضروری نہیں سمجھا۔ تو فاروق مذید گویا ہوا تھا۔

"دیکھئے نا گھر میں ایک نئے فرد کا اضافہ ہوا ہے پتہ ہی نہیں چلتا۔ حالانکہ ہونا تو چاہئے تھا۔ کہ ہر جگہ ان کی بڑ رہی ہوتی ادھر سے آواز آتی بھابھی۔ ادھر سے آواز آتی بہو اندر سے آواز آتی بیگم" وہ طارق کی سمت دیکھ کر مسکرا رہا تھا مگر وہ کوئی رسپانس دیئے بغیر کرسی دھکیل کر اٹھا تھا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

حالانکہ داؤد حسن خاں نے رات ہی اسے صبح تک تیار رہنے کا کہا تھا جیسے بھی تھا بہر حال وہ رشتوں میں مجبور ہو کر واپسی اسی راستے چلنے کو تیار تھے تکین رات کی طرح ان کے بیڈ روم میں نہیں گئی تھی۔ داؤد حسن خاں اسے ڈھونڈتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں آئے تھے وہ انہیں دیکھ کر بے ساختہ دھڑک اٹھنے والے دل کو سنبھالتے پاگل ہونے لگی۔ وہ خفا تھی ان یقیناً منانے آئے ہوں اس کے ہمیشہ کے خوش فہم دل نے جھٹ سے اپنی من پسند سوچ لی مگر وہ صبح گاؤں روانگی کی تیاری کا کہہ کر پلٹ گئے تھے۔ نہ کوئی شرمندگی نہ اظہار افسوس مذید بکھر گئی اور سخت چڑ کر ان کے اس فیصلے سے مکرانے کا تہیہ کرلیا۔

"آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ وہ کچن میں مصروف تھی جب وہ اس کے پاس آئے تھے۔"

اس لئے کہ میں کہیں نہیں جارہی۔

باقی آئندہ

www.pkdigest.com

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفرنامے

- اردو کی آخری کتاب
- آوارہ گرد کی ڈائری
- دنیا گول ہے
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں
- چلتے ہو تو چین کو چلئے
- نگری نگری پھرا مسافر

لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

محبت کی چھاؤں میں

ثنا ظفر

''ٹھک..... ٹھک..... ٹھک۔'' کی آواز اس کے خوابیدہ اعصاب پر ہتھوڑے کی مانند لگ رہی تھی، اس کی نیند میں تو پنکھے کی گھڑ گھڑ بھی مخل نہ ہو سکی تھی تو وہ باہر دروازے پر ہوتی دستک کو کیا خاطر میں لاتی لہٰذا دوبارہ کروٹ بدل کر سو گئی، لیکن پھر زوردار دستک نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا، پٹ سے آنکھیں کھول کر سامنے لگے وال کلاک پر نظر ڈالی اور چھلانگ لگا کر چارپائی سے اتری تو چارپائی بھی اپنی اس ناقدری پر چرچرا کر رہ گئی۔

''ٹھک..... ٹھک..... ٹھک۔'' دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔

''اُف اتنی دیر سوتی رہی میں پانچ بج گئے، بھائی جان بیچارے نجانے کب سے باہر کھڑے ہیں۔'' وہ شانوں پر دوپٹہ درست کرتی چپل کو تلاش کر کے پیروں میں اڑستی، بھاگم بھاگ باہر لپکی۔

''آ رہی ہوں بھائی جان آ رہی ہوں۔'' وہ اپنی ہی رو میں بولتی بے دھیانی میں دروازہ کھول کر پلٹ گئی۔

''آپ سے بھی نہ بس صبر نہیں ہوتا۔'' وہ جو کہ نہا کر سوئی اور اب لمبے گھنے سیاہ بال یونہی پشت پر بکھرے تھے، آنے والے کی نظروں کی گرفت میں آ گئے، وہ متذبذب سا اسے واپس پلٹتے دیکھتا رہ گیا، لیکن جب اس نے مڑ کر دوبارہ نہ دیکھا تو اسے پکارنا پڑا۔

''سنیئے پلیز۔'' اجنبی لہجہ و آواز اسے ٹھٹھک کر رکنے پر مجبور کر گیا، وہ ایک جھٹکے سے مڑی تو، اس کے آگے سے تراشیدہ بال اس کے چہرے کو چھو کر پیچھے ہٹے تھے وہ دم بخود دیکھتا رہ گیا، وہ اسے اپنی بڑی بڑی خوابیدہ آنکھیں پوری کھولے حیران پریشان سی دیکھے گئی۔

''کون ہیں آپ؟'' اس نے تیزی سے

مکمل ناول

www.kdigest.com

دوپٹہ سر پر جماتے قریباً دروازے کی آڑ میں ہوتے سخت سے لہجے میں پوچھا۔

''وہ میں، میں شعیب کا دوست ہوں۔''

''اونہہ۔'' اس نے گہری سانس لی۔

''لیکن بھائی جان تو گھر میں نہیں ہیں۔''

''جی مجھے معلوم ہے، وہ دراصل.....'' وہ کافی پریشان لگا تھا اسے۔

''جی شعیب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، حالت کافی سیریز ہے، میں آپ کو لینے آیا ہوں۔''

''کیا؟ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ، ابھی تین گھنٹے پہلے تو وہ مجھے کسی کام کا کہہ کر گئے تھے اور آپ'' آگے سے اس سے بولا ہی نہ گیا۔

''جی وہ دراصل۔'' اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ اسے کس طرح سمجھائے۔

''پلیز آپ وقت ضائع نہ کریں۔''

''کیا ثبوت ہے آپ کے پاس اس بات کا۔'' ایسی اندوہناک خبر سن کر بھی اس نے اپنے حواس نہ کھوئے تھے۔

''دیکھیے میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو آپ کو میں ایڈریس بتا دیتا ہوں آپ خود ہی وہاں پہنچ جائیں۔'' اس نے اسے فوراً ہی ایڈریس سمجھایا اور واپسی کے لئے پلٹ گیا، وہ دروازہ بند کرتی واپس کمرے میں آئی اور کھونٹی پر ٹنگی چادر اتار کر اوڑھی اور بھاگتی ہوئی گھر سے باہر نکلی اور پوری شدت سے ساتھ والا دروازہ بجا دیا۔

''زیبو خالہ دروازہ کھولو جلد کرو۔'' ایک ادھیڑ عمر عورت نے دروازہ کھولا تو وہ فوراً اسے اپنے ساتھ چلنے کا کہہ کر اپنے گھر کے دروازے پر تالا ڈالنے لگی۔

''خالہ پلیز جلدی کرو۔'' خالہ بھی صورتحال واضح ہوتے ہی اندر سے چادر لینے بھاگی۔

ابھی کچھ زیادہ دیر تو نہیں گزری تھی اسے وہ آفس سے واپس گھر آیا تھا، کھانا کھا کر اسے اچھی طرح دروازہ بند کرنے کا کہتا ہوا دوبارہ نکل گیا تھا، وہ اس کے گھر سے جاتے ہی تاسف میں گھر گئی تھی کہ وہ اس کی خاطر کتنی محنت کرتا تھا، دن رات کی بھاگ دوڑ سے وہ معاشرے میں ایک اچھا مقام بنانا چاہتا تھا، وہ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کے لئے جیتے تھے وہ ہمیشہ اسے اچھے دنوں کے خواب دکھاتا تھا، صرف وقت کا انتظار کرنے کو کہتا تھا اور اب وہ اجنبی کسی دل کو چیر دینے والی خبر سنا کر گیا تھا کہ وہ رکشے میں نڈھال سی بیٹھی دل میں بہت سے وہم اور خدشے پال رہی تھی۔

وہ تقریباً بھاگتے ہوئے ہوسپٹل کا گیٹ عبور کر گئی، وہ اپنے اردگرد سے بے نیاز کبھی تیز چلتی اور کبھی بھاگتی ہوئی ہوسپٹل کے کوریڈور عبور کر رہی تھی، اس کے تیز چلنے کا نتیجہ یہ تھا کہ خالہ کو بھی اس کے پیچھے بھاگنا پڑتا اور کبھی آوازیں دینے لگتی، لیکن اب اسے ان کی کوئی پرواہ نہیں تھی وہ جلد از جلد اپنے بھائی کے پاس پہنچنا چاہتی تھی، اسے یہاں اسے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی کہ جب امی بیمار ہوئیں تھیں تو اسی ہوسپٹل میں لائیں گئی تھیں اور وہ اس ہوسپٹل کے چپے چپے سے واقف تھی، امی کو زنانہ وارڈ میں رکھا گیا تھا لیکن بہت دیکھ بھال کے بعد بھی وہ جانبر نہ ہو سکیں، جبکہ شعیب بھائی کو مردانہ وارڈ کے انتہائی نگہداشت حصے میں رکھا گیا تھا، وہ ہوسپٹل کی سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے ہانپ گئی تھی لیکن پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری، آخر وہ اس حصے میں پہنچ گئی اب اسے آپریشن تھیٹر کی تلاش تھی، وہ بھاگتے ہوئے ایک دروازے کو کراس کر گئی لیکن چند قدموں پر ہی اسے ٹھٹھک کر رک جانا پڑا کیونکہ سامنے سے وہی شخص ایک اسٹریچر کے ساتھ ساتھ نڈھال قدموں اور نم آنکھیں لئے چلا آ رہا تھا، اسٹریچر کو دھکیلنے والے آہستہ آہستہ اس کے قریب سے ہوتے ہوئے گزرنے لگے تو اس نے بے اختیار ہی اسٹریچر کو تھام لیا، اس شخص نے جھکے سر کو اٹھاتے ہوئے آنکھیں صاف کر کے اس کی طرف دیکھا اور دھیرے دھیرے چلتا دوسری سائیڈ پر اس کے قریب آن رکا۔

''آپ اگر اس وقت میرے ساتھ آ جاتیں تو شاید آپ کی بات ہو جاتی شعیب سے لیکن اب.....'' اس کا لہجہ رندھ گیا، ایک دم ہی بجلی کڑکی اور اس پر گر گئی۔

''کک..... کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔'' اس نے متوحش لہجے میں کہا اسے اپنی ہی آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی، اس نے کچھ بھی کہنے کے بجائے اسٹریچر پر پڑے بے جان وجود کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ کو روکا تھا اور نفی میں سر ہلانے لگی۔

''اے ہے کمبخت اتنا بھاگتی ہے، مجھے بھی بھگا بھگا کر مار دیا۔'' ایک منٹ کو کہیں نہ رکی تو خالہ ہانپتی ہوئی اس کے پاس پہنچی تھیں، لیکن وہ تو بالکل گم صم بت بنی کھڑی تھی۔

''اے کیا ہوا؟'' بے جان وجود کے چہرے کو دوبارہ ڈھانپ دیا تھا جسے خالہ دیکھ نہ پائیں۔

''سب کچھ ختم ہو خالہ سب کچھ۔'' اس کی سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

''اے ہے کمبخت کیا بک رہی ہے۔''

''تو ٹھیک کہتی ہے خالہ میں واقعی کم بخت ہوں بلکہ میرے تو بخت ہیں ہی نہیں۔'' وہ پھر بڑبڑائی تھی لیکن بالکل ساکت کسی مجسمے کی مانند کھڑی تھی، جس کی آنکھوں سے اب تک ایک آنسو بھی نہ ٹپکا تھا۔

''پلیز آپ انہیں رلائیں ورنہ ان کے

اچھی باتیں

☆ نماز خوف کی دلیل ہے یہ دل سے غیر اللہ کا خوف دور کرتی ہے' نماز ادھورے انسان کو آہستہ آہستہ پورا کر دینے کی ضمانت ہے' یہ اندر سے خالی انسانوں کو بھرنا شروع کر دیتی ہے۔

☆ نماز اللہ کی قربت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

☆ نماز دنیا اور آخرت کے درمیان رابطے کا پل ہے۔

☆ نماز دین کا ستون ہے۔

☆ عبادت جو مخلوق کے لیے کی جاتی ہے' زمین میں دھنسا دیتی ہے اور عبادت جو خالق کے لیے کی جاتی آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔

☆ جس کا ظاہر و باطن ایک ہے وہ عالم ہے' جس کا باطن، ظاہر سے افضل ہے، وہ ولی اللہ ہے اور جس کا ظاہر باطن سے افضل ہے' وہ جاہل و مکار ہے۔

☆ خوش مزاج شخص وہ ہے جو دوسروں کو خوش مزاجی دے۔

☆ درویشی بادشاہت سے بہتر ہے بشرطیکہ دنیا کا تعلق شامل نہ ہو۔

☆ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جو کچھ ہے کہ جو کچھ بھی سنے بیان کر دے۔

☆ جو اپنی ضرورتیں بڑھا لیتا ہے اسے اکثر محرومی کا غم رہتا ہے۔

☆ بدترین جھوٹ وہ ہے جس میں کچھ سچ بھی شامل ہو۔

☆ برے آدمی سے نیکی ایسے ہے جیسے نیک آدمی سے برائی کر دی جائے۔

www.pkdigest.com

ذہن پر اثر ہو جائے گا۔'' میت صحن کے بیچ و بیچ بچھی چارپائی پر پڑی تھی اور وہ بالکل بت بنی ایک ہی سمت دیکھے جا رہی تھی، اس کی دوست شہلا جو اس سے ملنے آئی تھی اور آگے اس نے یہ سب کچھ دیکھا تو وہ بھی نڈھال ہو گئی۔

''رمو..... رمیہہ کیا ہو گیا ہے تمہیں، دیکھو تمہارے بھائی کا جنازہ گھر میں پڑا ہے رومی پلیز ہوش میں آؤ، خدا کے لئے رو پڑو رمیہہ خدا کے لئے رو پڑو۔'' اس نے رمیہہ کو جھنجھوڑ ڈالا لیکن وہ تو نہ روئی شہلا خود ہی اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''خالہ آپ ہی اسے رلائیں۔''

''میں کیا کروں بیٹی میں نے تو بہت کوشش کر کے دیکھ لی۔'' خالہ نے بھی بے بسی سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا، جنازے کے اردگرد محلے کی بہت سی عورتیں جمع تھیں، شعیب کے بہت سے دوست بھی آ چکے تھے، تدفین کا سارا انتظام بھی اسی شخص نے کیا تھا جو ان کے ساتھ آیا تھا۔

''دیکھو بیٹی کوشش کرو کے یہ رو دے ورنہ واقعی اس کے دماغ پر برا اثر پڑے گا، دل کا غبار نکل جائے تو اچھا ہوتا ہے۔'' ایک اور خاتون نے کہا جو شکل سے کچھ پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئیں لگتیں تھیں۔

''دیکھو رومی..... رمیہہ دیکھو، تمہارا بھائی ہے یہ، تمہارے اکلوتے بھائی کی لاش ہے یہ، تمہارا بھائی مر گیا ہے رمو، مر گیا ہے، تم..... تم دنیا میں تنہا رہ گئی ہو، تمہارا واحد سہارا بھی خدا نے چھین لیا ہے رومی، ہوش میں آؤ اور دیکھو وہ جا رہا ہے تمہیں چھوڑ کر کبھی نہ واپس آنے کے لئے، تمہارا اب اس دنیا میں کوئی نہیں رہا، رومی کوئی نہیں۔''

ہلکی سی جنبش ہوئی، اس نے مسلسل روتی ہوئی شہلا کی جانب دیکھا، پھر صحن کے درمیان رکھی چارپائی کو جس پر پڑے اس کے اکلوتے بھائی کا خوبصورت نقوش سے سجا بند آنکھوں جامد ہونٹوں والا بے جان چہرہ نظر آ رہا تھا، اب سے چند گھنٹوں پہلے یہ ہونٹ مسکرا رہے تھے، ان بند آنکھوں میں ڈھیروں خواب سجے تھے اس کے حوالے سے اس کے مستقبل کے خواب، خوبصورت گھر اور بہتر معیار زندگی کے خواب اپنے حقوق دوسروں سے چھین لینے کے پلان، لیکن اب سب کچھ ملیا میٹ ہو گیا تھا، چند گھنٹوں پہلے اس متحرک وجود کو اب منوں مٹی تلے دفنا دیا جانا تھا، وہ جو ایک خوبصورت شخصیت کا مالک تھا، وہ جو دن کو دن اور رات کو رات سمجھے بنا مسلسل محنت میں لگا تھا، اس کی ساری محنت اب مٹی میں مٹی ہو جانی تھی۔

اسے حرکت کرتا دیکھ کر ہر طرف خاموشی چھا گئی، مسلسل ہوتی سرگوشیاں تھم گئیں، جیسے وہاں موجود ہر شخص نے اپنا سانس اندر ہی روک لیا ہو، بیرونی دروازے سے اندر آتا سعدان حسن وہیں ٹھٹھک کر رک گیا، وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کی چارپائی کے قریب آن رکی۔

''تم..... تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے، نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں جا سکتے تم مجھے چھوڑ کر، اٹھو اٹھو، دیکھو دنیا والے کہہ رہے ہیں میں تنہا رہ گئی ہوں، نہیں، اٹھ کر ان سب کو بتا دو، میں تنہا نہیں ہوں، میرا بھائی میرے ساتھ ہے، میرے ساتھ ہے میرا بھائی۔'' ہر لفظ کیا تھا اس کی بڑبڑاہٹ تیز تر ہوتی گئی، وہاں موجود ہر فرد پر اس کا ہر لفظ بخوبی اثر دکھا رہا تھا، وہ بولتے بولتے ایکدم چیخ اٹھی۔

''اٹھو، میں کہتی ہوں اٹھو۔'' اس نے شعیب کا گریبان پکڑ لیا۔

''بتا دو ان سب کو کہ میں اکیلی نہیں ہوں، تم ہو میرے ساتھ۔'' شہلا نے آگے بڑھ کر اس

سے گریبان چھڑوایا اور زمین پر بٹھا دیا، لیکن اس پر تو جیسے جنون سوار ہو گیا تھا مگر ابھی تک اس کی آنکھ سے ایک آنسو تک نہ ٹپکا تھا۔

''تم تو کہتے تھے میں تمہیں دولہن بناؤں گا، تجھے اتنا جہیز دوں گا کہ دنیا دیکھے گی، کہاں گئیں، کہاں گئیں تمہاری وہ سب باتیں، میں نے کہا تھا ناں مجھے کچھ نہیں چاہیے، مجھے صرف تمہارا آسرا چاہیے، تمہارا سہارا چاہیے، لیکن تم نہیں مانے اور اب جا رہے ہو، بتاؤ، بتاؤ مجھے، کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو، کس کو بنایا ہے میرا سرپرست، کون ہے میرا، جس کے سہارے میں جیوں گی، بولو، بولتے کیوں نہیں تم، کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا، جو تم بھی مجھے یوں چھوڑ کر جا رہے ہو۔'' اس نے پھر اس کا گریبان جا دبوچا، شہلا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ تو دیوانی ہو رہی تھی دو تین عورتوں نے اسے سمجھنا چاہا لیکن وہ کسی کے قابو میں نہ آئی۔

''بولو، اے جواب کیوں نہیں دیتے، کون ہے میرا، کیسے کہوں گی میں اپنا۔'' وہ اسے جھنجھوڑ رہی تھی، شہلا نے بے بس ہو کر مدد طلب نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھا جو مسلسل اس وقت سے ان کے ساتھ تھا۔

''بولو کیسے کہوں گی میں اپنا، بولو، جواب دو مجھے۔'' سعدان نے آگے بڑھ کر بے قابو ہوتی رمیہہ کو شانوں سے پکڑ لیا تو دھیرے دھیرے اس کی مدافعت کمزور پڑتے پڑتے دم توڑ گئی اور وہ اس کی بانہوں میں جھول گئی، اس نے اسے زمین پر لٹا دیا۔

''بے ہوش ہو گئیں ہیں شاید۔'' وہ پیچھے ہٹا تو شہلا اس کے گال تھپتھپانے لگی۔

''رمیہہ ہوش میں آؤ، اٹھو، رمو، پانی لاؤ۔'' اس نے قریب کھڑی لڑکی سے کہا تو وہ فوراً پانی لینے بھاگی، اس کے گلابی ہونٹ بالکل سفید ہو گئے، لمبی گھنی پلکوں نے جنبش کرنا چھوڑ دی، پانی کے چھینٹے بھی اسے ہوش میں نہ لا سکے۔

''رمیہہ ہوش میں آؤ پلیز۔'' بے بس سی شہلا روتی چلی گئی۔

''ہائے ہائے کیا ہوا میرے بچے کو، کس کی نظر کھا گئی گھبرو جوان کو، اچھا بھلا بہن کو لے کر بیٹھا تھا، کس ظالم نے یہ ظلم کیا ہے؟'' ایک عورت بین کرتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی، چہرے اور انداز سے ہی اس کے مصنوعی لب و لہجے کا پتہ چلتا تھا، اس کی اداکاری پر شہلا کا جی چاہا وہ ابھی اسے دھکے دے کر باہر نکال دے، وہ اسے اچھی طرح جانتی تھی، یہ رمیہہ کی دور پرے کی خالہ تھی، امی کی وفات کے بعد شعیب چند دنوں کے لئے اسے ان کے ہاں چھوڑ آیا تھا، لیکن انہوں نے رمیہہ کو اپنے گھر میں نوکرانی سے زیادہ حیثیت نہ دی تھی، اس لئے شعیب بھائی اسے جلد ہی واپس لے آئے۔

آج شعیب کو اس دنیا سے رخصت ہوئے تیسرا دن تھا اور رمیہہ کے آنسو جو بہنا شروع ہوئے تو اب تک نہ تھمے تھے، اس نے چیخنا چلانا تو چھوڑ دیا تھا لیکن اب آنسوؤں پر بندھ باندھنا مشکل تھا، آہستہ آہستہ اس کے گھر سے رش کم ہونے لگا، ہمدرد بن کر تو بہت آئے تھے لیکن سرپرست بن کر کوئی نہ آیا۔

شہلا اور اس کی امی اس کے پاس ہی تھیں، لیکن آخر کب تک، ایک نہ ایک دن تو انہیں بھی جانا تھا اپنے گھر۔

''سنو دھی، تم میرے ساتھ چلو میرے گھر۔''

''نہیں شہلا، میں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے گہری سانس لیتے دھیرے سے کہا۔

''میں یہ گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' اور

www.pkdigest.com

پھر آنے والے دنوں میں بھی شہلا نے بارہا اسے کہا لیکن اس کی ناں، ہاں میں نہ بدلی۔

''تو پھر کیا کرو گی، کب تک رہو گی تن تنہا، آج شعیب بھائی کو گئے ایک ہفتہ ہو گیا اور تم ہو کہ ہمت ہی نہیں کر رہی ہو۔'' شہلا نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا، اسی وقت کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

یہ شخص روز ہی آتا تھا، بہت ساتھ دیا تھا اس مشکل وقت میں اس نے، لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہے، کہاں سے آتا ہے، حتیٰ کہ وہ اس کا نام تک نہ جانتیں تھیں۔

''آپ؟ آیئے آیئے۔'' شہلا نے دیکھتے ہی کہا، لیکن رمیہہ کو پھر رونا آ گیا۔

''کاش، کاش میں اسی وقت اس کے ساتھ چلی جاتی تو ہو سکتا ہے بھائی سے بات ہو جاتی، لیکن نہیں، یہ میرے مقدر میں نہ تھا۔'' وہ گھٹنوں پر سر رکھے سوچتے ہوئے روتی چلی گئی۔

''اب کیا ہو گا؟'' وہ شاید کوئی بات کرنا چاہتا تھا لیکن بات بن نہیں رہی تھی، اس لئے ایسا بے تکا سوال منہ سے نکل گیا۔

''یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا مسٹر بلکہ یہ تو ایسا سوال ہے جسے کوئی حل نہ کر سکے۔'' شہلا نے گہری سانس لیتے ہوئے انتہائی تاسف سے کہا۔

''میرا نام سعدان ہے۔''

''سعدان صاحب ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں کہ آپ نے ایسے مشکل وقت میں ہمارا ساتھ دیا۔'' شہلا نے مشکورانہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ میرا فرض تھا مس شہلا، میں نے کسی پر احسان نہیں کیا، شعیب میرا بہت اچھا دوست تھا، چند دنوں میں ہی ہماری دوستی بہت گہری ہو گئی تھی، اچھے لوگ بہت جلد دلوں میں جگہ بنا لیتے ہیں اور خدا کو بھی شاید وہ بہت عزیز ہوتے ہیں، اسی لئے تو وہ اتنی جلدی انہیں اپنے پاس بلا لیتا ہے، میرے ساتھ ہی تو تھا وہ اپنے آخری لمحوں میں، ہا آہ..... بس چند لمحوں کا کھیل تھا۔'' اس کی آنکھوں کے سامنے وہ حادثہ پوری جزئیات کے ساتھ آیا تھا، جسے وہ کبھی بھول نہ سکتا تھا۔

اس کی آنکھوں میں ایک سمندر تھا جو بہا چلا آ رہا تھا، رونے کی شدت میں وہ اس سے یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ اپنے آخری وقت میں بھائی نے کیا کہا تھا اس کے لئے کوئی پیغام دیا تھا، کوئی سندیس چھوڑا تھا، کتنا خوش قسمت تھا وہ شخص جو اس کے بھائی کے آخری وقت میں اس کے ساتھ تھا اور وہ کتنی بدنصیب، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''میں آپ سے یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا ان کے کہیں اور رہنے کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔''

''میں نے تو کہا ہے اسے میرے ساتھ چلے، میرے گھر میں رہے اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔''

''کیوں، کیوں جاؤں میں تمہارے ساتھ، کیا رشتہ ہے میرا تمہارا، کیوں لے جانا چاہتی ہو مجھے۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑی، اس کا لہجہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

''دوستی کے رشتے سے رمیہہ۔'' شہلا نے دکھ اور رسانیت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا۔

''دوستی کے رشتے سے۔''

''آہ، کب تک، کب تک دوستی نبھاؤ گی تم۔'' وہ چارپائی سے نیچے اتر آئی۔

''کل کو تمہاری شادی ہو جائے گی، پھر پھر، کس رشتے سے رہو گی میں وہاں، کیا تمہاری بھابھیاں مجھے برداشت کر سکیں گی، ہاں بولو، کیا سسرال لے جاؤ گی مجھے بھی، نہیں، نہیں شہلا نہیں، اس دنیا میں کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا اور جو دے سکتا ہو وہ دینا نہیں چاہتا، تم میری وجہ سے اپنی زندگی مشکل مت بناؤ، میں تمہارے گھر کے حالات کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں، تم میری وجہ سے پریشان مت ہو جس نے سر پر یہ مصیبت ڈالی ہے، اس نے میرے لئے بہت کچھ سوچ رکھا ہو گا۔'' وہ ایک بار پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بے اختیار رو دی، سعدان بہت غور سے اس کی طرف دیکھ اور سن رہا تھا۔

''یہاں بیٹھو رمیہہ آرام سے سکون سے۔'' اس نے اسے پکڑ کر بٹھایا اور پانی کا گلاس لینے کے لئے اٹھی اس دوران وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

''یہ لو پانی پیو میں آتی ہوں۔'' وہ اس کے ہاتھ میں گلاس پکڑا کر باہر آ گئی۔

''دیکھا آپ نے، اب کیا کہا جا سکتا ہے۔'' وہ جو لب بھینچے چہرے پر دکھ و پریشانی لئے کسی گہری سوچ میں گھیرا گھیرا تھا اس کے مخاطب کرنے پر چونکا۔

''ہوں، آہ، اچھا میں چلتا ہوں خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔''

چند لوگ آئے تھے افسوس کرنے اسی دوران سعدان بھی آ گیا۔

''ایکسکیوزمی، آپ میری بات سنیں۔'' اس نے کمرے کے دروازے پر ہی کھڑے ہو کر شہلا کو اپنی طرف متوجہ کیا، تو وہ مہمانوں سے معذرت کرتی ہوئی باہر صحن میں آ گئی۔

''جی۔''

''یہ دیکھ لیجئے۔'' اس نے کافی بڑا ایک شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

''میں شام میں آؤنگا اپنی والدہ اور کچھ لوگوں کے ساتھ، مس رمیہہ کو تعلق اور رشتے فراہم کرنے کے لئے۔'' شہلا کے ہاتھ میں شاپر تھماتے ہی اس نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا وہ بت بنی کھڑی رہی، لیکن پھر جیسے اسے ہوش آیا تو اس نے شاپر کھول کر اس میں جھانکا پہلے تو حیران ہوئی پھر مسکرا دی۔

''یہ کیا ہے؟'' مہمانوں کے جانے کے بعد شہلا جب وہ لفافہ اس کے پاس اٹھا لائی تو اس نے پوچھا۔

''دیکھ رومی اب تک تم اپنی منواتی رہی ہو لیکن اب تمہیں ہماری ماننا ہو گی۔''

''کیا مطلب، اور یہ ہے کیا؟''

''جو کچھ بھی ہے، بس تم چپ چاپ بیٹھی رہو۔'' وہ اسے الجھن بھری نظروں سے دیکھتی خاموش ہو گئی تو اس نے شاپر میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا گتے کا ڈبہ نکالا ڈھکن کھولا تو چھچھاتی لشکارے مارتی چوڑیاں اسے مزید الجھا گئیں۔

''یہ کون لایا؟''

''میں نے کہا ناں خاموش رہو تم۔'' اس نے دوبارہ شاپر میں ہاتھ ڈال کر باری باری ساری چیزیں نکال کر چارپائی پر ایک چھوٹا سا ڈھیر لگا دیا، چوڑیاں، مہندی، ابٹن، میک اپ بکس اور کاسمیٹکس کا کچھ سامان۔

''یہ سب کیا ہے بتاتی کیوں نہیں ہو تم۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''خاموش۔'' شہلا نے اب کی بار باقاعدہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا، اس کے ہونٹوں پر خوبصورت سی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

''ویسے تو تمہیں ابٹن کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن پھر بھی رسماً ملنا تو پڑے گا۔'' شہلا نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

''کیا بکواس ہے یہ، کون لایا ہے یہ سب کچھ؟''

''مائی ڈیئر رمیہہ حسیب احمد، بیٹھو ادھر۔'' شہلا نے اسے بٹھایا اور ایک طویل اور گہری

www.pkdigest.com

سانس لیتے ہوئے خود بھی اس کے برابر بیٹھ گئی۔

''دیکھو رمو، یہ تو میں بھی نہیں جانتی کہ یہ سب کیا ہے، لیکن مجھے لگتا ہے کہ شاید تمہیں کوئی اپنا نام دینا چاہتا ہے، جس کے سائے میں رہ کر تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھو۔''

''لیکن، لیکن شہلا، اس طرح یہ سب کچھ یہ کیسے ممکن ہے اور پھر نہ جان نہ پہچان میں ایسے ہی کیسے اپنی زندگی کسی کے نام کر دوں۔''

''نہیں ریبہ، تمہیں ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے، ورنہ یہ معاشرہ تمہیں کہیں کا نہ چھوڑے گا۔''

''پلیز شہلا مجھے کسی امتحان میں مت ڈالو، میں پڑھی لکھی ہوں کہیں جاب کر لونگی اپنا سہارا خود بنوں گی۔'' وہ ایک عزم سے بولی۔

''تو کیا تنہا رہ سکتی ہو اس گھر میں اس محلے اس معاشرے میں۔''

''میں ہوسٹل میں رہ لونگی اور بھی تو ہزاروں لڑکیاں، عورتیں رہتیں ہیں ہوسٹلز میں۔''

''تمہیں اپنی کلاس فیلو زیبا راحیل یاد ہے جو اپنے ماموں کے گھر رہتی تھی اور ممانی کے ظلم و ستم سے نجات پانے کے لئے بے سہارا لڑکیوں کے ہوسٹل میں رہنے لگی تو، کیا ہوا اس کے ساتھ، جو کچھ اس کے ساتھ ہوا وہ خودکشی کر کے مرنے پر مجبور ہو گئی۔'' اور واقعی زیبا راحیل کا انجام یاد کر کے اس کے پسینے چھوٹ گئے۔

''جن لڑکیوں کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہوتا ناں رمیہہ یہ معاشرہ اسے یونہی بھنبھوڑ ڈالتا ہے اور پھر تم اپنی صورت تو دیکھو، ایسی من موہنی صورت کے لئے تو بھیڑیئے ہر نکڑ پر کھڑے ہوتے ہیں۔''

''لیکن ایک بالکل انجان اور اجنبی شخص کی تمہارے پاس کیا گارنٹی ہے، نجانے کون ہے کہاں سے آیا ہے نجانے اس کے کیا ارادے ہیں؟''

''وہ شام کو آئے گا، امی آ جائیں تو میں کہونگی وہ خود ان سے بات کریں، اس کی امی بھی آئیں گی، لیکن خدا کے لئے رومی اگر وہ مخلص ہوا تو تم انکار مت کرنا۔''

''اُف میرے خدا مجھے کن گناہوں کی پاداش میں یہ سزائیں مل رہی ہیں۔'' اس نے اپنا سر تھام لیا۔

''پاگل ہو تم، یہ سزا نہیں چھوٹی سی آزمائش ہے جس میں تمہیں سرخرو ہونا ہے، دیکھو رمیہہ وہ شخص مجھے بہت مخلص لگا ہے، وہ تمہارے لئے جو بھی کرے تم اسے قبول کر لینا، اپنا نہیں تو اپنی عزت کا ہی کچھ خیال کر لینا۔'' وہ شہلا کی بات پر بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

''پلیز تمہیں شعیب بھائی کی قسم۔'' اور وہ بے بسی سے اپنی سسکیاں روکتی اسے دیکھے گئی۔

حسب وعدہ وہ شام کو چلا آیا لیکن اکیلا نہیں بلکہ اپنی دو بہنوں ایک بھائی اور ماں کے ہمراہ، اس کی ماں اس کے لئے بہت سا زیور اور عروسی لباس ساتھ لائی تھی، نا صرف شہلا کی امی بلکہ محلے کے بزرگ خواتین و حضرات نے مل بیٹھ کر اپنی تسلی کر کے ہاں کہہ دی اور اگلے دن بعد دوپہر نکاح کا پروگرام طے کر لیا، اس کی ماں جاتے جاتے اس کے ہاتھ پر شگن کے پیسے اور انگلی میں انگوٹھی پہنا گئی، محلے کی لڑکیوں بالیوں نے شرارت سے اسکا لمبا سا گھونگھٹ نکال کر اس کی بہنوں کو اس کے دیدار سے محروم کر دیا تو وہ منہ لٹکائے واپس چلی گئیں اس دھمکی کے ساتھ کہ ''کل تو وہ ہماری ہو گی، پھر کیسے روکیں گی ہمیں دیکھنے سے۔''

اگلے دن دو کاروں میں مختصر سی بارات آئی، اسے دلہن بنا دیا گیا اور پھر وہ جو تھوڑی دیر پہلے ''رمیہہ حسیب احمد'' تھی چند لمحوں میں ''سعدان حسن علی'' بنا دی گئی۔

''شہلا مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' اس نے شہلا کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''کیوں اس میں ڈرنے والی کون سی بات ہے۔''

''میں کیسے ایڈجسٹ کر پاؤنگی۔''

''کچھ نہیں ہو گا، شروع شروع میں تھوڑی مشکلات درپیش ہونگی پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، دیکھو رمیہہ شعیب بھائی نے تمہیں ہمیشہ ہر سرد گرم سے بچایا ہے، زمانے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی، وہ اپنی انتہائی مصروفیت کے باوجود تمہیں سکول و کالج، یونیورسٹی سے خود لینے اور چھوڑنے جاتے تھے اب تم خود سے کسی سہارے کے بغیر نہیں چل سکتیں تمہیں ایک مضبوط سائباں کی ضرورت تھی، جو یقیناً اب تمہیں مل گیا ہے، میں تمہارے سسرالیوں سے ملی ہوں سب بہت اچھے لوگ ہیں، اس دنیا میں اگر برے لوگ موجود ہیں تو اچھے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے اور پھر یہی تو تقدیر ہے اور اب تمہیں حوصلہ کرنا ہو گا اور خود کو حالات کے مطابق ڈھالنا ہو گا۔'' وہ سمجھاتی رہی یہاں تک کہ رخصتی کا وقت آ گیا اور اتنا سمجھانے کے باوجود بھی اس کے ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے، وہ اتنا روئی اتنا روئی کہ گھر کے در و دیوار بھی رو پڑے، وہ سارے محلے کی چہیتی تھی، اس محلے کے بڑے تو کیا بچے بھی اس سے بے حد مانوس تھے، کیونکہ وہ وہاں کے تمام بچوں کی ٹیچر تھی، انہیں پڑھانے کے ساتھ ساتھ کھیلتی اور نو عمر لڑکیوں کے ساتھ مل کر کوکنگ، ڈریس ڈیزائننگ، انٹیریر ڈیکوریٹڈ کے نت نئے تجربات کرتی کم وسائل میں بہترین کام یہاں اس کی پہچان بن چکا تھا، بچے بوڑھے جوان سب اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے یہ سب اس کی مرحوم والدہ کی مرہون منت تھا اور اب جبکہ وہ رخصت ہو رہی تھی ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو تھے، وہ سب سے لپٹ لپٹ کر بے تحاشہ روئی، جو کہ نجانے اس کی جہالت کا ثبوت تھا یا محبت کا اظہار، سعدان حسن کچھ اندازہ نہ کر پائے۔

پھر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کن کن مراحل سے گزر کر ایک سجے سجائے کمرے میں پہنچی تھی ایک تھکا دینے والے سفر کے بعد گاڑی بہت بڑے گیٹ کے سامنے رکی، گیٹ کے اندر موجود عظیم الشان عمارت رنگ برنگی جگر جگر کرتی روشنی میں نہائی اسے ویلکم کہہ رہی تھی مختلف آوازیں مختلف بولیاں لوگوں سے گھر بھرا پڑا تھا، اتنا رش دیکھ کر اس کے رہے سہے حواس بھی گم ہو گئے، اسے ہوش تو تب آیا جب ایک لڑکی اس کا زرتار آنچل ہٹائے اسے دیکھ کر چیخی تھی۔

''ہائے آنسہ دیکھو تو ہماری بھابھی کس قدر خوبصورت ہیں۔'' اس کی چیخ پر اس نے پٹ سے پوری آنکھیں کھولیں، اتنے میں دوسری لڑکی بھی لپک کر آگے بڑھی۔

''ہائے واقعی صبا۔'' اور آنکھیں دیکھو حالانکہ رونے سے سارا میک اپ بہہ گیا ہے پھر بھی اور سعدی بھائی نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا تھا۔

''ان کی خوشی دیدنی ہے، کیسے معصوم بن کر اماں سے کہہ رہے تھے، اماں! بیچاری بہت مظلوم ہے نا ماں باپ نہ اور کوئی آسرا، بس یہی سمجھ لیں ایک بالکل بے سہارا لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھنا ہے آپ کو۔'' اس نے منہ بنا بنا کر اپنے بھائی کی نقل اتاری۔

''اور دیکھو ہمارے ساتھ کیسا مذاق کیا انہوں نے جب ہم نے تصویر دکھانے کو کہا تو، نجانے کس موٹی کالی بھجنگن کی تصویر دکھائی، ہمیں ٹیڑھی آنکھوں والی۔'' وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوئی۔

www.pkdigest.com

"اور بھابھی کیسے بھڑکی تھیں کہ انہیں ایسی دیورانی نہیں چاہیے کالی بھجنگ، اپنے ڈیشنگ اور اسمارٹ دیور کے لئے تو انہوں نے نجانے کیا کیا خواب سجا رکھے تھے، کتنا لڑیں تھیں وہ سعدی بھائی کے ساتھ کہ انہوں نے ان کے سارے خوابوں کو ملیامیٹ کر دیا ہے۔"

"اماں نے ڈیوٹی بھی تو ان کی ہی لگائی سعدی بھائی کے لئے لڑکی تلاش کرنے کی ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی کی تصویر تھی ان کے پاس لیکن سعدی بھائی ہاتھ ہی نہ آتے تھے اور اب کیسے پھنسے، کیسی مظلومیت سے اماں کے سامنے درخواست پیش کی کسی غریب بے سہارا کو سہارا دینے کی۔" وہ بنا اس کے احساسات جانے اپنی باتوں میں مگن تھی اور ایک وہ تھی کہ جسے ایکدم اپنی کم مائیگی اور کمتری کا احساس شدت سے ہوا تھا۔

ترس اور ہمدردی جیسے جذبات اسے یہاں تک لانے کا محرک بنے تھے، آنسوؤں کا ایک ریلا اندر آیا تھا اس نے اتنی سختی سے لب کاٹ لئے کہ صرف خون رسنے کی کسر باقی رہ گئی تھی، روکنے کے باوجود بھی سسکی ہونٹوں سے برآمد ہو ہی گئی تھی، آنسہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی اس نے تیزی سے بھر آنے والی آنکھیں صاف کیں۔

"بھابھی میرا خیال ہے کہ آپ بہت زیادہ تھک گئیں ہیں، آپ ایسا کریں وہ سامنے واش روم ہے آپ منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جائیں پھر ہم دوبارہ آپ کو تیار کر دیتے ہیں۔" پھر اس نے اس کا سارا زیور اتارنے میں اس کی مدد کی بھاری دوپٹہ اتار کر سادہ دوپٹہ اسے تھمایا اور واش روم تک لے گئی، اسے محسوس ہوا جیسے وہ بہت بڑے بوجھ سے آزاد ہو گئی لیکن یہ آزادی زیادہ دیر تک اسے نصیب نہ ہو سکی تھی وہ جو صبح سے شہلا کے ہاتھوں تختہ مشق بنی ہوئی تھی، اب بھی سنگھار میز کے سامنے اسے بٹھا دیا گیا اور پہلے کی طرح دوبارہ سب کچھ اس پر لاد دیا گیا، بلکہ اب پھولوں کے گجرے بھی اس بوجھ میں اضافے کا باعث بنے تھے۔

ہاں بوجھ ہی تو تھیں وہ چیزیں جنہیں نہ ذہن تسلیم کر رہا تھا اور نہ دل اگر یہی شادی اس کی عام اور نارمل حالات میں ہوئی ہوتی تو جذبات و احساسات آج سے مختلف ہوتے، لیکن اب واہمے، وسوسے، خدشے، نجانے آنے والا وقت اس کے لئے زندگی کا کون سا رخ سامنے لانے والا تھا، اب تک تو سب کچھ بہت اچھا ہوا تھا، لیکن وہ خوش فہمیوں میں زندہ رہنے والی لڑکی نہ تھی۔

اسے ایک بار پھر بے جان مورت کی مانند پھولوں سے لدی سیج پر بٹھا دیا گیا اور چند لمحوں بعد وہ بالکل تنہا بیٹھی تھی، جھکے سر کو اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا تو کمرے کی کشادگی اور اس کی آرائش اس کے لئے حیران کن تھی، ویل ڈیکوریٹڈ کمرے کو سجانے والے نے اپنی تمام صلاحیتیں اس پہ صرف کر رہی تھیں، دیواروں پر وائیٹ پینٹ میں گلابی پن جھلکتا تھا سرسراتے ریشمی پردے گلابی و آسمانی کلر کے کمبی نیشن سے تیار کیئے گئے تھے کہ فرش پر بچھا قالین آسمانی کلر کا تھا جو کہ وائیٹ فرنیچر کو بہت واضح کرنے میں معاون تھا، کمرے کی بائیں طرف ایک بہت بڑی دیوار گیر الماری بھی وائیٹ ہی تھی، جدید طرز کے صوفے بھی پردوں کے ہم رنگ تھے، ایک کونے میں ٹی وی ٹرالی کے ساتھ مصنوعی گلابوں کا پودہ اپنی بہار دکھا رہا تھا تو دوسرے کونے میں لمبے لمبے ٹیولپ کے پھول اپنے مصنوعی پن کو چھپائے دیکھنے والے کی نظر سے داد وصول کرتے تھے، کمرے کے دائیں طرف بڑا سے ڈریسنگ ٹیبل قیمتی پرفیوم اور کاسمیٹکس سے لدا پڑا تھا اور اس کے دائیں بائیں

بھی انواع و اقسام کے مصنوعی پھول اپنی بہار دکھلا رہے تھے، سامنے کی دیوار پر لگی طلوع آفتاب کی پینٹنگ انتہائی خوبصورت منظر پیش کر رہی تھی، پہلی نظر میں دیکھنے سے ایسا ہی محسوس ہوتا تھا جیسے آپ کھڑکی میں کھڑے ہوں اور صبح کا سارا حقیقی منظر آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو، کمرے کا تفصیلی جائزہ لیتی اس کی نگاہیں کارنس پر بھی سعدان حسن کی انلارج سائز تصویر پر جا ٹکیں۔

روشن و چمکدار خوبصورت آنکھیں، کھڑی ناک کے نیچے مسکراتے لب، گھنے سیاہ بالوں سے ڈھکی پیشانی، وہ ایک مکمل مردانہ وجاہت کا حامل شخص تھا، اس پر نظریں جمائے دماغ نے سوچ کی اڑان بھری تو اس سے وابستہ رشتہ و بندھن کا ادراک پوری شدت سے دل دھڑکا گیا، لیکن لمحوں میں کم مائیگی کا احساس اسے اپنے حصار میں لے کر اسے ایک فیصلہ کرنے پر مجبور کرنے لگا۔

"یا خدا کیا، ہمیشہ ترس اور ہمدردی جیسے جذبات ہی میرا مقدر رہیں گے، لیکن نہیں، اب تک تو میں لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹتی آئیں ہوں لیکن کبھی زبردستی خود کو کسی پر مسلط نہیں ہونے دیا، لیکن یہ رشتہ اور تعلق تو زور زبردستی سے استوار نہیں کیا جا سکتا، یہ بنا پیدا ہونے والا تعلق بنا محبت کے کس طرح پروان چڑھ سکتا ہے۔" وہ دھیرے سے بیڈ سے اتر آئی، تو کمرے کے ماحول میں جلترنگ بج اٹھے، ڈھیروں چوڑیوں کی کھن کھن اور زیورات کی چھن چھن ماحول میں خوبصورت سا ارتعاش پیدا کرنے لگی، وہ آہستہ روری سے چلتی قد آدم آئینے کے سامنے آن کھڑی ہوئی، کچھ دیر پہلے جب اسے اس جگہ بٹھایا گیا تھا تو وہ چاہنے کے باوجود آنکھیں نہ کھول سکی تھی لیکن اب آئینے میں نمودار ہونے والے عکس کو دیکھ کر جیسے یقین نہ کر پائی اور ایک لمحے کو تو وہ خود بھی مبہوت رہ گئی لیکن کسی گمان کے تحت فوراً ہی پلٹ کر دیکھا تھا، لیکن نہیں آئینے میں نظر آنے والا عکس اس کا اپنا ہی تھا، اس پر ٹوٹ کر نکھار آیا تھا چہرے کا سوگوار سوگوار سا تاثر اس کے حسن کو مزید دو آتشہ بنا گیا تھا، روئی روئی آنکھوں میں پھیلی ہلکی سی سرخی کاجل کی دھار کے ساتھ مل کر ان کی کشادگی اور خوبصورتی کو مزید نمایاں کر رہیں تھیں، خوبصورت زرتار آنچل اس کے سر پر ٹکا اسے کسی دور دیس سے آئی پریوں کی ملکہ ثابت کرنے پر تلا تھا، ٹیکہ جھومر، ستوان ناک میں بڑی تھلی اور باقی بھاری بھرکم زیورات اس کے سجے بنے وجود پر غضب ڈھا رہے تھے، ایک لمحے کو تو اس کا جی چاہا اپنا ارادہ موقوف کر کے دوبارہ اپنی جگہ پر جا بیٹھے اور اس تصویر میں نظر آنے والی اس کی ان بولتی نگاہوں سے حقیقتاً اپنے حسن کا خراج وصولے، لیکن اگلے ہی پل دل کی بے ایمانی کو نظر انداز کرتی ہاتھوں میں پڑی چوڑیاں باری باری اتارنے لگی کہ اس کے حسن کو خیرات اور بھیک میں ملی توجہ نہیں چاہیے تھی، وہ بالوں کی پنیں کھینچ کھینچ کر اتار رہی تھی، جب دروازے کے پار شور سا اٹھا، لمبے گھنے سیاہ ریشمی بال پشت پر بکھرے تھے اور آخری پن کھینچتے ہاتھ وہیں رہ گئے اور سانسیں کہیں سینے میں اٹکی رہ گئیں۔

"ہونہہ بھائی ہمارا حق پہلے ہمیں دیں پھر اندر جانے دیں گے۔" اس کے کانوں میں اپنی نند آنسہ کی آواز پڑی۔

"آں ہنہ اس طرح نہیں جانے دیں گے ہم آپ کو۔" صبا نے تیزی سے اس کا راستہ روکا جو کہ زبردستی بنایا گیا تھا۔

"بھابھی ان بلاؤں سے میری جان چھڑوائیں پہلے یہ شیطانی ٹولے سے بمشکل جان چھڑا کر آیا ہوں۔" سعدان کی منمناتی آواز آئی

www.pkdigest.com

تھی، بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ آئی جو کہ دوسرے ہی پل معدوم ہو چکی تھی۔

"تو دیور جی کچھ دے دلا کر فارغ کریں انہیں۔" ایک اور شرارت سے بھرپور شوخ آواز کان میں پڑی تو وہ بھاگ کر بیڈ کے دوسری سائیڈ پر سرہانے کی طرف جا کھڑی ہوئی۔

"ہاں بیٹا ان کا حق تو تمہیں دینا ہی ہے، پھر کیوں وقت ضائع کر رہے ہو، اندر بچی بیچاری اکڑ گئی ہو گی بیٹھ بیٹھ کر، جلدی سے معاملہ نمٹاؤ اپنا۔" ایک پر شفیق سی آواز جو کہ یقیناً اس کی ساس کی تھی نے رسانیت سے سمجھایا۔

"نہیں امی جان مجھے کوئی جلدی نہیں ہے ان کہیں کہ اپنی ڈیمانڈ کم کریں۔" اس کا دوٹوک سا انداز اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسنے لگا۔

"ہاں جلدی کیوں ہو گی، مجبوری کے بندھن کو قبول لینے میں کچھ دیر تو لگے گی ناں۔"

"اف بھائی اتنے کنجوس مت بنیں، نکالیں جلدی کریں۔" کوئی شاید اسے بھی اس بحث میں مزا آنے لگا تھا، حالانکہ وہ آج ہی اس موقع کے لئے اپنی دونوں لاڈلی بہنوں کے لئے خوبصورت سے وائیٹ گولڈ کے بریسلیٹ خرید لایا تھا اور پھر تھوڑی دیر کی محبت بھری چھیڑ چھاڑ کے بعد خوشی و مسرت کا اظہار کرتا شور دروازے کے اس پار بلند ہوا، لیکن چند لمحوں میں ہی مکمل خاموشی چھا گئی تھی، اس کی نگاہیں مسلسل دروازے پر جمی تھی، لیکن دروازہ کھلتے ہی جھک گئیں اور وہ کہ جو بیڈ پر بیٹھے منتظر وجود کی توقع لئے اندر آیا تھا پلٹ کر دروازہ لاک کر کے پلٹا تو چند قدم پر ٹھٹھک کر رک گیا، وہ وہاں کہیں نہیں تھی البتہ ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی چند چوڑیاں اور ڈھیروں پنیں اس کی نگاہوں کی زد میں آ گئیں، معاً چوڑیوں کی جلترنگ بج اٹھی، اس نے چونک کر دیکھا وہ لمبے چوڑے بیڈ کراؤن کے پیچھے تقریباً چھپی کھڑی تھی، اس کی اس بچگانہ حرکت پر بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی، وہ آہستہ روی سے چلتا بیڈ کے قریب آن رکا جبکہ وہ دوسری سائیڈ پر چھپی ایک قدم بڑھا کر سامنے آ گئی۔

"وہ آ..... آئی ایم سوری مجھے کچھ دیر ہو گئی، وہ دراصل باہر....." پھر اسے اپنی صفائی میں کچھ کہنا احمقانہ سا لگا، توقع کے برعکس پچویشن اسے کچھ پریشان سا کر گئی تھی وہ جو کچھ سوچ کر آیا تھا سب کچھ گڈمڈ ہو گیا۔

"آپ وہاں کیوں کھڑی ہیں۔"

"وہ..... مم..... میں۔" وہ اپنا بھاری بھرکم دوپٹہ سنبھالتی کافی سے زیادہ نروس تھی، وہ چند قدم بڑھا کر بیڈ کے اس جانب آ گیا جدھر وہ کھڑی لیکن ابھی بیڈ کے سرہانے سے پیروں تک کا فاصلہ ان کے درمیان حائل تھا۔

"آپ کچھ پریشان ہیں۔" اس نے کمرے کی دودھیا روشنی میں اس کے شعاعیں بکھیرتے وجود کو دل ہی دل میں سراہتے ہوئے پوچھا تو اسے اپنا اعتماد بحال کرنے میں چند لمحے ہی لگے تھے۔

"آ..... آپ نے مشکل وقت میں بہت ساتھ دیا، اس کے لئے آپ کا بہت بہت شکریہ لیکن....." وہ رک گئی، بے اختیار ہی اس کا جی چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر اس کے حنائی ہاتھوں کو تھام کر ہر مشکل میں ساتھ نبھانے کا عہد کرے، مگر وہ اس شعلہ جوالہ حسن کی، چھپانے کے باوجود نمایاں ہوتی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتا اس کے "لیکن" کے آگے کی بات کا انتظار کرتا اس کا بھرپور جائزہ لینے میں مگن تھا، دوپٹہ بہت سنبھالنے کے باوجود بھی شانوں پر آن گرا تھا اور اب بے حجابی کی حدوں کو پار کرنے کے لئے مچلتا

وہاں سے بھی ڈھلکنے کو تھا اور وہ جو تھوڑا ترچھے رخ کھڑی تھی دوپٹے کی اس گستاخانہ حرکت پر اس کے آبشار کی مانند بہتے لمبے بال اس کی نگاہوں کی زد میں آ گئے وہ اس کی تمام خوبصورتیوں کو دل میں سمونا اب بھی منتظر تھا۔

"لل..... لیکن مم..... میں اپنے بھائی کی قبر پر اپنی خوشیوں کا تاج محل تعمیر نہیں کر سکتی۔" اس نے بمشکل تمام اپنے دل کی بات کہہ دی۔

اور وہ جو خود کو مکمل طور پر ماحول کی فسوں خیزی میں جکڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا، یکدم چونکا، نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھنے لگا، اس کے گریز اور چہرے پر لکھی واضح تحریر کو چند لمحوں میں سمجھتے ہوئے اس کے اندر سے ایک گہری اور طویل سانس خارج ہوئی تھی ایسا کر کے شاید اس نے خود کو کسی طلسم سے آزاد کیا تھا۔

"آئی اوکے، آپ پریشان مت ہوں، میں آپ کے جذبات کو سمجھتا ہوں، آپ آرام کریں۔" وہ کہتا ہوا مڑا لیکن چند قدم پر ہی رک کر پھر پلٹا تھا۔

"لیکن یہ یاد رکھیئے گا، آپ اس گھر میں ایک مضبوط رشتے میں بندھ کر آئیں اس بندھن کو کمزور مت سمجھیئے گا۔" اس نے تنبیہ کی اور بیرونی دروازے کی جانب جانے کی بجائے وہ ساتھ والے کمرے کا دروازہ جو کہ اس کمرے میں بھی ڈریسنگ روم کے دروازے کے ساتھ ہی تھا کو تیزی سے کھول کر اندر گم ہو گیا، اس کے لگا تھا کہ اگر وہ چند لمحے بھی مزید وہاں کھڑا رہا تو خود پر کنٹرول نہ رکھ سکے گا، اس کے جانے کے بعد وہ دھپ سے بیڈ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی کہ "اگر اسے اس سے کوئی دلچسپی ہوتی تو کیا وہ اس طرح منہ موڑ کر چلا جاتا، نہیں بلکہ وہ جو ابھی تک عدم تحفظ و اعتماد کا شکار تھی اس کے زخموں پر اپنی محبت کا پھاہا رکھ کر اپنے تمام حقوق حاصل کرنا کچھ مشکل امر نہ تھا اس کے لئے کہ عورت تو موم کی ایسی مورت تھی کہ محبت اور نرمی سے جس سانچے میں ڈھالو آسانی سے ڈھل جائے لیکن اپنی ذات کی نفی اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

اس کی ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی، اذانوں کی آواز سن کر اٹھی، تازہ پانی سے غسل کے بعد پھوڑے کی طرح دکھتے وجود کو کچھ سکون ملا، نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو آنکھیں بے اختیار چھلک گئیں، لیکن اب وہ مزید رونا نہیں چاہتی تھی اس لئے جلدی سے منہ پر ہاتھ پھیرتی اٹھ گئی، جائے نماز طے کر کے اس کی جگہ پر رکھا اور کمرے میں طلوع آفتاب کی پینٹنگ کے ساتھ ہی موجود کھڑکی کے پردے ہٹا دیئے لیکن ابھی باہر کے ہر منظر نے اندھیرے کی چادر اوڑھ رکھی تھی اس لئے دوبارہ پردے برابر کرتی بیڈ پر آ گئی رات بھر کے تھکے ماندے وجود کو آرام دینے کے لئے بیڈ پر لیٹی تو چند لمحوں میں رات بھر کی روٹھی نیند کی دیوی اچانک ہی اس پر مہربان ہو کر اسے خود سے غافل کر گئی، نجانے وہ کتنی گہری نیند سوئی تھی کہ دروازے پر ہونے والی دوسری دستک بھی اس کی نیند میں خلل پیدا نہ کر سکی جبکہ برابر کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آتا سعدان چند قدموں پر ہی ٹھٹھک کر رک گیا اور دستک دینے والا بھی شاید تیسری دستک کا جواب نہ پا کر واپس لوٹ گیا تھا، وہ لان کا پرنٹڈ سوٹ زیب تن کئے بیڈ کے ایک کنارے پر بے تکلفی سے غفلت کی نیند سو رہی تھی اس کے لمبے گھنے سیاہ بال بیڈ کے دوسرے کنارے تک پھیلے تھے، وہ کہ جو ساری رات اس کے حسن کی حشر سامانیوں کے سحر میں جکڑا ٹھیک طرح سے سو بھی نہ پایا تھا، اب مزید اس کے حسن کی تابناکی اسے

www.pkdigest.com

اپنی جگہ مسمرائز کر گئی، بکھرے ہوئے گھنے سیاہ بالوں کے بیچ اس کا دھلا دھلایا صاف شفاف چہرہ بالکل بدلی کی اوٹ سے نکلے چاند کی مانند روشن تھا، شاید یہ اس کی نظروں کا ارتکاز تھا کہ اس نے کسمسا کر کوٹ بدلی تھی، وہ دھیرے دھیرے چلتا بیڈ کے قریب آیا اور بیٹھ کر بے اختیار ہی اس کے ریشمی بالوں کو نرمی سے چھوا اور آہستگی سے مٹھی میں بھر کر اپنے چہرے کے قریب لایا تھا، لیکن اگلے ہی لمحے ہونے والی زوردار دستک پر ہڑبڑا کر اچھلا تھا، وہ اس قدر بوکھلایا کہ بنا سوچے سمجھے جا کر تیزی سے دروازہ کھول دیا اور دروازے پر موجود بھابھی اس کے چہرے پر چھائی بوکھلاہٹ اور بدحواسی دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''معذرت چاہتی ہوں دیور جی لگتا ہے انتہائی غلط وقت پر آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔'' ان کے لہجے سے شرارت اور معنی خیزی چھلکی پڑتی تھی وہ مزید شرمندہ ہو کر نظریں چرا گیا۔

''یہ دودھ لائی ہوں آپ کے لئے اگر دیورانی جی جاگ گئیں ہوں تو اجازت ہے اندر آنے کی۔'' ان کا انداز بدستور تھا، اس نے پلٹ کر دیکھا وہ نہ صرف جاگ چکی تھی بلکہ بالوں کو سمیٹ کر سلیقے سے دوپٹہ بھی اوڑھ چکی تھی ایک سائیڈ پر ہو کر انہیں اندر آنے کا رستہ دیا۔

''ارے جناب آپ کدھر چلے ادھر آیئے۔'' وہ موقع غنیمت جان کر باہر کھسکنے کو تھا کہ انہوں نے ایک ہاتھ سے اس کا بازو پکڑ کر واپس کھینچ لیا۔

''ادھر بیٹھو۔'' انہوں نے سکڑی سمٹی رمیہہ کے برابر بیٹھا دیا اور ٹرے میں رکھے گلاس ان کے سامنے کر دیئے، سعدان نے تو فوراً اپنا گلاس اٹھا لیا لیکن وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی۔

''ارے دیورانی جی لیجئے ناں آپ بھی شرمانا کیسا۔''

''میں دودھ نہیں پیتی۔'' اس کی مترنم آواز برآمد ہوئی۔

''ارے واہ دیور جی، دیورانی جی کی تو آواز بھی بہت پیاری ہے، تم نے تو اچھا مجھے الو بنایا اور ساتھ بھی نہ لے گئے۔'' بھابھی نے کہا تو وہ بے اختیار مسکرا دیا اسے یاد آیا کہ بھابھی نے تصویر دیکھ کر کیسا واویلا مچایا تھا کہ ان کی پسند کی گئی حسین ترین لڑکیوں کو ریجکٹ کر کے کیسی موٹی بھدی کالی کلوٹی لڑکی کو بیاہنے جا رہا تھا اور اسی ناراضگی میں وہ بارات کے ساتھ بھی نہ گئیں تھیں اور اس نے پلٹ کر کہا بھی نہ تھا۔

''اور ہاں دلہن صاحبہ آپ دودھ کیوں نہیں پیتی آپ کے یہ نام نہاد شوہر صاحب تو صبح و شام دودھ پیتے ہیں، دنیا صبح بیڈ ٹی لیتی ہے اور یہ صاحب بہادر بیڈ ملک لیتے ہیں، لہٰذا اب آپ کو بھی عادت ڈالنی ہو گی۔'' انہوں نے زبردستی گلاس اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا، جسے تھام کر وہ گھونٹ گھونٹ گرم دودھ اپنے اندر انڈیلنے لگی، اس نے کن اکھیوں سے اس کے حنائی ہاتھ میں تھامے گلاس کو اس کے ہونٹوں کو چھوتے دیکھا تو ایک گہری طویل سانس لے کر رہ گیا۔

''ہاں تو اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔'' وہ ٹرے ایک سائیڈ پر رکھ کر بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولیں، نیم گرم دودھ کی چسکی لیتے لب ایک دوسرے میں پیوست ہوئے تھے، وہ دلچسپی سے اس کی اٹھتی گرتی پلکوں کو دیکھنے لگیں۔

''بھئی میں نے کچھ پوچھا ہے۔'' چند لمحوں کے انتظار کے بعد بھی جب جواب نہ ملا تو وہ پھر بول اٹھیں۔

''کک..... کیا بتاؤں میں آپ کو۔'' اس کی ہلکی سی آواز نکلی تھی۔

''بھئی میں تو تمہارے نام کے سوا کچھ بھی نہیں جانتی، اچھا چلو اپنی گریجویشن کے متعلق بتاؤ کتنا پڑھی ہو۔'' انہوں نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''ابھی حال ہی میں ایم اے انگلش کے فائنل ایگزامز دیئے ہیں۔'' دودھ پیتے سعدان کو اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا، اس نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔

اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کوئی لڑکی اس طرح اچانک ہی اس کی زندگی میں آ جائے گی، بلکہ وہ تو یہ بھی نہ جانتا تھا کہ شعیب کہ جس سے اس کی دوستی بہت تھوڑے عرصے میں بہت گہری ہو گئی تھی اس کی کوئی بہن بھی ہے، وہ اس کے ساتھ ہی تو تھا اس دن ذہن کے پردے پر وہ دن لہرایا۔

''اچھا یار اب تم مجھے یہی ڈراپ کر دو مجھے مارکیٹ سے بھی کچھ لینا ہے۔''

''ارے یار ایسی بھی کیا جلدی ہے چلے جانا گھر میں کون ہے، تمہارا انتظار کرنے والا تم جب چاہے گھر جایا کرو۔''

''ارے واہ یار کمال کرتے ہو مجھے بالکل ہی لاوارث سمجھ رکھا ہے، بے شک میرے ماں باپ اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ایک بہن ہے، بہت پیاری سی بالکل گڑیا جیسی بہت پیار کرتی ہے مجھ سے ذرا بھی دیر سے گھر پہنچا ناں تو جینا محال کر دے گی، باہر گزارے گئے ایک ایک منٹ کا دھیان رکھتی ہے وہ۔''

''کیا تمہاری بہن، لیکن تم نے کبھی پہلے تو ذکر نہیں کیا۔''

''کبھی موقع ہی نہیں ملا یار اور تم کیا سمجھتے تھے، میرے پیچھے رونے والا کوئی نہیں۔'' شعیب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ بکواس نہیں کرو اور اترو۔''

''بھئی تم تو ناراض ہو گئے آخر ایک ناں ایک دن تو مرنا ہی سب کو، اس لئے ہر وقت موت کو یاد رکھنا چاہیے۔''

''الٹے ہاتھ کی دونگا ایک، اب اگر بکواس کی تو۔''

''اچھا یار ناراض نہ ہو جا رہا ہوں۔''

''خدا حافظ۔''

وہ سڑکیں پھلانگتا ہوا گاڑیوں سے بچتا بچاتا گزر رہا تھا، لیکن سڑک کے کنارے پہنچتے ہی ایک تیز رفتار ٹرک آیا اور بچنے کی کوشش کے باوجود ایک بازو اور ٹانگ کو کچلتا ہوا گزر گیا، اس کی نگاہیں لمحہ بہ لمحہ دور ہوتے شعیب پر ہی جمی تھیں اور حادثہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ہو گیا تھا۔

''شعیب۔'' وہ پورے زور سے چیخا تھا، فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کی اور اگلے دو منٹ کے دوران وہ اس تک پہنچ گیا، تمام ٹریفک جام ہو گئی تھی، وہ بھیڑ میں رستہ بناتا اس تک پہنچا۔

''شعبی..... شعبی، اٹھو آنکھیں.....'' وہ پاگلوں کی طرح چیخا، خون بہت تیزی سے سڑک پر پھیل رہا تھا، اس نے کسی کی پروا نہ کرتے ہوئے اسے فوراً گاڑی میں ڈالا اور گاڑی اڑا لے گیا، ذاتی تعلقات کی بنا پر فوراً ہی انتہائی نگہداشت کے شعبے میں بھی امداد حاصل ہو گئی، مسلسل ایک گھنٹے کے کرب ناک انتظار کے بعد ڈاکٹر آئی سی یو سے باہر آیا تو وہ تیزی سے قریب آیا۔

''ڈاکٹر۔'' اس نے آس بھری نظروں سے دیکھا۔

''بہت مشکل ہے خون بہت زیادہ بہہ گیا، بہر حال ہم کوشش کر رہے ہیں، آپ ان کے گھر والوں کو اطلاع کر دیں۔''

''او کے پلیز اگر کوئی مسئلہ ہو تو آپ مجھے

www.pkdigest.com

اس نمبر پر کال کرلیں۔'' اس نے اپنا کارڈ نکال کر انہیں دیا اور خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے باہر کی طرف لپکا، شعیب کے گھر کا کوئی کونٹیکٹ اس کے پاس نہیں تھا، لہٰذا وہ ڈرائیو کرتا ہوا اس گلی تک آ گیا جہاں وہ اسے اکثر ڈراپ کر دیا کرتا تھا، لوگوں سے پوچھتا اب وہ اس گھر کے دروازے پر کھڑا تھا۔

''پیاری سی گڑیا جیسی بہن۔'' اس کے ذہن میں ایک چھوٹی سی بچی کا تصور تھا، مسلسل دستک دینے پر بھی دروازہ نہ کھلا۔

''ہوسکتا ہے محلے میں کہیں کھیل رہی ہو۔'' اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے سوچا اور ساتھ ہی ایک بار پھر دروازہ بجا دیا۔

''کوئی تو ہوگا گھر میں۔''

''آ رہی ہوں بھائی آ رہی ہوں۔'' نیند کے خمار سے بوجھل مترنم آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''آپ سے بھی بس صبر نہیں ہوتا۔'' وہ دروازہ کھول کر واپس جا رہی تھی اس کی سمجھ میں نہ آیا کیا کہے۔

''کون ہوسکتی ہے یہ؟'' اس نے بالوں کی آبشار پر نظریں جمائے سوچا۔

''سنیئے پلیز۔'' اجنبی آواز پر وہ جھٹکے سے مڑی تھی گھنے بال اس کے چہرے کو چھو کر پیچھے ہٹے تھے مدہوش کر دینے والا سراپا اس کے سامنے تھا۔

''کون ہیں آپ؟'' وہ ایکدم پریشان ہو کر سر کو ڈھانپتی دروازے کی آڑ میں ہو گئی تھی۔

''میں شعیب کا دوست ہوں۔'' اس کے بتانے پر اس نے گہری سانس لی تھی جو اسے اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، اس کی حاضر دماغی کا گرویدہ تو وہ اسی وقت ہو گیا تھا جب اس نے اتنی ہولناک خبر سننے کے بعد بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا اور اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا اور وہ اسے ایڈریس بتا کر ہوسپٹل واپس آ گیا تھا۔

''ڈاکٹر کیسی طبیعت ہے اس کی؟''

''آپ ان سے مل لیجئے پلیز۔'' ڈاکٹر کے کہنے پر وہ تیزی سے کمرے میں اس کے پاس پہنچا۔

''سس..... سعدی..... تت..... تم..... میں..... میرے دوست ہو ناں۔'' وہ بمشکل اپنی بات کہہ پایا تھا۔

''ہاں آں کیوں نہیں۔''

''تت..... تم..... مم..... میری بہن کا خیال رکھنا۔'' اور اس کے ساتھ ہی اس کا رابطہ زندگی کی سانسوں سے ٹوٹ گیا۔

''شعیب۔'' وہ زور سے چیخا، قریب کھڑے ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد اس کی موت کی تصدیق کر دی۔

''آئی ایم سوری۔''

اور پھر اسے اپنانے کا فیصلہ تو اس نے اسی وقت کر لیا تھا جب وہ بھائی کی لاش کو جھنجھوڑ کر پوچھ رہی تھی۔

''بتاؤ کس کو بنایا ہے میرا سرپرست، کون ہے وہ جسے میں اپنا کہوں گی، جس کے سہارے جیوں گی میں۔'' اور وہ اس دنیا سے جانے سے پہلے اسے ہی تو اس کا سرپرست بنا گیا تھا اور پھر چند ہی دنوں میں کیسے کیسے خواب سجا لئے تھے، اس نے اپنی آنکھوں میں، اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کے تمام غم اپنے دامن میں سمیٹ لے گا، لیکن اس ظالم لڑکی نے پہلی ہی رات میں اس کے تمام خوابوں اور امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا اور اب یہ انکشاف کر رہی تھی کہ وہ ایک پڑھی لکھی تعلیم کے زیور سے آراستہ لڑکی ہے، اس کے خیال کے مطابق ایسی جگہوں پر رہنے والی لڑکیاں زیادہ

سے زیادہ مڈل میٹرک یا بمشکل ایف اے تک ہی تعلیم حاصل کر کے اگلے گھر جانے کی تیاریاں شروع کر دیتیں ہیں اور وہ صحیح سوچ رہا تھا کیونکہ وہ اس کے اصل بیک گراؤنڈ سے واقف نہ تھا۔

حسیب احمد، رافعیہ بیگم کا انتہائی لاابالی اور لاپرواہ بیٹا تھا، وہی اپنے ماں باپ کی کل کائنات اور اکلوتی اولاد تھا، جس کا وہ بھرپور فائدہ اٹھاتا، ان کے گھر میں اگرچہ پیسے کی بہت زیادہ ریل پیل تو نہ تھی لیکن کسی چیز کی کمی بھی نہ تھی، چھوٹا سا ڈبل اسٹوری خوبصورتی سے سجا کالج، آنے جانے کی سہولت کے لئے ایک چھوٹی سی گاڑی جبکہ وہ خود بائیک استعمال کرتا تھا، کسی چیز کی کمی نہ ہونے کے باوجود وہ بہت زیادہ دولت اور امیری نے خواب دیکھتا تھا، غربت سے اسے چڑ تھی، انتہائی ذہین، خوبصورت اور ڈیشنگ سے حسیب احمد کی دوستی بھی امیر ترین گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں سے تھی، سیدھی سادی سی رافعیہ بیگم کو اپنے بیٹے کی فطرت اور مزاج کی گرمی ہولائے رکھتی اور وہ اکثر اس حوالے سے اپنے شوہر سے تبادلہ خیال کرتیں اس کی باتوں سے جن کی پریشانی دوچند ہو جاتی، تعلیم مکمل ہو جانے کے بعد اسے بارہا نوکری ملی لیکن اپنے گرم مزاج کے باعث جلد ہی اس سے ہاتھ دھونے پڑے۔

''رفیق صاحب میرا خیال ہے حسیب کی شادی کر دیتے ہیں، بیوی گھر آ گئی تو خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اری نیک بخت کیوں کسی کی بیٹی پر ظلم ڈھائے گی اور پھر کون دے گا اس کو اپنی بیٹی۔''

''آپ اس کی فکر مت کریں میں نے دیکھ لیا ہے رشتہ آپ راضی ہوں تو بات چلاؤں۔''

شکیلہ، رافعیہ بیگم کی دور پرے کی کزن تھیں بھرپور جوانی میں ہی بیوہ ہو کر غریب ماں باپ کے در پر لوٹ آئی، چند ماہ بعد ایک خوبصورت بچی کو جنم دیا، اس طبقے کی تو بن بیاہی بیٹیاں، ماں باپ کے در پر بیٹھی رہ جاتیں ہیں تو، چھوٹی سی عمر ہونے کے باوجود ایک بیوہ اور ایک بیٹی کی ماں کا رشتہ کون قبول کرتا، لہٰذا ماں باپ کے در پر ہی بالوں میں چاندی اتر آئی، غربت اور افلاس کے باعث بیٹی کو تعلیم بھی نہ دلوا سکی لیکن اس کی خوبصورتی کے چرچے دیان زرعام تھے وہ نہ صرف بے حد خوبصورت تھی بلکہ خوب سیرت بھی تھی، سگھڑ و سلیقہ شعار، نفاست پسند و با اخلاق، اگر کوئی کمی تھی تو صرف تعلیم کی علم کی لیکن اسے بلکہ کر اس سے مل کر کوئی ناں کہہ سکتا تھا کہ وہ غیر تعلیم یافتہ ہوگی، رافعیہ بیگم نے اسے خاندان کے کسی فنکشن میں دیکھا تھا اور اپنے خوبرو بیٹے کے لئے پسند کر لیا تھا، وہ ایسی ہی چاند سی دلہن کی متمنی تھیں اور پھر وہ اپنا دامن پھیلائے اس در تک چلیں آئیں جہاں کی اینٹ اینٹ سے غربت ٹپکتی تھی اور خود شکیلہ چارپائی سے لگی موت کی جاپ اپنی بصارتوں میں اترتی محسوس کر رہی تھی، اس نے بنا کسی پس و پیش کے فوراً ہامی بھر لی اور حسیب احمد جو کسی انتہائی غریب لڑکی سے شادی کا شدید ترین مخالف تھا اتنی خوبصورت بیوی پا کر دیوانہ ہو گیا، لیکن جب نئی نئی شادی کا خمار اترا تو اسے اس میں ڈھیروں خامیاں نظر آنے لگیں، اس کی غربت اور غیر تعلیم یافتہ ہونا اس کے لئے طعنہ بن گیا، لیکن انتہائی مہربان ساس سسر کا ساتھ اسے حوصلہ دیئے ہوئے تھا اور پھر جلد ہی اسے ماں بننے کی نوید ملی تو وہ مطمئن ہو گئی، لیکن حسیب احمد کو اس کا پھیلا ہوا بے ڈھب وجود بالکل پسند نہ تھا لیکن وہ ماں باپ کے سامنے بے بس و مجبور تھا، جلد ہی خدا نے اسے پیارے سے خوبصورت گول مٹول بیٹے کی ماں بنا دیا، تو گھر بھر میں خوشیاں اتر آئیں، وہ بھی بیٹے کو دیکھ کر تھوڑ

www.pkdigest.com

نرم ہو گیا لیکن ساتھ ہی آئندہ بچہ نہ پیدا کرنے کی شرط بھی باندھ دی اور زینت تو ابھی پہلی ہی جان لیوا تکلیف سے بخیر و خوبی نکل آنے پر شکر گزار تھی اتنی جلدی دوسری بار کا نہیں سوچ سکتی تھی، لہٰذا محض مسکرا کر رہ گئی، ان کے بیٹے شعیب نے ماں باپ دونوں کا روپ چرایا تھا، شرارت ذہانت اگر باپ سے وارثت میں ملی تو عقل و سمجھداری ماں کے دودھ کے ذریعے اس کی رگ رگ میں دوڑنے لگی، صبر و اخلاق ماں نے گھونٹ گھونٹ پلایا تو دادا دادی سے محنت کا سبق پڑھایا، لیکن دادا دادی کا ساتھ کچھ زیادہ عرصہ اس کے ساتھ نہ رہ سکا وہ پانچ سال کا تھا جب وہ دونوں اپنی گاڑی میں کسی عزیز کی عیادت کے لئے گھر سے نکلے تو لقمہ اجل نے رستے میں ہی آن دبوچا اور زینت کی دنیا صحیح معنوں میں اندھیر ہو گئی، حسیب احمد کو ماں باپ کا ڈر ختم ہو چکا تھا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا ہونے کی بنا پر وہ ہر نوکری کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا، فارغ بیٹھ کر کھانے سے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ اپنی فراغت و عیاشی کی وجہ سے سب کچھ ختم کر بیٹھا تھا اور اب زینت کی شامت آئی رہتی تھی غلط صحبت کا اثر یہ ہوا کہ کبھی کبھی شوقیہ کھیلا جانے والا جوا اور شراب اس کی عادت بن گئی، وہ کہاں سے پورا کرتی، زندگی کی گاڑی کھینچنے کے لئے سلائی کرنے لگی، اس کی ڈیمانڈ دن بہ دن بڑھ رہی تھیں، بری عادتوں نے اسے اتنا بے غیرت بنا دیا تھا کہ اب اسے بیوی کی عزت کا بھی خیال نہ رہا تھا اور وہ جو کچھ اس سے چاہتا تھا وہ مر کر بھی نہ کرنا چاہتی تھی کہ اسے اپنی عزت ہر چیز سے بڑھ کر تھی، لیکن اسے اس کی بالکل پروا نہ تھی اسے صرف پیسہ چاہیے تھا، شعیب آٹھ سال کا ہو چکا تھا، کھلکھلاتا ہوا با اعتماد بچہ سہم کر رہ گیا تھا، گھریلو حالات اور ماں باپ میں جاری کشمکش کے بیچ اس کا پھول سا چہرہ کملا کر رہ گیا تھا، اب اس گھر میں صرف بھوک ناچتی تھی، اپنے بچے کو دیکھ کر اس کا دل کٹتا تھا، کاش وہ پڑھی لکھی ہوتی تو وہ کوئی ملازمت کر کے اپنے بیٹے کو بہتر معیار زندگی فراہم کرتی لیکن وہ بے بس تھی مجبور تھی، سوائے گھر بیٹھ کر محنت مزدوری کرنے کے وہ کچھ نہ کر سکتی تھی، اس کا حسن اس کے لئے وبال جان بن گیا تھا، اتنی بھوک روز کی مار کٹائی بھی اس کی خوبصورتی میں رتی برابر فرق نہ لائی تھی، حسیب کا بڑھتا ہوا اصرار دیکھ کر اس کا جی چاہتا وہ اپنے چہرے پر تیزاب ڈال کر اس خوبصورتی کو بھسم کر دے، ابھی تکلیف بھرے دنوں میں اسے اپنے اندر پلتی ایک نئی زندگی کا انکشاف ہو تو کئی لمحے تک بالکل ساکت رہ گئی، لیکن اس امید پر کہ شاید اب ہی اس کے دل میں رحم آ جائے اسے بتایا تو اس نے سنتے ہی ایک طوفان برپا کر دیا اور پھر ابارشن سے اس کا انکار اس کے لئے ایک قیامت لے آیا اسے مار مار کر ادھ موا کرنے کے بعد بھی اس کے جنون میں کوئی فرق نہ آیا تو دھکے مار کر گھر سے نکال دیا، وہ چیخ رہا تھا چلا رہا تھا، شعیب کو ایک کمرے میں بند کر کے کنڈی لگا دی تھی، وہ اپنے بیٹے کے بغیر کہاں جاتی وہ تو گھر کو تالا لگا کر خود نکل گیا تھا، وہ روتی دھوتی خود کو سنبھالتی مکان کے پچھواڑے چلی آئی جہاں اس کمرے کی کھڑکی تھی جس میں مضبوط شیشے لگے تھے، شعیب دروازہ پیٹتا رو رو کر نڈھال ہو چکا تھا، اس نے آگے بڑھ کر شیشہ بجایا تو وہ چونک کر سیدھا ہوا، اس نے اسے اشارے سے بتایا کہ وہ اس شیشے کو کسی چیز سے توڑ کر باہر آ جائے، وہ تیزی سے اٹھا اور قریب رکھی کرسی کو پوری قوت سے کھڑکی میں دے مارا، چھناکے کی آواز سے شیشہ ٹوٹا تھا، وہ قریب آیا تو اس نے الماری میں سنبھال کر رکھے تھوڑے سے پیسے اور شاپر میں اس کے اور اپنے

کپڑے ڈالنے کا کہا وہ آٹھ سالا ماشاءاللہ سمجھدار بچہ تھا، تیزی سے ماں کے بتائے ہوئے پر عمل کیا کپڑوں کے ساتھ ساتھ اپنی کتابوں سے بھرا بیگ بھی اٹھا لیا، سب کچھ باہر پھینک کر خود بھی نکل آیا۔

اور وہ جو کہ سوچ رہا تھا کہ جب وہ واپس آئے گا تو وہ اسے روتی دھوتی یہیں کہیں آس پاس ملے گی اپنے بیٹے کے لئے اس کی منتیں کرے گی اور اس کی ہر بات مان لے گی، لیکن ان دونوں کو وہاں موجود نہ پا کر وہ ہاتھ ملتا رہ گیا، اس کے ہاتھوں میں تو پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی کہ وہ ان کے پیچھے جا سکتا اور پھر ذہانت اور تعلیم ہونے کے باوجود اس کی حد سے بڑھی ہوئی منفی سوچ اور بری صحبت اسے اس مقام تک لے آئی کہ اسے اپنے مکان سے بھی ہاتھ دھونے پڑے جوا اور نشہ اس کی رگ رگ میں لہو بن کر دوڑنے لگا تھا، جس کی وجہ سے ہزاروں کا قرضہ اور پیسوں کی عدم دستیابی سے وہ اپنے ہی جیسے ایک آدمی کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

زینت اپنے بیٹے کو لئے اپنے نانا کے اسی گھر آ گئی جہاں اس کی ماں نے اپنی زندگی کے دن پورے کیئے تھے، بوڑھا و بیمار نانا اپنی کمزوری ناتوانی کے باوجود ان کے سر پر سائبان بن گیا، یہاں اپنے لوگوں کی رحمدلی اور دلی کشادگی اس کے بہت کام آئی تھی اور ایک شام ایک خوبصورت سی بچی کو جنم دیا، اس نے بہت محبت سے اس کے نازک وجود کو بانہوں میں بھرا اور سینے سے لگا کر خود بے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کو بہترین تعلیم دلوائے گی کہ خالی خولی خوبصورتی یا خوبصورت زندگی کی ضمانت نہیں ہوتی۔

ولیمے کا انتظام شہر کے ایک بہت بڑے ہال میں کیا گیا تھا، ڈھیروں مہمان آ چکے تھے اور کچھ ابھی آ رہے تھے، سٹیج پر بیٹھی دلہن کسی ریاست کی ملکہ دکھائی دیتی تھی جس پر کل سے بھی زیادہ نکھار آیا تھا، آج تو اس کی سج دھج ہی نرالی مہمانوں کو ویلکم کہتے سعدان کی نظریں بار بار بھٹک کر سٹیج کی طرف اٹھ رہیں تھیں جہاں وہ دشمن جاں نظریں جھکائے شہلا سے محو گفتگو تھی جسے سعدان نے خاص طور پر انوائیٹ کیا تھا۔

''کہو کیسی گزری۔'' شہلا نے شرارت اور معنی خیزی سے مسکرا کر پوچھا۔

''کیا؟'' اس نے بالکل انجانے پن کا مظاہرہ کیا۔

''اب اتنی بھی انجان مت بنو، یہ بتاؤ دولہا بھائی کیسے ہیں؟''

''تمہیں نظر نہیں آتے۔''

''اب میں تمہاری نظر سے تو دیکھنے سے رہی۔'' وہ شرارت پر آمادہ تھی۔

''اب میں نے آنکھوں پر کوئی رنگین عینک تو نہیں لگا رکھی۔''

''اچھا اب زیادہ بنو مت اور بتاؤ کہ بظاہر یہ خوبصورت اور اسمارٹ سا بندہ اندر سے کیسا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''واٹ؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟'' جواباً اس نے اس ساری بات کہہ سنائی جسے سن کر وہ فوراً سیخ پا ہو گئی۔

''لعنت ہے تم پر بھی، دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔''

''تم نہیں سمجھو گی شہلا۔''

''میں سب سمجھتی ہوں رومی لیکن تم نہیں سمجھ رہی ہو، دیکھو اپنی بیوقوفیوں سے اپنا یہ آخری سہارا بھی نہ گنوا بیٹھنا۔''

''بھئی یہ کیا گھسر پھسر ہو رہی ہے ہمارے خلاف۔'' وہ نہ جانے کب سر پر آن پہنچا شہلا

www.pkdigest.com

ایکدم گڑبڑا گئی۔

''ارے دولہا بھائی میں.....''

''ہاں میں اس سے پوچھ رہی تھی کہ آپ نے اسے رونمائی میں کیا تحفہ دیا ہے۔'' اس نے بروقت بات بنائی جو وہ بڑی دیر سے پوچھنا چاہ رہی تھی اور اس کی بیوقوفیوں کی داستان سن کر باقی سب بھول گئی تھی۔

''رونمائی ہوتی تو تحفہ بھی دیا جاتا۔'' وہ سر جھکائے بیٹھی رمیہہ کو دیکھ کر محض سوچ کر رہ گیا تھا، اسی لمحے بھائی جان نے اسے آواز دی تھی وہ ''ایکسکیوزمی'' کہتا پلٹ گیا۔

''بیوقوف قدر گر ہیرے کی، اس کی آنکھوں میں شکوہ صاف پڑھا ہے میں نے۔''

''اچھا اب زیادہ بی اماں نہ بنو۔'' وہ چڑ گئی۔

''خدا ہی تمہارے حال پر رحم کرے۔'' وہ گہری سانس لیتی ہوئی بولی۔

پھر آہستہ آہستہ گھر کے ہنگامے کم ہونے لگے اور اسے گھر اور گھر والوں کی پہچان ہونے لگی، گھر ڈبل اسٹوری تھا، گھر کے اوپر والے پورشن کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، بڑے سے ڈرائنگ روم کے چاروں طرف کمرے تھے اور یہی سے دائیں بائیں سے دو سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں، آمنے سامنے کے یہ دونوں پورشن بالکل ایک جیسے تعمیر کیے گئے تھے، ایک پورشن اگر اس کے حصے میں آیا تھا تو دوسرے میں بھابھی اپنے شوہر اور دو بچوں کے ساتھ مقیم تھیں، جبکہ نیچے والے حصے میں اس کی دونوں نندیں آنسہ اور صبا ایک دیور عثمان اور امی جان یعنی ساس ایک شفیق ماں اور محبت کرنے والی ساس تھیں، آنسہ تھرڈ ائیر اور صبا سیکنڈ ائیر کی طالبات تھیں، جبکہ عثمان میڈیکل کا اسٹوڈنٹ تھا، اس کا گھر میں ہونا یہ نہ ہونا برابر تھا، وہ سارے گھر میں ''کتابی کیڑا'' کے نام سے مشہور تھا۔

گھر میں پیسے کی ریل پیل ہونے کے باوجود یہاں نوکروں کی بھرمار نہ تھی امی جان کو عورتوں کے ہوتے گھر کو نوکروں کے حوالے کرنا سخت برا لگتا تھا، ایک چوکیدار ایک مالی بابا، برتن دھونے اور گھر کی صفائی کے لئے ایک ماسی آتی تھی جس کے ساتھ مل کر گھر کی صفائی کرانا بھابھی کی ذمہ داری تھی، صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا بھی وہی بناتیں جبکہ رات کا کھانا دونوں بہنیں مل کر تیار کرتیں، ناشتے اور لنچ میں امی جان بھابھی کی مدد کر دیا کرتیں تھیں اور دیگر چھوٹے موٹے ڈھیروں کام بھی چلتے پھرتے نمٹا دیا کرتیں۔

اور اب تو وہ ان سیدھے سادھے پرخلوص لوگوں میں ایڈجسٹ ہو گئی تھی اور دھیرے دھیرے بالکل غیر محسوس طریقے سے بھابھی کا ہاتھ بٹا دیا کرتی، اس کی فارغ نہ بیٹھنے کی عادت کو دیکھتے ہوئے جلد ہی امی جان نے اس کا ہاتھ میٹھے میں ڈلوا دیا تھا اس نے اپنی نرم طبیعت اور اچھی عادتوں کے باعث جلد ہی سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا، لاتعلق تھی تو صرف سعدان حسن سے وہ اس کی اس لاتعلقی پر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا، وہ اس سے لاتعلق ضرور تھی لیکن بے نیاز نہیں تھی، وہ اس کا ہر کام پابندی سے کرتی، کپڑے استری کرنا، جوتے پالش، کپڑوں کی دھلائی سے لے کر وارڈ روب کی درستگی تک اگر ایک دن اس کی شرٹ کا بٹن ٹوٹا ہوتا تو اگلے دن وہ اسے لگا ہوا ملتا، حتیٰ کہ گرم دودھ صبح شام اسے وقت پر ٹیبل پر رکھا ملتا، نجانے وہ یہ سب کس وقت کر کے غائب ہو جاتی تھی۔

وہ اس کے آفس جانے سے پہلے نیچے آ کر ناشتہ تیار کرتی کہ یہ ذمہ داری اب اس نے اپنے سر لے لی تھی، اس گھر کا اصول تھا کہ ناشتہ سب

اکٹھے کرتے تھے کہ ایک ہی وقت میں سب کو گھر سے نکلنا ہوتا تھا، رات کا کھانا البتہ ثناء بھابھی اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ اپنے کمرے میں کھاتیں، شروع شروع کے دنوں میں تو وہ نیچے ان سب کے ساتھ ہی کھانا کھا لیا کرتی، لیکن پھر ایک دن امی جان نے اسے اپنے قریب بلا کر بیٹھنے کو کہا۔

''دلہن ایک بات کہوں اگر برا نا مانو تو۔''

''کیسی بات کر رہی ہیں امی جان، آپ حکم کریں۔''

''دیکھو دلہن اگر میاں بیوی ایک وقت کا کھانا مل کر کھا لیا کریں تو میرا خیال ہے کوئی مضائقہ نہیں۔'' امی جان کی رسانیت سے کہی بات کو سمجھتے ہوئے وہ شرمندہ سی ہو گئی، لیکن اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ وہ تو ان کے سامنے جانے سے ہی گھبراتی ہے تو ساتھ بیٹھ کر کھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن پھر اتنا ضرور ہوا کہ وہ کھانا اس کے آنے کے بعد کھاتی تھی، وہ شام کو پانچ اور سات کے درمیان آ جایا کرتا تھا، اس وقت وہ کچن میں ہوتی یا پھر اپنے اس کمرے میں جہاں سعدان نے پہلی رات گزاری اور اگر کبھی امی کو پتہ چل جاتا کہ سعدان آفس سے آ گیا ہے اور وہ کچن میں ہے تو وہ فوراً اسے کچن سے باہر نکال دیتیں۔

''جاؤ اس وقت سعدی کو تمہاری ضرورت ہے بیٹا۔'' وہ کھانے کی ٹرے سجائے کمرے میں چلی آتی کہ وہ دوپہر کو ہلکے پھلکے اسنیکس پر ہی گزارہ کرتا تھا اور رات کا کھانا جلدی کھا لیا کرتا تھا نا صرف وہ بلکہ گھر کے سبھی افراد مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں کھانا کھا لیا کرتے تھے، وہ کھانے کی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر اس کے ہاتھ روم سے نکلنے سے پہلے اپنے کمرے میں بند ہو جاتی۔

موسم کی تبدیلی کے باعث فضا میں ہلکی سی خنکی در آئی تھی، شام کو یہ خنکی اچھی خاصی سردی میں تبدیل ہونے کی وجہ سے راتیں بھی لمبی ہو گئی تھیں، وہ ہمیشہ شام سات بجے تک گھر میں موجود ہوتا تھا، لیکن آج ابھی تک نہ آیا تھا، لیکن اس نے زیادہ نوٹس اس لئے نہ لیا کہ کوئی ضروری کام ہو گا، مگر جب گھڑی نے آٹھ بجائے تو اسے تشویش نے آن گھیرا اور اس وقت یہ تشویش پریشانی میں ڈھل گئی جب گھڑی کی سوئی نو کے ہندسے کو بھی کراس کرنے لگی، وہ گھبرا کر نیچے چلی آئی کیونکہ وہ اکثر آنے کے بعد نیچے بھی بیٹھا رہتا تھا، لیکن نیچے بھی سوائے امی جان کے کوئی نہ تھا۔

''کیا بات ہے دلہن کچھ پریشان ہو۔''

''امی جان وہ ابھی تک نہیں آئے۔'' اس کا لہجہ و انداز حد درجہ پریشانی سمیٹے ہوئے تھا۔

''کوئی بات نہیں دلہن پریشان نہ ہو، وہ کہہ گیا تھا آج اس کی کوئی میٹنگ ہے دیر ہو جائے گی، آ جائے گا دس بجے تک جاؤ تم سو جاؤ جا کر۔'' امی جان نے اپنے تخت پوش سے اترتے ہوئے کہا، وہ کمرے میں آ کر لیٹ تو گئی لیکن اسے نیند نہ آئی، وہ کافی دیر یونہی لیٹی رہی لیکن چین نہ آیا تو نیچے آ کر صوفے پر بیٹھ گئی، دس بج چکے تھے لیکن وہ نہیں آیا تھا، اب تو انتظار کی بھی حد ہو چکی تھی، اس سے رہا نہ گیا تو ٹیلی فون کے پاس آن کھڑی ہوئی تذبذب کے عالم میں کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر ریسیور اٹھایا، لیکن چند لمحوں بعد بنا نمبر ملائے واپس رکھ دیا اور پریشانی سے لاؤنج میں چکر لگانے لگی، کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا تو ساڑھے دس ہو چکے تھے اور اس کی برداشت ختم ہو گئی تھی وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھی اور فیصلہ کن انداز میں ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگی۔

''ہیلو سعدان انٹرپرائزز۔'' دوسری طرف

www.pkdigest.com

سے نسوانی آواز نے مطلع کیا۔

''جی کیا آپ کے صاحب آفس میں تشریف رکھتے ہیں۔'' اس نے لہجے کی بے چینی کو چھپانے کی ناکام سی کوشش کی۔

''جی ہاں میڈم وہ ایک اہم میٹنگ اٹینڈ کر رہے ہیں۔'' دوسری طرف ریسپشنسٹ شاید مسکرائی تھی۔

''اچھا آ..... کب تک فارغ ہوں گے۔'' اس نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے سوال کیا۔

''جی بس اب تھوڑی دیر لگے گی۔''

''اوکے تھینک یو لیکن پلیز انہیں اس فون کی اطلاع مت دیجئے گا۔''

''جی بہت بہتر۔'' اب کی بار آواز میں مسکراہٹ کی آمیزش بہت واضح تھی، اس نے اطمینان سے ریسیور رکھا اور وہیں نیم دراز ہوتے ہوئے آنکھیں موند لیں، یہ ٹینشن ریلیز کرنے کا بہترین طریقہ تھا، لیکن پھر اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

وہ اپنے ہی دھیان میں اندر آیا تھا اور اسے صوفے پر سوتا دیکھ کر بے اختیار کھنچا چلا آیا، ریشمی بالوں کی لٹیں چٹیا میں سے نکل کر چہرے کے اردگرد بکھری تھیں وہ بلا ارادہ دوزانو بیٹھ گیا، وہ بہت تھکا ہوا آیا تھا اور سوچا تھا سیدھا اپنے کمرے میں جا کر کپڑے بدلتے ہی سو جائے گا، لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی اس ظالم لڑکی کا چہرہ دیکھتے ہی ساری تھکن ایک پل میں کہیں غائب ہو گئی تھی، وہ اس کی بیوی تھی اور وہ اس پر پورا حق رکھتا تھا، لیکن وہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے رشتوں پر اعتماد سے عاری اس نازک سی لڑکی کو کوئی دکھ پہنچے، اس لئے اب تک کے اس کے رویے کو دیکھتے ہوئے وہ دانستہ اس سے انجان بنا رہا تھا، لیکن اب.....

اس نے ہاتھ بڑھا کر بکھری لٹوں کو سمیٹا اور سلکی بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلائیں اور اس سے پہلے کہ وہ خود پر سے اختیار کھوتا ہوا مزید کسی گستاخی کا مرتکب ہوتا وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور وہ اس کے اس طرح اٹھنے پر گڑبڑا کر پیچھے ہٹا، نظروں کے تصادم پر دل دھڑک اٹھے اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا وہ وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی وہ بھی تیزی سے اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ اس سے پہلے اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی، اس نے ایک ہاتھ کا مکا بنا کر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارا۔

''بیٹا رات کس وقت آئے تھے؟'' ناشتے پر امی جان نے پوچھا۔

''امی میٹنگ تھی اس لئے کافی دیر ہو گئی۔''

''کیا دلہن کو بتا کر نہیں گئے تھے اتنی پریشان تھی۔'' امی کے کہنے پر اس نے رمیہہ کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر رات کا واقعہ یاد کر کے سرخی دوڑ گئی تھی اور اب نظریں جھکائے خود کو مصروف ظاہر کرنے کی کوشش میں تھی۔

''وہ بس جلدی میں یاد نہیں رہا۔'' اس نے چائے کا کپ ہونٹوں سے ہٹا کر بات بناتے ہوئے کہا۔

''امی جان کیا آفس فون آپ نے کیا تھا۔'' وہ شاید جتانا چاہ رہا تھا کہ ملازم ہمارے ہی تو حکم بھی ہمارا ہی مانتے ہیں۔

''نہیں میں نے تو نہیں کیا، ہاں ہو سکتا ہے دلہن نے کیا ہو، کیوں دلہن تم نے کیا تھا فون۔''

''جی ..... جج..... جی ہاں۔'' وہ اقرار کرتے ہوئے جھجک گئی اور اس نے ہونٹوں کی مسکراہٹ چھپانے کے لئے دوبارہ کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

''ارے واہ بھابھی، آپ تو اس طرح شرما رہی ہیں جیسے بھائی آپ کے شوہر نہیں منگیتر ہوں۔'' آنسہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی حرام ہے مجھ پر وہ وقت جو میں نے انہیں کبھی ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے دیکھا ہو۔'' صبا نے بھی گفتگو میں حصہ لینا اپنا حق سمجھا۔

''بھابھی کیا بات ہے ہمارے بھائی پسند نہیں آئے۔'' آنسہ نے برابر بیٹھی رمیہہ کے کان میں سرگوشی کی اور وہ محض اسے گھور کر رہ گئی۔

''چلو بھئی چلو کافی دیر ہو گئی۔'' سعدان نے ایک دم ہی جلدی مچائی کہ وہ آفس جانے سے پہلے ان دونوں کو کالج ڈراپ کرتا تھا جبکہ عثمان کے پاس اپنی بائیک تھی۔

''رمیہہ!''

''جی بھابھی۔''

''کیا بات ہے؟''

''جی کون سی؟''

''کیا تم دونوں بیوقوف سمجھتے ہو ہمیں۔''

''کی کیا مطلب؟'' وہ دونوں اس وقت تمام کاموں سے فارغ ہو کر لان میں اپنے اپنے سوئٹرز لئے بیٹھی تھیں بھابھی تو اپنے پانچ سالہ بیٹے وقاص کا سویٹر بن رہی تھیں جبکہ وہ سعدان کا اور وہ واقعی نہیں سمجھی تھی کہ بھابھی کس بات کا ذکر کر رہیں ہیں۔

''بالکل بھی احساس نہیں ہوتا کہ اس گھر میں ایک نو بیاہتا جوڑا بھی رہتا ہے نہ چوڑیوں کی کھنک نہ قہقہے نہ وہ شوخیاں۔''

''کیسی باتیں کرتیں ہیں بھابھی آپ جوان بچے رہتے ہیں گھر میں، اب ہم ان کے سامنے یہ سب کرتے اچھے تو نہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ بات مناسب بھی نہیں، ہمیں کبھی کسی بھی دور میں اپنی حدود، اقدار و روایات کو نہیں بھولنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے میں مانتی ہوں تمہاری بات اور ہم نے بھی اس بات کا ہمیشہ بہت خیال رکھا، لیکن یہ تم دونوں کا ایک دوسرے سے بالکل اجنبی رویہ اب تو بچے بھی محسوس کرنے لگے ہیں اور اگر امی جان کچھ کہتی نہیں ہیں تو تمہارا کیا خیال ہے، وہ کچھ محسوس بھی نہیں کر رہیں، تم دونوں اپنی یہ غلط فہمی دور کرو کہ اس گھر کے لوگ آنکھیں اور ذہین بند کئے بیٹھے ہیں۔'' بھابھی بہت دھیرے دھیرے رسانیت سے بولتیں اسے پریشان کر گئیں۔

''مجھے بتاؤ، مسئلہ کیا ہے، کیوں تم دونوں کے درمیان کھڑی اجنبیت کی دیوار گر نہیں پائی ابھی تک چار ماہ ہو گئے ہیں تمہاری شادی کو اور تم دونوں اس طرح ایک دوسرے سے چھپے پھرتے ہو جیسے نامحرم ہو، شادی کے بعد مرد تو جلد ہی گھر آنے کا بہانے ڈھونڈتا ہے لاکھوں بکھیڑوں کے بعد بھی گھر کھنچا چلا آتا ہے، جبکہ بھی نہ لیٹ ہونے والا سعدان اب اکثر دیر سے گھر آتا ہے، کیوں؟'' بھابھی کی باتوں پر وہ جو لب بھینچے بیٹھی تھی اب اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''رونے سے مسائل حل نہیں ہوتے رمیہہ، مجھے بتاؤ کیا بات ہے اگر میں تمہاری مدد نہ کر سکی تو اچھا مشورہ تو دے سکتی ہوں۔'' اس نے انگلیوں کی پوروں سے ہاتھ پونچھے اور دھیرے دھیرے انہیں سب کچھ بتا دیا، جسے سن کر بھابھی گہری سانس لے کر رہ گئیں انہیں اب حقیقتاً غصہ آیا تھا۔

''تم نے تو بیوقوفی کی ہی تھی، لیکن سعدان سے مجھے ایسی بیوقوفی کی توقع ہرگز نہ تھی، لیکن مجھے لگتا ہے کہ وہ تمہارے رویے سے خاصہ ہرٹ ہوا ہے، اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ تم خود پیش قدمی کرو۔''

''بھابھی میں؟'' اس کے تو چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''کیوں؟ شوہر ہے وہ تمہارا۔''

''لیکن بھابھی میں۔'' اس کے چہرے پر

www.pkdigest.com

ایک دم ہی سرخی چھا گئی۔

''دیکھو رمیہہ، یہ جو مرد ہوتا ہے نا یہ صرف اپنی غرض سے مطلب ہے اسے، میں اسے خود غرض نہیں کہہ رہی ہوں یہ صرف فطری جبلت ہے اس کی جب وہ گھر آتا ہے اس کے سارا دن کے تھکے ماندے وجود و ذہن کو آرام و سکون کی ضرورت ہوتی ہے جو ایک شادی شدہ مرد کو صرف اس کی بیوی دے سکتی ہے اور اگر اسے یہ سکون گھر میں نا ملے تو وہ یہ سکون باہر تلاش کرنے لگتا ہے۔''

''تو پھر بھابھی اب آپ ہی بتایئے ناں کہ میں کیا کروں۔''

''ہمت کرو ہمت۔'' پھر وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھانے لگیں تھیں، کہ وہ بس یہی کر سکتی تھیں لیکن وہ یہ سب کرنے کی ہمت خود میں کہاں سے لاتی کہ اس کے تو اس کے سامنے جاتے ہی پسینے چھوٹ جاتے تھے، کئی دن تو اس نے سوچتے اور خود میں ہمت پیدا کرتے ہی ضائع کر دیئے تھے اور اس کا تو اب معمول بن گیا تھا روزانہ بہت دیر سے آنا، بھابھی کی باتیں یاد کر کے دل ہولتا تھا اس کا۔

''جب مرد کو گھر میں سکون نہ ملے تو وہ باہر تلاش کرتا ہے۔''

''تو کیا وہ اپنا سکون باہر تلاش کر چکے ہیں؟''

وہ کتنی دیر سے وارڈ روب کے سامنے کھڑی تھی، آخر کار لائٹ پرپل سوٹ جس پر بلیک موتیوں سے کام کیا گیا تھا کھنچا اور باتھ روم میں گھس گئی، وہ آج اس کے آنے سے پہلے خود کو بھی خوبصورت لگنا چاہتی تھی، یہ کلر ویسے بھی اس پر بہت سوٹ کرتا تھا، لائٹ میک اپ اور ہم رنگ جیولری پہن کر گیلے بالوں میں برش پھیر کر یونہی کھلا چھوڑ دیا اور اب اس کے انتظار میں ٹیرس میں نکل آئی لیکن وہاں اچھی خاصی سردی تھی اس لئے دوبارہ کمرے میں چلی آئی اور بیڈ پر بیٹھ کر میگزین دیکھنے لگی، لیکن وقت تھا کہ گزرنے کا نام ہی نہ لیتا تھا، ٹی وی لاؤنج میں تھا اور کمپیوٹر اسٹڈی روم میں کو اپنے بیڈ روم میں اس قسم کی فراغات بالکل بھی پسند نہ تھیں، تقریباً دس بجے گیٹ پر ہارن ہوا تھا، اس کا دل بہت تیزی سے دھڑکا وہ جلدی سے کھڑکی میں چلی آئی، اسے خود کو قابو کرنے میں کئی لمحے لگے تھے۔

وہ اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر چونکا تھا لیکن اگلے ہی لمحے اسے نظر انداز کرتا ہوا اپنا بریف کیس الماری میں رکھا اور صوفے پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا اور پھر صوفے کی پشت سے سر ٹیک کر آنکھیں موند لیں۔

''السلام وعلیکم!'' جھجکتی ہوئی آواز سماعتوں میں اتری تو اس نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر اس جانب دیکھا لیکن قریب کھڑی رمیہہ کی سج دھج دیکھ دل بے ایمان ہونے لگا تو دوبارہ آنکھیں موند لیں۔

''کیا ابھی کچھ ستم باقی ہے جو مزید کیل کانٹے سے بس میرے مقابل چلی آئی ہو۔'' اس نے الجھ کر سوچا۔

''آ..... آپ ناراض ہیں مجھ سے۔'' وہ ایک دم چونک کر سیدھا ہوا تھا اور اب دھیرے سے اس کے مقابل کھڑا اسے بھرپور نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس قدر توجہ اور قربت اس کے چھکے چھڑا گئی عارض پر جھکی لمبی گھنی لرزتی پلکیں، پنکھڑی سے لبوں کو مچلتی ہاتھوں کو مسلتی بے اختیار تھوڑا سا پیچھے کو سرکی تھی، اس لمحے اگر وہ ایک پل کو بھی پلکیں اٹھا کر اس کے چہرے پر چھائے والہانہ تاثر کو دیکھ لیتی تو یقیناً بے ہوش ہو کر گر جاتی، لیکن جب وہ بولا تو۔

''لہجہ خاصا اکھڑا اکھڑا تھا، کہ..... کھانا کھائیں گے۔''

''جی نہیں کھا چکا ہوں۔'' بظاہر اس کی بدلحاظی عروج پر تھی لہٰذا فوراً رخ پلٹ گیا کہ مزید ضبط کا یارا نہ تھا۔

''چائے لاؤں۔''

''ضرورت نہیں۔'' سخت لہجے میں کہتا صوفے پر ڈھے گیا اور دونوں ہاتھوں سے سر دبانے لگا۔

''آپ کے سر میں درد ہے؟'' وہ بڑے حوصلے سے ہمت کا دامن تھامے کھڑی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے جائیں آپ یہاں سے۔'' اسے لگا اگر وہ مزید کچھ دیر وہاں کھڑی رہی تھی اس کے حسن کا جادو اس پر چل جائے گا اس لئے خاصے تیز اور جھنجھلائے ہوئے سرد لہجے میں کہتا وہ شاید اپنے اندر کے طوفان کو دبانا چاہتا تھا اور اس کا ضبط بس یہی تک تھا، توہین اور اذیت کا احساس لئے باہر بھاگی تھی۔

لیکن کچھ دیر بعد جب وہ فریش ہو کر کپڑے بدلنے کے بعد ابھی لیٹا ہی تھا کہ وہ ایک بار پھر اس کے سر پر کھڑی تھی۔

''دودھ پی لیجئے۔'' اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں وہ دودھ کا گلاس لئے کھڑی، نجانے کیوں وہ جب بھی اس کی طرف دیکھتا تھا اسے لگتا جیسے اس کا حسن پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہو دل پر ضبط کے کڑے پہرے بٹھاتے ہوئے وہ سیدھا ہو بیٹھا تو اس نے دودھ کا گلاس بڑھانے کی بجائے دوسرا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا جس کی گلابی ہتھیلی پر دو پین کلر ٹیبلٹ رکھیں تھیں، اس نے گہری سانس لیتے ہوئے گولیاں اٹھا کر منہ میں رکھیں اور دودھ کا گلاس منہ لگا کر ایک ہی سانس میں خالی کر گیا گلاس دوبارہ اسے تھمانے کی بجائے سائیڈ ٹیبل پر پٹخنے کے انداز میں رکھا اور دوبارہ پہلے والی پوزیشن میں لیٹ گیا، وہ چند لمحے کھڑی اسے دیکھتی رہی اور پھر بہت ہمت کر کے اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا بازو ہٹایا اور اپنا ٹھنڈا یخ ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ کر دبانے لگی، ایک پل میں سعدان کو لگا جیسے وہ کسی صحرا میں چلتے چلتے اچانک ہی سایہ دار شجر تلے آ گیا ہو، اس کے دماغ میں اترتی ٹھنڈک اسے اندر تک پرسکون کر گئی اس لئے وہ بے حس و حرکت اس طرح لیٹا تھا جیسے اسے کسی خوبصورت خواب کے ٹوٹ جانے کا خدشہ ہو۔

جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ سو چکا ہے تو وہ دلگرفتہ سی آہستگی سے اس کے قریب سے اٹھی چند لمحے اسے دیکھتی رہی اور پھر باہر نکلنے سے پہلے دھیرے سے دروازہ بند کیا اور اپنے کمرے کا دروازہ بند کیئے بنا پردے کے پیچھے گم ہو گئی، اس کے کمرے سے نکلتے ہی وہ اٹھ بیٹھا تھا گہری اور شوخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رقصاں تھی۔

''اب میری باری ہے جان من، تم نے بھی مجھے بہت تڑپایا ہے اب ذرا خود اس تڑپ کا مزا چکھو۔'' وہ شرارت سے سوچتا کمبل منہ تک اوڑھتا دوبارہ لیٹ گیا۔

دوسرے دن اسے مہم سے آس تھی کہ شاید وہ جلدی لوٹ آئے لیکن آس تو ہولی ہی ٹوٹنے کے لئے لہٰذا اگلے کئی ہفتوں تک اس کی روٹین میں کوئی فرق نہ آیا، دل میں ڈھیروں وسوسے اور خدشے کنڈلی مارے اسے ڈستے رہتے، کئی بار تو اس کا انتظار کرتے کرتے سو جاتی لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا، وہ لاؤنج میں بیٹھی اس کا انتظار کرتی رہتی اور جب وہ آتا تو کھانا گرم کر کے کمرے میں لے آتی، دودھ گرم کر کے تھرمس میں ڈال کر رکھ دیتی، لیکن اب وہ اپنی انا تو اس کے قدموں میں رلنے کے لئے نہیں چھوڑ سکتی تھی، اس کی بے نیازی و لاتعلقی اسے رلاتی تھی۔

دونوں کمروں کا درمیانی دروازہ اب ہمیشہ

www.pkdigest.com

''وہ یہ کہ اب تو دیور جی کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی، اب تو اس کے آنے کا پتہ چلتا ہے اور نا ں جانے کا، ورنہ جانتی ہو رمیہہ پہلے کیا ہوتا تھا۔'' رمیہہ کی آنکھیں سوالیہ نشان بن گئیں۔

''یہ سارے گھر میں اچھلتا پھرتا تھا، آنسہ میرے کپڑے استری کر دو، صبا میرے جوتے پالش نہیں ہوئے ابھی تک اور میرے کمرے میں تو صبح کے بیس چکر لگتے تھے، بھابھی میرے شوز نہیں مل رہے، بھابھی میری فلاں پینٹ کہاں ہے، میری فلاں شرٹ کہاں رکھی ہے، میری ٹائی نہیں مل رہی کدھر رکھی ہے، اُف گھما کر رکھ دیتا تھا سب کو اور معلوم ہے تمہارے بھائی کیا کہتے تھے۔'' وہ ایک بار پھر سرتاپا سوالیہ نشان بن گئی۔

''بیگم لگتا ہے تمہیں اس گھر میں میرے لئے نہیں اپنے دیور کے لئے لایا گیا ہے۔'' ان کے بتانے پر سب کے قہقہے پھوٹ پڑے، جس میں اس کی مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ سعدان کی ہنسی بھی شامل تھی۔

''اور ایک یہ ہے۔'' انہوں نے عثمان کی طرف اشارہ کیا۔

''کتابی کیڑا، نہ پتہ گھر میں ہے نہ معلوم گھر سے باہر، ہر وقت کتابوں میں ہی گھسا رہتا ہے، نہ کوئی فنکشن اٹینڈ کرتا ہے نہ کہیں آنا جانا بس یہ اور اس کی کتابیں۔''

''بھابھی آپ تو ہر وقت بس میری پڑھائی کے پیچھے ہی پڑی رہتی ہیں، لیکن ایک دن آپ بھی بڑے فخر سے کہا کرینگے کہ میرا دیور اس ملک کا سب سے بڑا سائنسدان ہے۔'' عثمان نے فخر سے گردتان کر کہا، تو امی جان نے بے اختیار انشا اللہ کہا۔

''بھئی میں تمہاری پڑھائی کی دشمن نہیں ہوں، لیکن انسان کو نارمل رہنا چاہیے، زندگی کی تمام ایکٹیوٹیز میں حصہ لینا چاہیے۔''

''اچھا اس پرابلم کو پھر کبھی سولو کرینگے ابھی اجازت دیں خدا حافظ۔'' وہ یہ کہتا ہوا کتابیں اٹھا کر رفو چکر ہو گیا۔

''توبہ ہے اس سے تو کتابیں بھی پناہ مانگتی ہوں اس کی تو بیوی بھی اس کے التفات کے لئے ترستی رہ جایا کریگی، لیکن خیر یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے کسی سے کیا کہنا ہے۔'' بھابھی اب اکثر اسے کن اکھیوں سے دیکھتی تھکے چھپے طنز کر جایا کرتیں تھیں، جنہیں سن کر وہ خاموشی میں ہی عافیت سمجھتا تھا جبکہ بھابھی کی بات پر آنسہ اور صبا ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

''بیٹا اب تمہاری طبیعت کیسی ہے۔'' امی جان نے شفقت بھری آواز پوچھا۔

''کیوں کیا ہوا بھائی جان کو؟'' آنسہ نے فوراً گھبرا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا بھئی، بس کل ذرا طبیعت خراب تھی لیکن امی آپ فکر نہ کریں اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اس نے سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا حالانکہ اس کا آفس جانے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا، لیکن گھر میں رہ کر بھی وہ کیا کرتا اس دشمن جاں کے ظلم ہی سہنے اس سے بہتر تھا کہ آفس ہی چلا جاتا۔

''مگر لگ تو نہیں رہے ہو ٹھیک، بیٹا شکل پر تو دیکھو بارہ بج رہے ہیں تم بتاؤ دلہن اب کیسی طبیعت ہے اس کی، لیکن تم کیا بتاؤ گی، تمہاری شکل تو اس سے بھی زیادہ بیمار لگ رہی ہے۔'' امی جان نے دونوں کی طرف دیکھ کر مایوسی سے کہا۔

''چلو بھئی ہری اپ، اچھا امی خدا حافظ۔''

''بیٹا رات کو جلدی آ جایا کرو دلہن پریشان رہتی ہے۔''

''جی اچھا امی کوشش کرونگا۔'' اس نے بے اختیار نظر اس پر ڈالی تھی، وہ کہہ تو گیا تھا کہ کوشش کرے گا لیکن شاید وہ پھر بھول گیا تھا۔

''کہو کچھ بات بنی یا نہیں۔'' بھابھی نے سرگوشی میں پوچھا وہ اب لان میں بیٹھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں، ان کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''بھئی کب تک چلے گا یہ سب۔'' وہ جھنجھلائیں۔

''مجھے کیا معلوم بھابھی، میں تو اپنی ساری کوششیں کر بیٹھی نجانے کیا دل میں ٹھانے بیٹھے ہیں۔''

''کہو تو میں بات کروں سعدی سے۔''

''جی، کیا بات کریں گی آپ۔'' وہ ایک دم گھبرا گئی۔

''پتہ ہے امی کتنی پریشان ہیں۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئی اس کے کیوں پر وہ اسے گھورنے لگیں تو وہ نظر چرا گئی۔

''خوشخبری سننا چاہتیں ہیں وہ اور تم دونوں ہو اپنی اپنی انا لئے پھرتے ہو۔''

''بھابھی!'' وہ شرما گئی۔

''اگر یونہی شرماتی رہیں نہ تو کچھ نہیں ہونے کا۔''

''تو کیا کروں میں۔''

''اپنے حسن کے سحر میں گرفتار کر لو اسے، ان زلفوں کی زنجیروں میں جکڑ لو اسے۔'' بھابھی نے اسے کھلے بالوں کو پکڑتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر سرخیاں دوڑنے لگی۔

''پھر تم نے بتایا نہیں کروں سعدی سے بات۔'' تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد وہ پھر بولیں۔

''کیا کہیں گی آپ؟''

''کہوں گی امی خوشخبری سننا چاہتی ہیں۔''

''رہنے دیں آپ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' اس نے شرما کر منہ بناتے ہوئے کہا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری یہ شرم و حیا۔'' بھابھی یہ کہہ اون سلائیاں سنبھالتی اٹھ گئیں۔

امی کے کہنے کے باوجود بھی آج تو اس نے دیر سے آنے کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے تھے، دس نو وہ ہر روز ہی بجا دیتا تھا، لیکن آج تو ساڑھے گیارہ ہو گئے تھے اور اس کا دور دور تک کہیں پتہ نہ تھا۔

''نجانے کہاں رہ گئے۔'' وہ نیچے آ گئی سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

''شاید کام زیادہ ہو گیا ہو۔'' اس نے سوچ کر دل کو تسلی دی اور کمرے میں آ کر کتاب کا مطالعہ کرنے لگی، وہ چونکی تو اس وقت جب گھڑی ایک کا گھنٹہ بجایا، وہ کتاب رکھ کر اٹھی اس کے کمرے میں آ کر کھڑکی کھول دی یہاں سے گیٹ صاف نظر آتا تھا، گیٹ پر چوکیدار مستعدی سے اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا، وہ جلدی سے نیچے لان میں آ گئی۔

''کیا بات ہے بی بی صاحب۔'' چوکیدار بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔

''ہاں آں، وہ تمہارے صاحب نہیں آئے ابھی تک۔'' اس نے پریشانی سے کہا، جبکہ نظریں مسلسل گیٹ پر جمی تھیں۔

''کوئی بات نہیں بی بی صاحب، آپ اندر جائیں یہاں سردی بہت ہے صاحب آ جائے گا۔'' چوکیدار نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا وہ اوپر تو آ گئی، لیکن اسے چین نہیں آ رہا تھا۔

''خدا خیر کرے پتہ نہیں کیوں نہیں آئے ابھی تک، طبیعت بھی تو ٹھیک نہیں تھی ان کی۔'' کوریڈور میں رکھا فون اٹھا کر وہ کمرے میں لے آئی اور تیزی سے نمبر پریس کرنے لگی۔

''ہیلو۔'' آواز میں بے چینی بہت واضح تھی۔

''ہے لو۔'' دوسری طرف شاید آفس کا چوکیدار تھا۔

www.pkdigest.com

بھابھی تو شاید بھری بیٹھی تھیں لڑنے مرنے پر تیار تھیں۔

"ہاں بیٹا اپنا نہیں تو دلہن کا ہی خیال کر لیا کرو، بہت پریشان رہتی ہے وہ۔"

"ہونہہ پریشان۔" اس نے تمسخرانہ انداز میں سوچنا چاہا لیکن شاید اس کا دل و دماغ تو رمیہہ کے قابو میں تھا، کہ اس کے خلاف کچھ بھی سننا نہ چاہتا تھا، وہ اس کے بارے میں سوچنا نہ بھی چاہتا تو وہ ہر جگہ ہر وقت اس کے ساتھ ہوتی تھی۔

"بیٹا اگر تم سمجھ رہے ہو کہ میں تم دونوں کے درمیان حائل خلیج کو سمجھ نہیں رہی تو نادان ہو تم، میں تمہاری ماں ہوں۔" وہ اسے کیا سمجھانا چاہ رہی تھیں، مبہم انداز ادھوری بات۔

"چھ ماہ ہونے کو آئے تمہاری شادی کو لیکن....."

"جس مان اور جذبے کے ساتھ اسے بیاہ کر لائے تھے اس اعتبار اور یقین کا دامن اس کے ہاتھ میں تھمانے میں ناکام رہے ہو تم۔" وہ سنجیدگی سے کہتیں کپڑے جھاڑتی اٹھ کر اندر بڑھ گئیں۔

"سردی میں ٹھٹھر ٹھٹھر کر بخار ہو گیا ہے اسے۔"

"بخار۔" اس کے دل کو جھٹکا لگا لیکن بظاہر وہ آرام سے کرسی کی پشت پر سر رکھے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔

"اب یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو جاؤ جا کر اسے بھی دن کے اجالے میں اپنی شکل دکھاؤ، ذرا وہ بھی خوش ہو جائے کہ اس کا نام نہاد شوہر آج دن کی روشنی میں آیا ہے۔" لیکن وہ بدستور اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا۔

"چلو سعدان علی حسن، آج سارے حساب بے باک کر ہی دو۔" اس نے چند لمحوں بعد اٹھتے ہوئے سوچا۔

"ذرا سنیئے دیور جی۔" بھابھی کی پکار پر دوبارہ پلٹا۔

"جی اگر کچھ باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی سنا دیجئے۔" اس نے مسکراتے ہوئے طنز کیا۔

"کب تک چلے گا یہ سلسلہ۔" انہوں نے نیچی نظروں سے پالک کے پتے چنتے ہوئے کہا۔

"کیسا سلسلہ؟" اس نے حیرت و ناسمجھی سے پوچھا۔

"مجھے زیادہ بناؤ نہیں، بتا دیا ہے رمیہہ نے سب کچھ مجھے امی جلد از جلد خوشخبری سننا چاہتیں ہیں۔"

"تو مجھے بتائیں میں کیا جبکہ اس میں واقعی میرا کوئی قصور نہیں ہے، وہ محترمہ خود تو ہاتھ نہیں آتیں۔" وہ جھنجھلا کر کہہ گیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم دونوں، اس کو بھی تم سے یہی شکائیت ہے۔" بھابھی غصے سے کہتی پرات اٹھا کر اندر بڑھ گئیں کہ اس سے زیادہ وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکتیں تھیں ایک مشرقی عورت ہونے کے ناطے وہ یہ سب کہنے کی ہمت نجانے خود میں کیسے پیدا کر پائیں تھیں۔

"لوگوں سے شکایت کرنا آ گئی اسے اور میں جو اس کا اپنا تھا اسے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔" وہ سیڑھیاں چڑھتا جھنجھلا گیا۔

"آج سب فیصلہ ہو ہی جائے تو اچھا ہے، آر یا پار۔"

وہ کمرے میں داخل ہوا تو باہر کی نسبت کمرہ برقی ہیٹر کے باعث خاصہ گرم اور نیلگوں روشنی میں ڈوبا ہوا تھا، کھڑکیاں دروازے سب بند تھے اور ان پر دبیز پردے باہر سے آنے والی روشنی کو روکے ہوئے تھے، اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیوب لائٹ آن کرنا چاہی، لیکن بیڈ پر نظر پڑتے ہی وہیں رک گیا، دبیز قالین کو اپنے قدموں تلے روندتا ہاتھ میں تھاما بریف کیس ٹیبل پر رکھ کر بیڈ

کے قریب چلا آیا، دوپٹے سے بے نیاز وجود لئے وہ بے سدھ پڑی تھی، بخار کی حدت سے رخسار تمتما رہے تھے گلابی ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست تو بڑی بڑی آنکھوں پر لمبی پلکوں کا غلاف چڑھا تھا، دائیں ہاتھ سر سے اوپر تکیے پر رکھا تھا تو بائیاں ہاتھ سینے سے نیچے، آوارہ زلفیں بیڈ پر بکھریں تھیں کچھ نے اس کے وجود کو ڈھانپ رکھا تھا، چھوٹے چھوٹے بالوں نے کافی حد تک چہرے کو چھپا رکھا تھا، کیسا طلسم تھا اس کی شخصیت میں اس نے اپنے آپ کو اس کے سحر میں گرفتار ہوتے محسوس کیا، اسے لگا کہ وہ اس کی زلفوں کی زنجیروں کے جال میں جکڑا گیا ہو وہ بے اختیار اس کے قریب ایک ٹانگ بیڈ پر رکھ کر بیٹھتا چلا گیا اور اس کے سینے سے نیچے رکھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

پلکیں لرزیں جسم میں جنبش ہوئی تو سعدی کو جیسے ہوش آ گیا، وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا بریف کیس اٹھا کر الماری میں رکھا وارڈ روب سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں جا گھسا تقریباً پانچ منٹ بعد واپس آیا تو وہ اسی طرح بے خبر پڑی سو رہی تھی، وہ آ کر اس کے برابر لیٹ گیا، دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے چھت کو گھورنے لگا، پھر کروٹ بدل کر بازو کہنی کے بل کھڑا کیا اور اس پر اپنا سر ٹکا کر بغور اسے دیکھنے لگا چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد پھر سیدھا ہو کر لیٹا، اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتا پھر پہلے والی پوزیشن میں آ کر اس کا جائزہ لینے لگا، ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کیا تو انگلیاں چہرے سے مس ہو گئیں وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی، وہ سیدھا ہو کر اطمینان سے لیٹ گیا۔

"آ..... آپ..... آپ کب آئے۔" اس سے پہلے کہ وہ اچھل کر بیڈ سے نیچے اترتی، اس نے اس کا بازو کھینچ لیا وہ سیدھی بیڈ پر گری تھی، اس کے بازو پر دباؤ ڈال کر دوسرے بازو سے اس کے گرد حصار باندھ دیا، جھٹکے سے گرنے کی وجہ سے اس کے تمام بال اس پر گر کے اسے ڈھانپ گئے تھے لیکن آخر کب تک، اس کے بازو سے ہاتھ اٹھا کر اس نے چہرے سے بال ہٹا دیئے۔

"چھوڑیں مجھے۔" اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

غیروں سے کہا تم غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا

اس نے دوبارہ سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے دلکش انداز میں شعر پڑھا۔

"پلیز چھوڑیں مجھے۔"

"تمہیں چھوڑ دیا تو امی کو وہ خوشخبری کیسے سناؤں گا جو وہ جلد از جلد سننا چاہتی ہیں۔" وہ شرم سے سرخ ہو گئی، جان گئی کہ بھابھی کی شرارت ہے وہ پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"بڑی جلدی خیال آ گیا آپ کو۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی اور پھر فوراً ہی لب بھینچ کر سختی سے آنکھیں بند کر لیں، چہرے پر شرم کی سرخی اس کے حسن کو مزید دو آتشہ بنا رہی ہو۔

"اجی ہم تو شادی کے اگلے ہی دن یہ خوشخبری سنانے کو تیار تھے، لیکن آپ نے ہی ہمارے تمام جذبوں اور امنگوں کو تاراج کر دیا اور ہم اپنے سسکتے جذبوں کی توہین پر دل مسوس کر رہ گئے۔"

"اچھا چھوڑیں مجھے۔"

"اوں ہوں، آج بھی چھوڑ دیا تو امی کو کیا جواب دوں گا۔"

"بے شرم۔" اس نے اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش میں موڑتے ہوئے کہا، ہونٹوں پر شرم حیا کی ایک دلکش مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اس میں بے شرمی والی کون سی بات ہے

www.pkdigest.com

میں تمہارا شوہر ہوں اور تم سے اپنا حق مانگ رہا ہوں جس پر اتنے عرصے غاصب بنی بیٹھی ہو، میری امانت مجھے دے دو تو سارے حساب بے باک ہو جائیں گے۔" وہ اتنی بے باکی پر اتر آئے گا اسے امید نہ تھی، وہ اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی اپنے آپ کو اس سے چھپا لینا چاہتی تھی۔

"کاش کوئی آجائے۔" اس نے سوچا لیکن اگر دعا دل سے نکلتی تو پوری ہوتی ناں۔

"پلیز سعدان مجھے جانے دیں۔" وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

"اوں ہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اتنی مشکل سے تو قابو میں آئی ہو ایسے ہی تو نہیں چھوڑ دونگا، اب تو ایسا قابو کرونگا کہ کبھی دوسرے کمرے میں سونے کا نام بھی نہ لو گی۔" اس نے بازو کہنی کے بل کھڑا کر کے اس پر اپنی ٹھوڑی رکھتے ہوئے کہا، اس طرح کرنے سے دونوں کے چہرے اس قدر قریب آگئے تھے کہ رمیہ اپنے چہرے پر اس کی گرم سانس محسوس کر رہی تھی۔

"جانتی ہو کتنا تڑپایا ہے تم نے مجھے، کتنے خواب سجائے تھے کتنی امیدیں وابستہ کی تھیں میں نے اس رات سے، سوچا تھا تمہارے تمام غموں کو اپنے دامن میں سمیٹ لونگا، تمہیں اتنی خوشیاں دونگا کہ دکھ بھی تمہارے پاس بھی بھٹکیں گے، پہلی نظر میں محبت کی تھی میں نے تم سے، لیکن تم نے میرے تمام جذبوں امنگوں کو ملیا میٹ کر دیا میری تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔" یہ کیا کہہ رہا تھا وہ، وہ اس کے لئے تڑپا رہا تھا اور وہ کیا سمجھتی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس پر زبردستی مسلط نہیں کی گئی بلکہ اس گھر میں اسے وہ اسے اپنی محبت کی چھاؤں میں لایا تھا۔

"اب میں تم سے تمہاری ہر ہر زیادتی کا بدلا لوں گا میرے جذبوں میری امنگوں کے محل کو مسمار کرنے کی کچھ سزا تو ملنی چاہیے تھی ناں، اس لئے میں بھی مٹی کا بت بن گیا تھا، لیکن اب میں نے مزید اور سزا بھی تمہارے لئے تجویز کر لی ہے۔"

"آپ جو چاہیں مجھے سزا دے لیں اگر آپ کہیں کے تو میں سارا دن ساری رات ایک ٹانگ پر کھڑی رہونگی، آپ چاہے مجھے مار لیں پیٹ لیں میں اف تک نہیں کرونگی لیکن اس وقت مجھے چھوڑ دیں۔" آخر میں اس کا لہجہ التجائیہ ہو گیا تھا اس کی شوخ اور والہانہ نظریں معنی خیز جملے اس کی روح تک فنا کر رہے تھے۔

"ارے یہ سزائیں تو تمہارے لئے بہت کم ہیں، تمہارے لئے تو اس سے بھی بڑی سزا سوچ رکھی ہے میں نے۔" اس کی آنکھوں میں شرارت ناچنے لگی اور ہونٹوں کی شوخ مسکراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

"کیسی سزا۔" وہ ڈر گئی۔

"بتاؤں۔" اس نے آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا، شرم اور گھبراہٹ کی وجہ سے شاید وہ اس کی شرارت اور شوخی کو سمجھ نہ پائی تھی۔

"ہاں آں۔" وہ بمشکل بولی اور پھر اسے پہلے کہ سعدان کے ہونٹ اس کے رخسار سے لگ ہوئے وہ اس کی شرارت سمجھ گئی اور اسے زور سے پرے دھکا دے دیا، وہ اس حملے کے لئے تیار نہ تھا، لہٰذا پیچھے جا گرا اور تیزی سے اٹھ کر بھاگتی ہوئی دوسرے کمرے کے دروازے کے پاس پہنچ کر رک اسے دیکھا اور کھلکھلا کر ہنسنے لگی، سعدان نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر اسے شہادت کی انگلی دکھائی تو وہ ہنستی ہوئی اسے منہ چڑھا کر اندر غائب ہو گئی تو وہ بھی اس کے پیچھے بھاگ کر کمرے میں گم ہو گیا۔

☆☆☆

گلابی موسم

عذرا فردوس

www.pkdigest.com

ہادیہ ایک بات پوچھوں؟ عفرا نے بھاپ اڑاتی بلیک کافی کا فل سائز مگ اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

ہاں پوچھو، تم بلا جھجک ہر بات مجھ سے پوچھ سکتی ہو۔ ہادیہ نے تلخ کافی کو اپنے اندر اُنڈیل کر اندر کی تلخی کو کم کرنا چاہا تھا۔

کیا تمہیں واقعی سلیمان کے علاوہ کسی اور سے.....

"تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔" ہادیہ نے پھیکا سا قہقہہ لگایا تھا اور عفرا کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بولی تھی۔

"یہی تو مسئلہ ہے اگر میں تمہیں ایسا سمجھتی تو بہت آرام سے اس گتھی کو سلجھا لیتی لیکن اب میں کچھ بھی سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"عفرا سلیمان کے علاوہ میرے لیے آج بھی کوئی اہم نہیں ہے۔ وہ سب کچھ اپنی انا اور اپنا آپ بچانے کیلئے کہنا اور کرنا پڑا تھا۔ تم تو جانتی ہو زندگی میں کبھی کبھی ایسا مشکل مقام بھی آجاتا ہے جب اپنی ذات کو حصوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ میں بھی ایک حصہ اپنے لیے اور دوسرا سلیمان کے پاس گروی رکھ آئی ہوں۔ تم بھی تو ایسا ہی کر کے آئی ہو نا اپنی ذات کا ایک حصہ بالم بھائی کے پاس چھوڑ آئی ہو۔ ہے نا صحیح کہہ رہی ہو نا میں۔

"ہم دونوں کا مقدر ایک جیسا کیوں ہو گیا ہے۔ ہادیہ میں بالم کو ٹوٹ کر چاہا اور وہ کسی اور کے پیچھے خوار ہو رہا ہے۔ اور تم نے سلیمان کو زندگی میں اوّل و آخر جانا اور وہ".....

"چھوڑوں عفرا شام گہری ہو گئی ہے میرے خیال میں مجھے چلنا چاہیے۔ امی جان انتظار کر رہی ہوں گی۔" ہمیشہ کی طرح اس نے عفرا کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ وہ شروع ہی سے ایسی تھی جو بات اذیت بن کر جسم و جان میں دوڑنے لگتی تھی وہ اس بات کو ایسے ہی ختم کر دیا کرتی تھی۔

"ڈنر تک تو رکو نا" عفرا نے خالی مگ سائیڈ پر رکھے تھے۔

"نہیں یار پھر کبھی سہی" وہ اپنا بیگ اٹھا کر اُس سے مل کر باہر نکل آئی تھی۔ شام ڈھلتے ہی روشنیاں چاروں اطراف جلنے بجھنے لگی تھیں۔ وہ سُبک روی سے گاڑی چلاتے ہوئے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے سوچوں میں گم تھی۔

آج چودہ فروری تھا سارا دن ڈھلتا جا رہا تھا۔ گاڑی "ڈی گراؤنڈ" کے علاقے سے گزر رہی تھی۔ وہاں سے اس کا گھر قریب تھا۔ گھر جانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اپنی ذات کی ساری اُداسیاں گھر کے در و دیوار سے پھوٹی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ لیکن ہادیہ جانتی تھی امی جان اُس کا شدت سے انتظار کر رہی ہوں گی۔ تبھی گلابوں کی مسحور کن مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی اس نے چونک کر خوشبو کا سراغ لگانے کیلئے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے اپنے دائیں طرف پھولوں کی ایک بڑی سی شاپ نظر آئی جس پر بے تحاشا رش تھا۔ اس کے پاؤں خوامخواہ بریک پر جا پڑے تھے۔ حالانکہ یہاں سے اسے کچھ نہیں خریدنا تھا۔

"باجی یہ دیکھیں کتنے تازہ پھول ہیں اور ان کی خوشبو تو سونگھیں کس قدر اچھی ہے۔ یہ آپ خریدیں گی۔" گاڑی رُکتے ہی ایک نوعمر سا لڑکا اُس کے قریب بھاگا آیا تھا۔ "نہیں بیٹا مجھے پھول نہیں خریدنے۔" اس نے سہولت سے اس بچہ کو انکار کر دیا تھا اس کا جواب سن کر بچے کی آنکھوں کی جوت یک دم بجھ سی گئی تھی۔

"رکو تو ذرا۔" اسے لگا تھا کہ ان ننھی منھی آنکھوں کی جوت بجھنے سے خوشبو بھی کہیں اُڑ گئی ہے، اس نے بچے کو آواز دی۔

"جی باجی، وہ تیزی سے گاڑی کے قریب آیا۔"

"انھیں پیچھے سیٹ پر رکھ دو۔" اس نے پچھلا شیشہ نیچے کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کتنے پیسے دوں۔"

"ڈیڑھ سو روپیہ جی۔"

نیہا نے کہا۔

"یار مجھے تو چھٹیوں کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا میں تو کوئٹہ اپنے کزن کی شادی میں شرکت کے لئے گیا ہوا تھا۔"

"ابراہیم یہ تمہارے کون سے کزن ہیں جن کی شادی میں شرکت کے لئے تم کوئٹہ پہنچ گئے۔"

"بھئی میری خالہ کا بیٹا حماد ہے نا میں نے گھر پر تم سے ملوایا بھی تھا اس کی شادی تھی اب کیا میں اس کی خوشی میں شریک نہیں ہوتا سچ وہاں بہت انجوائے کیا۔"

"ہاں انجوائے تو کیا ہو گا کیوں کہ شادی کی تقریب میں زبردست تتلیاں ہوں گی۔"

"ہاں تھیں تو اور میں نے انہیں تمہارا موبائل نمبر بھی دے دیا ہے یہ کہہ کر ایک بھائی کو اپنے لئے بہنوں کی تلاش ہے۔"

"یہ کیا؟ میرے لئے کیا ہر لڑکی بہن ہے اور تیرے لئے فرینڈ ہے تو برا جانا ہے۔"

"ہاں وہ تو میں ہوں اس کو چھوڑو مجھے سوشیالوجی کے نوٹس لا کر دو، آج تو بہت ہو گئی سر عذیر نے کہا ہے پچھلے چیپٹر اسٹڈی کر کے آئیے گا، تم تو جانتے ہو سر تو ہٹلر کی طرح ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جاتے ہیں۔"

"تو پرابلم سبرینہ سے نوٹس مانگ لیتے ہیں۔" تانیہ بولی۔

"کیا وہ اپنے نوٹس ہم لوگوں کو دے گی۔" ابراہیم تذبذب میں تھا۔

"ہاں بھئی دے گی کیوں نہیں دماغ کی طرح اس کا دل بھی بہت بڑا ہے۔" نیہا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مس سبرینہ ہمیں آپ سے سوشیالوجی کے نوٹس چاہئیں ابھی فوٹو اسٹیٹ کروا کر دے دیں گے۔" ابراہیم کے گروپ نے سبرینہ سے کہا اور اس وقت کینٹین میں اپنی دوستوں کے ساتھ کافی پینے میں مصروف تھی۔

"یہ نوٹس بنانے کا کام آپ لوگ بھی کر سکتے ہیں، مگر آپ کو ہلا گلا کرنے سے فرصت ہو تو محنت کوئی کرے اور فائدہ کوئی اور اٹھائے۔" حنا تپ کر بولی۔

"نوٹس مانگنے کا مطلب یہ نہیں کہ تم ہمیں باتیں سنانا شروع کر دو ویسے بھی ہم نے سبرینہ سے کہا ہے تم سے نہیں۔"

"میں ابھی کلاس لینے آؤں گی تو نوٹس دے دوں گی۔"

"تھینک یو سبرینہ۔" ابراہیم نے امپریس ہو کر کہا۔

"کیا ضرورت تھی خواہ مخواہ میں نوٹس دینے کی حامی بھر لی۔" حنا بولی۔

"تو کیا ہوا چلو اسی بہانے یہ لوگ کچھ پڑھ لیں گے ورنہ نوٹس نہ ہونے کا اچھا ڈرامہ ہے۔" کافی پی کر وہ کلاس لینے چلی گئیں۔

یونیورسٹی سے سبرینہ کو گھر پہنچتے پہنچتے چار بج گئے۔

"بیٹا آج بڑی تھکی تھکی سے لوٹی ہو۔" وہ گھر میں داخل ہوئی تو امی نے اس کی شکل کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا۔

"ہاں امی آج میں یونیورسٹی کی لائبریری میں رک گئی تھی کچھ نوٹس بنانے تھے اگلے ہفتے سے ہمارے سمسٹر جو شروع ہو رہے ہیں۔"

"لو جی اب تمہارے پیپر بھی شروع ہوں گے تمہارے پیپروں کی وجہ سے پریشان ہم لوگ ہوں گے کب سے تمہارے انتظار میں بیٹھے ہیں دوپہر کا کھانا تک نہیں کھایا۔" سبرینہ سے چھوٹے بھائی فواد نے کہا۔

"امی مگر میں لیٹ ہو جاؤں تو آپ لوگ کھا لیا کریں۔"

"ہاں بھئی تمہارے اس گھر سے جانے کے

www.pkdigest.com

بعد تو ایسا کرنا ہی ہوگا۔"

"لڑکیوں کا کیا ہے آج اس گھر میں ہیں کل کسی اور گھر کی رونق ہوں گی۔"

"فواد تم اس کے جانے کے بعد کسے تنگ کرو گے۔"

"امی آپ تو آپ فوراً جذباتی ہو جاتی ہیں میرا اتنی جلدی ارادہ نہیں ہے اس گھر کو چھوڑنے کا ابھی تو مجھے بہت پڑھنا ہے کاش مجھے اسکالرشپ مل جائے تو میں بیرون ملک جا کر پڑھوں، شادی کے لئے تو عمر پڑی ہے۔"

"امی کا بس چلے تو تمہیں آج ہی اس گھر سے چلتا کریں تمہارے پڑھائی کے متعلق جو پلان ہیں نا وہ سب ادھورے رہ جائیں وہ تو ابو کی سپورٹ ہے۔"

"اب باتیں بند کرو اور ہاتھ منہ دھو کر کھانے کے لئے آ جاؤ، میں کھانا گرم کرتی ہوں آج میں نے تمہاری فیورٹ ڈش کڑھی بنائی ہے اور ساتھ میں گرما گرم چاول۔"

"پھر تو میں ایک منٹ میں آتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مس سبرینہ میں آپ کے ساتھ اسٹڈی کرنا چاہتا ہوں میرا مطلب ہے کہ مجھے اسٹڈی میں آپ کی ہیلپ کی ضرورت ہے۔" وہ ابھی یونیورسٹی میں گھسی تھی کہ ابراہیم نے جو اس کا منتظر تھا اسے اکیلا دیکھ کر کہا۔

"ہاں کیوں نہیں ہم لوگ لائبریری میں ہوتے ہیں تو آپ بھی آ جایا کریں میں مدد کر دوں گی۔"

"پہلے ہی آپ نے میری کافی مدد کی ہے، میں نے آپ کے دیے ہوئے نوٹس اسٹڈی کر لئے ہیں کچھ چیزیں تھیں جن میں آپ کی ہیلپ کی ضرورت تھی۔"

"شیور آپ ایگزام میں اچھے نمبر لیں مجھے خوشی ہوگی۔"

"ایکسکیوزمی میں اپنی فرینڈز سے مل لوں۔"

"کیا باتیں ہوں رہی تھیں میں دیکھ رہی ہوں ابراہیم کی نظروں میں تمہاری ویلیو کچھ زیادہ ہی ہوگئی ہے۔"

"بس رہنے دو پیپر شروع ہونے والے ہیں ان پر دھیان دو اس کو اسٹڈی میں میری ہیلپ کی ضرورت تھی اب وہ ہمارے ساتھ اسٹڈی کرے گا۔"

"چلو اس بہانے ہی وہ ہمارے گروپ میں شامل ہو جائے گا۔" حنا نے تپے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس سے پہلے کہ سر ہماری کلاس لیں ہمیں چلنا ہوگا۔" فائزہ کے پیچھے وہ لوگ بھی روم کی طرف بڑھ گئیں۔

سمسٹر کا رزلٹ آؤٹ ہوا تو سبرینہ نے پہلی پوزیشن لی جب کہ ابراہیم بھی اچھے نمبروں سے پاس ہوا۔

"سبرینہ مبارک ہو اب تو تمہیں مٹھائی کھلانی ہوگی اب تو تم یونیورسٹی میں تمام پروفیسرز کی آنکھوں کا تارا بن گئی ہو۔"

"مٹھائی تو تمہیں بھی کھلانی چاہیے پہلی دفعہ تمہارے اتنے اچھے نمبر آئے ہیں۔" فائزہ نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ضرور بھئی میں تو سبرینہ کے اسٹڈی کرنے سے کافی متاثر ہوں اتنے اچھے طریقے سے سمجھاتی ہے۔"

"تھینک یو۔" سبرینہ اپنی تعریف پر شرمندہ سی ہوگئی۔

"ابراہیم اگر تمہاری باتیں ختم ہوگئی ہیں تو چلو۔" تانیہ نے آ کر مداخلت کی۔

"بھئی چل رہا ہوں، دم تو لینے دو۔"

"ابراہیم میں دیکھ رہی ہوں تم کچھ زیادہ ہی سبرینہ میں دلچسپی لے رہے ہو اور وہ محترمہ بھی تم سے فری ہو رہی ہیں۔"

"یہ سب تمہارا وہم ہے میں اس سے پڑھائی کے علاوہ کوئی دوسری بات ڈسکس نہیں کرتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں وہ بہت محنتی لڑکی ہے۔"

"اور میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، کب بھیج رہے ہو تم اپنے پیرنٹس کو میرے گھر۔"

"دیکھو تانیہ میں پڑھائی کے دوران منگنی یا شادی کا قائل نہیں ہوں شادی میں تب کروں گا جب میں سیٹل ہوں گا، ابھی تو مجھے سیٹل ہونے میں چار پانچ سال لگیں گے تم میری اچھی فرینڈ ہو اور رہو گی اس سے زیادہ مت سوچو، ویسے بھی میں نے تم سے شادی کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔" تانیہ حیرت سے ابراہیم کے چہرے کو دیکھنے لگی اسے ابراہیم سے یہ امید نہیں تھی بظاہر وہ چپ تھی مگر اس کا ذہن کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

"ابراہیم تم نے میرے ساتھ بہت برا کیا، مجھے اس طرح سے ٹھکرا دیا لگتا ہے سبرینہ کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے اسے تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گی۔" وہ دل میں سوچ کر مسکرا دی۔

"آؤ تانیہ کینٹین میں چلتے ہیں۔"

"اوکے۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"آج حیا ہمیں ٹریٹ دے گی۔" حنا نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بھئی وہ کیوں۔" سبرینہ جو کتاب پڑھنے میں مشغول تھی نظریں اٹھا کر بولی۔

"میری پڑھاکو دوست حیا کا رشتہ جو طے ہو گیا ہے اگلے ہفتے انگیجمنٹ کی تقریب ہے۔"

"ارے بھئی حیا بہت مبارک ہو۔" سبرینہ نے اسے گلے لگا لیا۔

"وہ دیکھو ابراہیم آ رہا ہے لگتا ہے کوئی ضروری بات کرنے آ رہا ہے ویسے ہی اس کو کچھ زیادہ پڑھائی کا شوق نہیں ہو گیا ہے۔" فائزہ بولی۔

"میں تو تمہیں اچھی لڑکی سمجھتا تھا مگر تم اتنی گری ہوئی حرکت کر سکتی ہو اس کی مجھے امید نہ تھی۔" سبرینہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی، ابراہیم نے ایک پیپر سبرینہ کے آگے کیا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ لو لیٹر اور کارڈ تم نے میرے نام ہی لکھا ہے۔" اس نے کارڈ سبرینہ کے چہرے کے آگے کیا۔

"دیکھ لو یہ تمہاری رائٹنگ ہے میں تمہاری ہینڈ رائٹنگ سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"یہ لیٹر میں نہیں لکھا ہے تم کیا مجھے گری ہوئی لڑکی سمجھتے ہو تم نے مجھ پر الزام کیسے لگایا۔"

"یہ رائٹنگ تمہاری نہیں ہے غور سے دیکھو۔"

"رائٹنگ میرے جیسی ہو سکتی ہے لیکن میری نہیں ہے سمجھے۔" سبرینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس سے اپنی یہ تذلیل برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کس نے میرے نام کو اتنے گھٹیا طریقے سے استعمال کیا ہے۔" حیا، حنا اور فائزہ حیرانی کے عالم میں تھیں آخر حنا نے اپنے حواس کو مجتمع کر کے کہا۔

"ابراہیم بہت ہو گیا تماشہ اب ادھر سے جاؤ آئندہ تمہیں سبرینہ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مجھے یہ الٹی سیدھی حرکتیں پسند نہیں ہیں اور نہ ہی میں ایسی لڑکیوں کو پسند کرتا ہوں جو اپنا دل ہاتھ میں لئے گھومتی ہیں۔"

www.pkdigest.com

''جب سبرینہ نے یہ حرکت ہی نہیں کی تو وہ شرمندہ کیوں ہوگی چلو سبرینہ بہت ہوگیا تماشہ۔'' فائزہ نے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا، کئی اسٹوڈنٹ وہاں جمع ہو کر تماشہ دیکھنے میں مصروف تھے، سبرینہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنی فرینڈز کے ساتھ ہو لی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس نے اسے بدنام کرنے کے لئے یہ حرکت کی ہے، دو دن سے سبرینہ یونیورسٹی نہیں آ رہی تھی، تانیہ کی نظریں فائزہ اور حنا پر پڑیں تو وہ فوراً ان کے پاس پہنچ کر سبرینہ کے متعلق پوچھنے لگی۔

''ایکسکیوزمی فائزہ! سبرینہ یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہی، اس سے پہلے تو اس نے ایک دن بھی چھٹی نہیں کی۔''

''تانیہ اس سے پہلے اسے کسی نے اس طرح ذلیل بھی نہیں کیا۔''

''ابراہیم کو اس طرح سے سب کے سامنے اسے بے عزت کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔''

''کہتی تو تم ٹھیک ہو مگر اس نے سبرینہ کی جو امیج بنا رکھی تھی اس کی غلطی حرکت سے اس کے دل کو ٹھیس پہنچی ظاہر ہے وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رہ سکا اور اس نے ٹھیک ٹھاک سنا دی۔''

''سنیں میڈم آپ چاہے سبرینہ کو کچھ بھی کہہ لیں مگر میری فرینڈ ایسی نہیں ہے اس کے دل میں کوئی چور نہیں ہے اسے تو بخار ہوا ہے اس وجہ سے نہیں آ رہی سمجھیں۔'' فائزہ نے تیز نظروں سے گھورا تو تانیہ چلتی بنی۔

''جسے دیکھو منہ اٹھائے چلا آ رہا ہے۔'' حنا بڑبڑائی۔

''فائزہ تم نے سبرینہ سے بات کی ابھی کتنے دن وہ مزید چھٹی کرے گی، اس سے کہو وہ آئے یونیورسٹی۔''

''سبرینہ کہاں گھر بیٹھنے والی ہے وہ کہہ رہی تھی پرسوں آؤں گی یار میری سمجھ میں لیٹر والی بات نہیں آئی اگر کسی نے مذاق میں بھی یہ حرکت کی ہے تو کون ہو سکتا ہے۔''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں ابراہیم کے گروپ میں سے ہی کوئی حرکت کر سکتا ہے، تمہارا کیا خیال۔'' حنا نے پرتجسس نظروں سے فائزہ کی طرف دیکھا۔

''کیا کہہ سکتے ہیں۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

تین مہینے بعد فائنل سمسٹر شروع ہوئے سبرینہ نے فرسٹ پوزیشن لی اسے یونیورسٹی کی طرف سے اسکالرشپ ملا تو وہ مزید تعلیم کے لئے بیرون ملک چلی گئی، تمام دوستوں سے اس کا رابطہ ختم ہو کر رہ گیا۔

''ہیلو فائزہ میں ابراہیم بات کر رہا ہوں تمہارے پاس سبرینہ کا کنٹیکٹ نمبر ہے مجھے اس سے ضروری بات کرنا تھی۔''

''اتنے دنوں بعد تمہیں سبرینہ کا کیسے خیال آ گیا؟ اور تم نے میرا نمبر کہاں سے لیا، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے تو تمہیں اپنا فون نمبر نہیں دیا تھا۔''

''تم بھی فوراً سوال کرنے لگتی ہو، اس سے پہلے میں نے بھی تمہیں فون کیا ہے ظاہر ہے مجھے سبرینہ کے نمبر کی ضرورت ہے تبھی تمہیں فون کیا ہے سبرینہ کے گھر والے کسی اور بنگلے میں شفٹ ہو گئے ہیں میرے پاس ان کا پرانا فون نمبر ہے جو بند پڑا ہے سبرینہ نے باہر جانے کے بعد ہم فرینڈز میں سے کسی سے رابطہ نہیں کیا، کیا میں پوچھ سکتی ہوں تمہیں کون سا کام پڑ گیا ہے جو سبرینہ کی یاد آ گئی۔''

''میں اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں میرے رویے کی وجہ سے اس کے دل کو ٹھیس پہنچی مجھے اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیے تھا۔''

''ظاہر ہے ابراہیم اس کی انسلٹ اچھی خاصی ہوگئی تھی۔''

''میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں مجھے حنا سے یہ امید نہ تھی وہ اس قسم کا بیہودہ مذاق کرے گی۔''

''کیا کہہ رہے ہو حنا بھلا کیوں ایسی حرکت کرے گی۔''

''فائزہ، حنا دل میں میری اور سبرینہ کی انڈر اسٹینڈنگ سے جلتی تھی، میرے دل میں سبرینہ کی جو عزت اور احترام تھا اسے فلرٹ نہیں کہا جا سکتا تھا، مگر حنا جانے کیوں سمجھتی تھی کہ میں سبرینہ سے محبت کرنے لگا ہوں، افسوس مجھے یہ سب بعد میں پتہ چلا، جب یونیورسٹی کی کلاسز آف ہوگئی تھیں، اس دن میں اچانک یونیورسٹی کام کے سلسلے میں گیا تو وہ مشعل کے ساتھ بیٹھی کینٹین میں اپنا کارنامہ سنا رہی تھی میں نے خود اپنے کانوں سے سنا۔''

''تم نے اسے کچھ کہا نہیں۔'' فائزہ کا دل اس حقیقت کو قبول کرنے سے گھبرا رہا تھا وہ تو حنا کو اچھی لڑکی سمجھتی تھی اس کا یہ روپ فائزہ کی سمجھ سے باہر تھا۔

''میں نے تو اسے ٹھیک ٹھاک سنائی اس نے ہم دونوں کی فرینڈ شپ سے جیلس ہو کر سبرینہ کو بے عزت کروایا۔''

''بہت خوب میں تو دل میں سوچتی تھی کہ شاید تانیہ نے یہ حرکت کی ہے مگر حنا بہت گھٹیا نکلی اور سناؤ ابراہیم کیسی گزر رہی ہے زندگی۔''

''ٹھیک ٹھاک میں نے اپنے ڈیڈ کا بزنس جوائن کیا ہے اور تم کیا کر رہی ہو؟''

''دو مہینے بعد میری شادی ہے فی الحال تو میں گھر پر ہوں تمہاری باتوں کی وجہ سے میں شاک کی کیفیت میں ہوں۔''

''اوکے پھر بات کریں گے اللہ حافظ۔''

ابراہیم نے فون رکھ دیا۔

''حنا ایسی ہوگی ابھی میں فون پر اسے ٹھیک کرتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ حنا کا نمبر ملانے لگی۔

یہ کیسی بے رنگ ہے زندگی
کہ اس میں کتنے ہی سال گزر گئے
کوئی نیا سال آیا ہی نہیں
کتنی بہاریں، خزاں کتنے موسم
گزرتے تو ہیں مگر
اپنے اندر کا موسم گزرتا نہیں
کتنی خوشیاں کتنے غم کتنے ہمدم
بچھڑے تو ہیں کوئی ملتا نہیں
کتنے سائے امیدیں سی مبہم
آنکھوں میں کوئی دیا جلتا نہیں
دوسرا سرا بھی پھر ملتا نہیں
کتنے مبہم ترنم شادیانے بجے
کتنے آنکھوں نے اپنے زمانے سہے
کتنے دل نے دعاؤں کے بہانے چنے
کتنے ہونٹوں پہ آ کے فسانے رکے
رکا نہ کوئی موسم سہانا
رکتا اگر رکتا بھی کیسے
کے رکنے کے لئے ہے
اس کا آنا ضروری
کر جیسے چلنے کے لئے
صرف رستہ نہیں
اذان سفر درکا ہے
مگر زندگی اپنی
فقط دائرہ پرکار ہے
اے خدا!
ہے نیا سال آنے کو پھر
کوئی نیا موسم
جو اچھا بھی ہو جو ہمیشہ رہے
جس کے ساتھ کچھ بھی نہ درکار ہو

www.pkdigest.com

لئے کی کہ آپ اپنے احساس جرم کی تلافی کر سکیں آپ نے بھری یونیورسٹی میں مجھے لوز کریکٹر ثابت کرنے کی کوشش کی، میرا تماشا بنایا۔"

"سبرینہ یہ کیسی باتیں کر رہی ہو حنا نے اس قسم کی گھٹیا حرکت کی تھی اس نے ہی تمہارے نام سے لیٹر اور کارڈ مجھے دیا تھا، یہ الگ بات ہے کہ میں اس وقت غصے میں کچھ زیادہ ہی ہائپر ہو گیا تھا، حقیقت جاننے کے بعد میری نظروں میں تمہارا مقام اور بھی بلند ہو گیا میں شروع سے تمہیں اور لڑکیوں سے مختلف سمجھتا تھا، میں تم سے اپنے رویے کی معافی مانگنا چاہتا تھا۔"

"آپ کو معافی میرے زخموں کا مداوا نہیں ہے، مجھے ترس کھائی ہوئی محبت نہیں چاہیے۔"

ابراہیم کو اس کے رویے سے دکھ تو ہوا مگر پھر کچھ سوچ کر چپ رہا وہ سبرینہ کے پاس سے اٹھ کر صوفے پر چلا گیا، سبرینہ چینج کر کے آئی تو وہ سوتا بن گیا۔

زندگی معمول پر آ گئی تھی ان کی شادی کو ایک مہینے سے اوپر ہو گیا تھا یہ ایک مہینہ انہوں نے دعوتوں اور رشتے داروں سے ملنے ملانے میں گزار دیا تھا، ابراہیم نے دوبارہ آفس جوائن کر لیا تھا۔

"سبرینہ! دیکھو بیٹا ابراہیم آفس سے آ گیا ہے اور تم ابھی تک کچن میں ہی ہو اب بس بھی کرو۔"

"جی امی میں بریانی کو دم دے لوں تو چلی جاؤں گی۔"

"چلو میں دیکھ لیتی ہوں تمہارا شوہر تھکا آیا ہے۔"

"اوکے امی میں جا رہی ہوں۔"

"سنیں آپ کے لئے چائے لے کر آؤں۔" اس نے بیڈ پر لیٹے ابراہیم سے پوچھا وہ تیز نظروں سے اسے گھورنے میں مصروف تھا۔

"کھانے میں دیر ہے کیا؟"

"نہیں بس تیار ہونے والا ہے۔"

"تو میں انتظار کر لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ بیڈ پر بیٹھ کر چادر پر انگلیاں پھیرنے لگی، ابراہیم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے سے اسے اپنے اوپر گرا لیا۔

"تمہیں اندازہ ہے تم کتنی خوبصورت ہو تمہارے بال گھٹاؤں کی مانند ہیں۔" اس کا لہجہ مخمور تھا۔

"سبرینہ تم پیکنگ کر لینا دو دن بعد ہم لوگ ہنی مون کے لئے مری جا رہے ہیں۔"

"پر میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی۔" وہ اسے پرے دھکیلتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

"کیوں شوہر ہونے کے ناطے میرا یہ حق ہے کہ میں تمہیں جہاں چاہے لے جاؤں کیا سمجھیں۔"

"مگر ڈیڈ آفس کو اکیلے کیسے سنبھالیں گے آپ نے پہلے ہی کافی چھٹیاں کی ہیں اوپر سے امی گھر میں اکیلی رہ جائیں گی۔"

"صاعقہ آپی آ جائیں گی امی کے پاس تم فکر نہ کرو۔"

"بیٹا میں اندر آ جاؤں۔" امی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"آ جائیں امی!" ابراہیم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"یہ لو بیٹا کھانا کھا لو۔" انہوں نے ٹرے لا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

"امی! دیکھیں میں کہہ رہا ہوں کہ دو دن بعد ہنی مون ٹرپ پر چلتے ہیں مگر یہ محض آپ کی وجہ سے نہیں جا رہی۔"

"بیٹا تمہارے یہی دن تو ہیں گھومنے پھرنے کے میں صاعقہ کو بلا لوں گی تم فکر نہ کرو۔"

دل کی بند شریانیں کھولنے کا نسخہ

دل کی بند شریانیں کھولنے کا ایک نسخہ درج ذیل ہے۔

۱ ..... یموں کا رس ایک پیالی۔
۲ ..... ادرک کا رس ایک پیالی۔
۳ ..... لہسن کا رس ایک پیالی۔
۴ ..... سرکہ سیب ایک پیالی۔

ان چار پیالی رسوں کو ملا کر دھیمی آنچ پر نصف گھنٹہ آگ دیں۔ جب ایک پیالی کم ہو کر تین رہ جائیں تو آگ سے محلول کو اتار کر ٹھنڈا ہونے پر تین پیالی شہد ملائیں۔ سب کو خوب مکس کر کے بوتل میں محفوظ کر لیں۔ یومیہ نہار منہ تین چمچ کھانے والے اس محلول کو پئیں۔ انشاء اللہ دل کی بند شریانیں کھل جائیں گی۔

یہ کہہ کر وہ چلی گئیں۔

اگلے دن صبح ہی سبرینہ نے پیکنگ شروع کر دی ساتھ ہی ساتھ وہ بڑبڑا رہی تھی ابراہیم اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"میں تمہاری ہیلپ کر دوں۔"

"نہیں رہنے دیں میں خود کر لوں گی۔"

"اچھا میں آفس جا رہا ہوں تم گیٹ لاک کر لو۔" یہ کہہ کر وہ نکل گیا، سبرینہ دروازہ بند کر کے آئی اور پھر سے پیکنگ کرنے لگی، ابراہیم کی الماری میں اسے ایک ڈائری نظر آئی وہ پیکنگ چھوڑ کر ڈائری پڑھنے لگی۔

"میں نے کبھی ڈائری نہیں لکھی لیکن میں اپنی فیلنگز کسی سے شیئر نہیں کر سکتا، آج ہماری یونیورسٹی میں ایک نئی لڑکی آئی ہے سبرینہ ملک جو سب لڑکیوں سے منفرد ہے منفرد اس لحاظ سے ہے کہ لڑکی مجھے ایک نظر دیکھنے کے بعد دوبارہ ضرور دیکھتی ہے مگر سبرینہ نے مجھے نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا۔"

ہے کہ سبرینہ کتنی معصوم تھی میری نظروں میں وہ آنسو بھری آنکھیں گھوم رہی ہیں جو کہہ رہی تھی کہ وہ بے قصور ہے میں نے غصے کی حالت میں اسے کیا کیا کہہ دیا تھا، میں اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں مگر وہ مجھے ملے تب ہی یہ ممکن ہے آئی لو یو سبرینہ میں ہمیشہ تمہیں چاہتا رہوں گا۔" آگے کے صفحات خالی تھے، ابراہیم مجھ سے اتنا پیار کرتا ہے اور میں اسے ہمیشہ غلط سمجھتی رہی ڈائری بند کر کے وہ دوبارہ پیکنگ کرنے لگی، دل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ ابراہیم کے آتے ہی وہ اس سے اپنے رویے کی معافی مانگے گی، شام کو وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی امی محلے میں میلاد کی محفل میں شرکت کرنے گئی ہوئی تھیں انہوں نے سبرینہ کو بھی چلنے کے لئے کہا تھا مگر اس نے تھکنے کا بہانہ بنا دیا تھا، وہ ٹیرس میں کھڑی ابراہیم کی منتظر تھی ابراہیم کی کار کو آتا دیکھ کر وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکی اس کا پاؤں پھسل گیا وہ لڑھکتی ہوئی نیچے گری اور بے ہوش ہو گئی، اس کا سر سیڑھیوں کے کنارے بنی ہوئی دیوار سے برے طریقے سے ٹکرایا تھا بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے بیل کی آواز سنی تھی۔

ابراہیم کافی دیر تک بیل بجاتا رہا تھا لیکن دس منٹ گزرنے کے بعد وہ لاک توڑ کر اندر آیا سیڑھیوں کے پاس ہی اسے سبرینہ گری ہوئی نظر آئی اس نے سر سے خون بری طرح بہہ رہا تھا۔

"امی کہاں چلی گئیں یہ کیا ہو گیا؟" وہ بڑبڑایا۔

"سبرینہ آنکھیں کھولو۔" وہ چلایا ابراہیم اسے اٹھا کر ہسپتال لے گیا، وہاں پر پہنچتے ہی وہ ہوش میں آنے لگی بینڈیج کروا کے وہ اسے واپس لے آیا، سبرینہ کو سہارا دے کر وہ اپنے بیڈ روم میں لے آیا۔

"سبرینہ کیا ہوا؟" امی گھر میں پریشانی کی

www.pkdigest.com

تمنا اور خواب

نازش امین

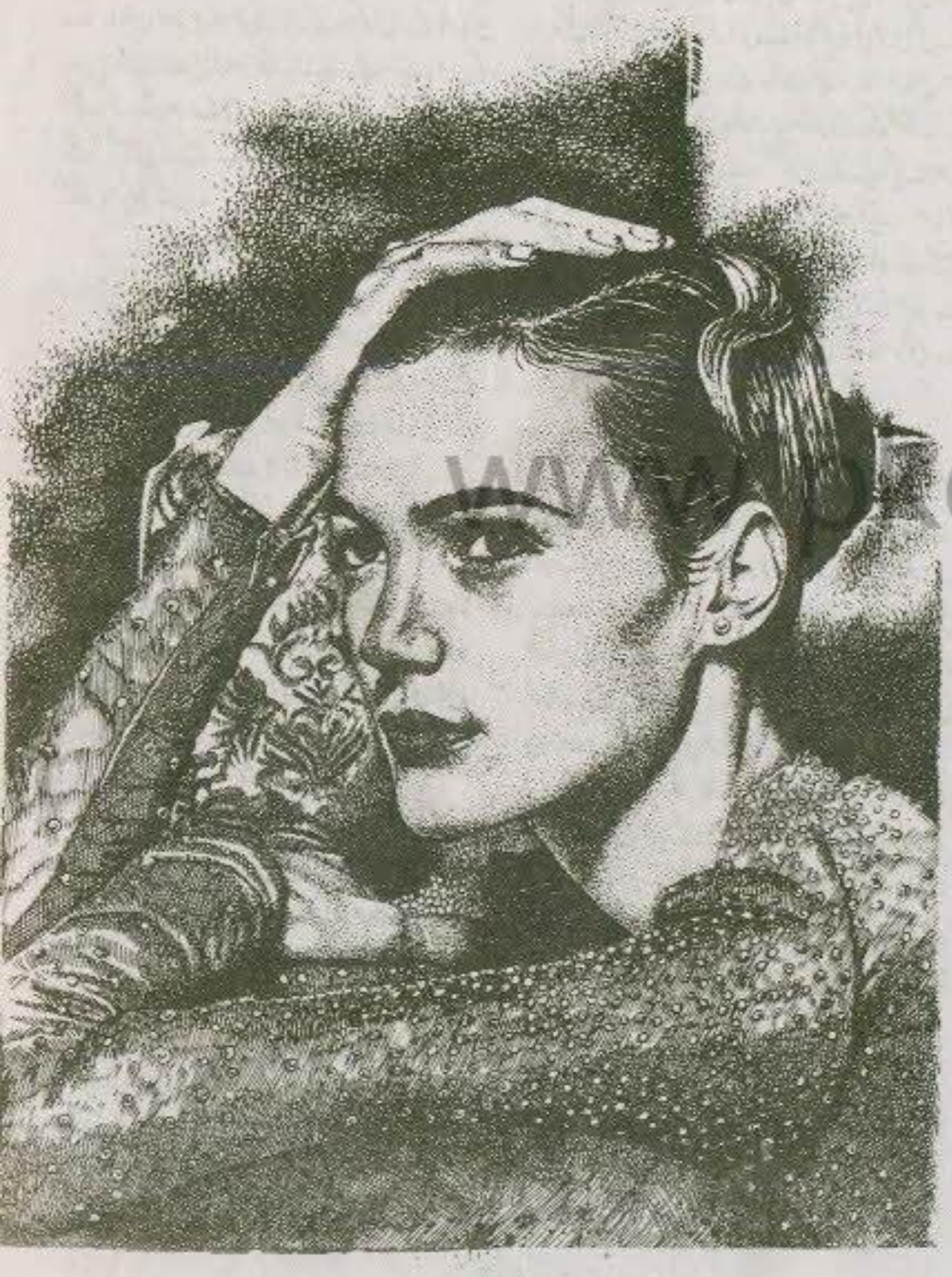

''بہت خوش فہمی ہے اپنے بارے میں۔''
سبرینہ نے سوچتے ہوئے دوسرا پیج پلٹا۔
''مجھے لگتا ہے کہ سبرینہ عام لڑکیوں سے مختلف ہے لیکن اس نے بھی سطحی حرکت کی اس نے مجھے لو لیٹر لکھا میں نے بھی اسے ٹھیک ٹھاک سنائیں شاید میں نے جذبات میں آکر غلطی کر دی کیوں کہ سب ہی کہہ رہے تھے کہ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے میرے دل کو کسی طرح چین نہیں مل رہا۔''

آگے کئی صفحات خالی تھے ایک صفحے پر تحریر لکھی ہوئی تھی، سبرینہ صفحے پلٹتے ہوئے پڑھنے لگی۔

''مجھے جب سے پتہ چلا ہے کہ وہ گھناؤنی حرکت حنا نے کی تھی محض سبرینہ کو مجھ سے دور کرنے کے لئے اس دن سے مجھے احساس ہوا حالت میں بیٹھی ہوئی تھیں اسے ہوش میں دیکھ کر پوچھ بیٹھیں۔
''کچھ نہیں ہوا امی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے میرا پیر سلپ ہو گیا تھا۔''
''سبرینہ دوا کھالو۔''
''ٹھہرو میں دودھ لے کر آتی ہوں۔'' امی کے جانے کے بعد وہ ابراہیم کا ہاتھ پکڑ کر رونے لگی ابراہیم گھبرا گیا۔
''کیا ہوا سبرینہ بہت زیادہ تکلیف ہو رہی ہے، ابھی تم دوا کھاؤ گی تو درد کم ہو جائے گا۔''
''میں درد کی وجہ سے نہیں رو رہی ابراہیم، آئی ایم سوری۔''
''سوری مگر کس بات کی لئے، کہیں تم سیڑھیوں سے گر کر خودکشی تو نہیں کرنے والی تھیں۔'' وہ شوخ لہجے میں بولا۔
''آپ کو مذاق کی سوجھ رہی ہے میں اپنے رویے کے لئے سوری کرنا چاہتی ہوں میں نے آپ کے ساتھ بہت برا کیا آپ کی محبت کو غلط سمجھتی رہی پلیز مجھے معاف کر دیں آپ کو آئندہ مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی آپ جو کہیں گے میں وہ کروں گی آپ کی ساری باتیں مانوں گی۔''
''یہ لو بیٹا دودھ کے ساتھ دوا لے لو۔'' امی گرم دودھ لے کر آگئیں، سبرینہ نے دوا کھالی تو وہ کپ اٹھا کر چلی گئیں۔
''ابھی تم کہہ رہی تھی کہ میری ہر بات مانو گی تو ادھر آؤ میرے ساتھ۔'' وہ اٹھنے لگی تو کمزوری سے اسے چکر آگئے ابراہیم نے اسے اپنی بانہوں میں اٹھا لیا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو گیا۔
''دیکھو سبرینہ تم روتی ہوئی کیسی لگ رہی ہو؟ آئندہ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں ایک ہی دن میں تم مرجھا کر رہ گئی ہو۔''
سبرینہ نے نظریں نیچی کر لیں ابراہیم نے اسے دوبارہ بیڈ پر لٹا دیا۔
''سبرینہ تمہیں پتہ ہے کہ میں نے امی سے شادی سے پہلے ایک وعدہ کیا تھا۔''
''کیسا وعدہ؟'' وہ حیران لہجے میں بولی۔
''یہی کہ جب میری شادی ہو گی تو ایک سال بعد ہی میرا بچہ آپ کی گود میں کھیلے گا۔''
سبرینہ شرم سے گلابی ہو گئی۔
''ارے یہ کیا تم شرمانے لگیں اتنے دنوں بعد تو یہ موسم آیا۔'' اس نے سبرینہ کا چہرہ اوپر کیا اور دونوں گالوں پر اپنے پیار کی محبت ثبت کر دی سبرینہ نے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں کیوں کہ غلط فہمیوں کی دیوار گر چکی تھی پیار کا گلابی موسم آگیا تھا۔

☆☆☆

www.urdudigest.com

کرتے تو پھر وہ کون تھی۔ تمہارے اتنے قریب اور تم اسقدر خوش؟ زمین کے پردے پر ایک بار پھر وہ تصویریں لہرائیں۔

میں تم سے کبھی نہیں پوچھونگی عبید تم خود بتانا۔ میں جانتی ہوں تم خود بتادو گے جب وقت آئیگا۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد جب عبید نیازی سونے کی کوشش کر رہا تھا اس کا فون ایک بار پھر بجا۔

''سوتم سوئے تو نہیں تھے ناں؟''

''نہیں سونے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''کھانا کھایا یا نہیں؟''

''نہیں''

''پھر نیند کیسے آئیگی؟''

''تم مسکرا کر گڈ نائٹ کہہ دو، آجائیگی۔''

''تمہیں کیسے معلوم میں نے گڈ نائٹ کہنے کے لئے فون کیا ہے؟''

''مجھے سب پتہ ہے میری زندگی۔''

''گڈ نائٹ، سویٹ ڈریمز، اللہ حافظ''

وہ مسکرا دیا اور آنکھیں موند لیں۔

☆.....☆.....☆

کمرے میں موتیا کی بھینی بھینی مہک پھیلی۔ اے سی بند ہونے کے باوجود ہلکی سی خنکی موجود تھی۔ اُسے موتیا کی خوشبو اپنے اندر سے اٹھتی محسوس ہوئی۔ بہت محنت سے اُس نے موتیا کے پھولوں اور کلیوں سے بھری یہ باسکٹ تیار کروائی تھی۔ موتیا کے پھول بھی محبوب کے مزاج کی طرح ہوتے ہیں۔ کبھی مہربان ہو کر برستے ہیں تو یوں کہ شہر کی ہر سڑک پر بے مول بک رہے ہوتے ہیں اور کبھی جب روٹھیں تو لاکھ مناؤ اور منتظر رہو اپنی موجودگی کے احساس سے سرشار نہیں ہونے دیتے۔

کھڑکی کے باہر نظر آنے والے لان میں رات اتر آئی تھی۔ اماوس کی رات، موتیا کا پودا اس کی نظروں سے اوجھل تھا۔ مگر وہ چند قیمتی گھڑیاں اور ان میں موجود موتیا کی خوشبو سے مہکتے وہ لفظ اس کی سماعتوں آج بھی مہکا رہے تھے۔

''عبید میرے موتیا کے پودے میں آج پہلا پھول کھلا ہے۔ اس کی ہیلو'' کے جواب میں وہ بولی تھی۔

''وقت کیا ہوا ہے؟ وہ نیند سے بوجھل آواز میں بولا۔''

''میں تمہیں اتنی دور سے اس لیے کال کر رہی ہوں کہ تم مجھ سے وقت پوچھو۔'' وہ ناراض ہونے لگی۔''

''بی بی اس لیے تو پوچھ رہا ہوں کہ کبھی وقت بھی دیکھ لیا کریں۔ میں لاہور میں نہیں سان فرانسکو میں ہوں اور اسوقت یہاں رات آدھی سے زیادہ بیت چکی ہے۔ شریف لوگ اسوقت ہو سو رہے ہوتے ہیں اور آپ مجھے فون کر کے یہ بتا رہی ہوں کہ آپ کے موتیا کے پودے میں پہلا پھول کھلا ہے۔'' عذیز واہ جی واہ'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

''ہاں مجھے پتہ ہے آپ کو اپنی نیند بہت عزیز ہے۔ آپ کو میرے موتیا کے پودے سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے!'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''ارے عجیب ہو تم۔ میری نیند خراب کر کے ناراض بھی اب خود ہی ہو رہی ہو۔ خفا تو مجھے ہونا چاہیے۔'' وہ اٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

''لو۔ اب جاگ گیا ہوں، اب بتاؤ کیا ہوتا رہا سارا دن؟''

''کچھ خاص نہیں۔ میں واک کر رہی تھی تو مجھے موتیا کی کلیاں دکھائی دیں۔ میں نے سوچا تمہیں بتاؤں۔ شاید یہ واحد چیز ہے جو ہم دونوں کی مشترکہ پسند ہے۔، ہے ناں؟''

''ہاں مناہل، بڑا عرصہ ہوا، موتیا کی خوشبو کو محسوس کیے، اپنے ملک کا چکر لگائے ہوئے۔ سوچ رہا ہوں یہ اسائنمنٹ مکمل ہو جائے تو کچھ بریک لے کر لاہور آجاؤں۔''

''میں تو تمہیں کب سے کہہ رہی ہوں۔ دیکھو کتنے لوگ منتظر ہیں تمہارے کیا پیسہ کمانا ہی سب کچھ ہے؟ اپنے بھی یاد نہیں رہے ناں؟''

''پاگل پیسہ کمانا کس کے لئے ہے؟ میرے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے پیروں میں مستقل سفر بندھا ہے۔ ورنہ کسے اکیلا رہنے کا شوق ہوتا ہے۔ در بدر کی خوادی الگ۔ مگر کام تو کرنا ہے۔ تم بھی تو ساتھ نہیں ہے کہ کہیں ٹھہر جاؤں۔ ایک گھر بنالوں تا کہ مجھے پتا ہو کہ میں دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں جہاں سے جب بھی سے لوٹوں گا تو میری مناہل میری منتظر ہوگی۔''

مناہل کی سانس ایک لمحہ کو تھم سی گئیں وہ کچھ نہ بول سکی۔

''عبید۔ تم پیرس میں گھر بنانا۔ دریا کنارے سین کے کنارے سنا ہے سین بہت خوبصورت ہے بہت رومینٹک۔''

''اگر میں دریا کنارے گھر بناؤں تو تم میرے ساتھ رہنے کے لیے آجاؤ گی؟ ابھی وعدہ کرو میں ایک مہینہ بعد پیرس میں سین کے کنارے ایک گھر میں تمہارا انتظار کر رہا ہونگا۔'' وہ دل کی آواز کو لفظوں کا جامہ پہنانے لگا۔

مناہل کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کو بلند ہونے سے روکا۔ کیا وہ واقعی ناشکری تھی جو اس کی محبتوں سے دور بھاگ رہی تھی۔

''تم جانتے ہو یہ ممکن نہیں ہے عبید نیازی ایک ادھوری عورت تمہیں کوئی خوشی نہیں دے سکتی۔ وہ سب خوشیاں جو میں تمہاری زندگی میں دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ دل کا درد چھپاتے ہوئے بولی تھی۔

''کوئی اس عورت کو یہ کیوں نہیں بتاتا کہ اس کے بغیر عبید نیازی کی زندگی ادھوری ہے۔ ہر خوشی میں ایک الجھن۔ ہر ہنسی کھوکھلی ہے۔ جو خوشیاں ہم مل کر کشید کر سکتے ہیں انکے لیے کیوں ترسیں؟'' یہ بات سمجھاتے وہ سمجھاتے وہ اب تھکنے لگا تھا۔

''چند لمحوں کی خوشیوں کے لیے ہمیشہ کا عظیم دکھ اٹھانا کہاں کی عقلمندی ہے؟'' مناہل کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''بے نام اندیشوں کی خاطر اپنی خوشیوں کو ٹھوکر مارنا دنیا کی سب سے بڑی بے وقوفی ہے!'' وہ بڑی چاہت سے سے بولا تھا۔

''تم جانتے ہو یہ یہ بحث بے کار ہے۔ ہم پہلے بھی کئی بار اس پر بات پر بحث کر چکے ہیں۔ اور نتیجہ وہی صفر ہے۔ پھر وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے!'' وہ دھیمی آواز میں بولی

''نہیں آج وقت ضائع ہو جانے دو۔ مجھے ایک فیصلہ کر لینے دو اب مجھ سے مذید انتظار نہیں ہو رہا دیکھوں۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں مناہل پورے ہوش وحواس میں مجھے بچوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے بس تم ہی کافی ہو۔ میں اپنی فیملی بنانا چاہتا ہوں جہاں سوائے مناہل مجھے کسی اور کی ضرورت نہیں تمہارے سوا میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ محبت تو تم سے ہمیشہ سے ہے میں اس محبت کو اب ایک پائیدار رشتے میں بدلنا چاہتا ہوں تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے نام کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں اپنا نام دینا چاہتا ہوں۔ ساری دنیا کو بتانا چاہتا ہوں کہ مناہل میری ہے صرف میری۔ زندگی کا کسے پتہ ہے۔ تم پہلے جاؤ گی یا میں تو کیا زندگی کے اتجانے اندیشوں کے خوف سے یہ جو چھوٹی چھوٹی سی خوشیاں ہم گنوا رہے ہیں۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے؟''

''زندگی تو کم ہے بہت کم یہ طے ہے عبید اب فرض کرو میں تمہارا ہاتھ تمام بھی لوں تو کیا ہوگا آگے جانتے ہو پھر میرے علاج کے لیے خوار ہونا پڑے گا چلو یہ بھی مان لیتی ہوں کہ تم میرے علاج کے لیے دنیا میں جگہ جگہ مجھے لیے پھرو گے مگر جب کچھ عرصہ اور گزرا جائے گا بعد میں احساس ستانے لگے گا کہ ہم اکیلے ہیں ہمارے ہاں اولاد نہیں ہمارا آنگن خالی ہے معصوم بچوں کی قلکاریوں سے، تب میری مستقل بیماری سے تم بیزار ہونے لگو گے۔ تمہیں اس زندگی سے بیزاری ہونے لگی گی۔ پھر کیا کرو گے عبید؟'' وہ ساری محبت بیزاری میں بدل جائیگی اور وہ دکھ بہت بڑا ہوگا۔ اس دوری کے دکھ سے بھی بڑا جو اسوقت

www.pkdigest.com

ہے۔ مگر میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ میں اس وقت کچھ نہیں بنا سکتا اور فریج میں کچھ ہے بھی نہیں پکانے کو۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"فضول باتیں نہیں کرو۔ فریج میں بریڈ تو ضرور رکھی ہوگی اور انڈے بھی ہونگے۔ جاؤ آملیٹ بنا کر کھالو۔"

"نہیں مجھے آملیٹ نہیں کھانا"

"تو پھر انڈے ابال لو"

"نہیں آئی ہیٹ بوائل ایگ" وہ نخرے کرنے لگا۔

"تو پھر دودھ ہی پی لو۔"

"دودھ نہیں ہے ختم ہوگیا ہے۔"

"اف اللہ میاں۔ خشک دودھ تو رکھا ہے نا کچن کی لیفٹ سائڈ کی آخر سے ایک پہلے والے کینٹ میں دیکھو۔ جاؤ شاباش۔"

"مناہل تم نے CID لگائی ہوئی ہے میرے پیچھے؟ تمہیں میری کچن کی کینٹ کے اندر کیا ہے، یہ بھی پتہ ہے!" وہ چیخ پڑا

"ہاں میری CID بہت تیز ہے۔ وہ مجھے یہ بھی بتائی ہے کہ اسوقت آپ کے ذہن میں کیا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی

"اچھا تو ذرا بتایئے کہ اسوقت میرے ذہن میں کیا ہے؟" وہ بھی جیسے مزہ لیتے ہوئے بولا

"اسوقت آپ کے ذہن میں وہ حسینہ ہے جو روم میں آپ کے ساتھ تھی۔ وہی جس کی خوشبو ابھی تک آپ کی جیکٹ سے گئی نہیں۔"

"اف جیلس وومن وہ حسینہ میرے ذہن میں تو نہیں البتہ آپ کی سوچوں میں ضرور موجود ہے۔ بے چین ہو رہی ہوناں تم اس کے بارے میں جاننے کیلیے؟" وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"نہیں اب کیا جاننے کو باقی ہے۔ Piazza Novana کے کیفے میں اسے آپ کے ساتھ کافی پیتے دیکھا۔ تریوی فوارے میں آپ نے سکہ یہی سوچ کر ڈالا تھا ناں کہ پھر جلدی روم واپسی ہو تو اس سے دوبارہ ملاقات ہو سکے۔" عبید کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ہاں یہ سچ ہے میں نے تریوی فوارے میں سکہ اسی لیے ڈالا تھا کہ جلد واپسی ہو سکے مگر کیا تمہیں پتہ ہے میں نے تریوی فوارے میں دو سکے ڈالے تھے۔ ایک میرا اور ایک تمہارا تا کہ اگلی بار روم آؤں تو مناہل بھی میرے ساتھ ہو اور میں اس کے ساتھ وہ ساری رومینٹک جگہ دیکھ سکوں جن کے بارے میں ابھی تک ہم نے صرف کتابوں میں پڑھا ہے۔"

مناہل لب بستہ رہ گئی۔ یہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ ہر بار بات کرنے پر اسے ہی احساس ہوتا تھا کہ وہ اسے کتنا کم جانتی ہے وہ تو اس کے گمان سے بڑھ کر اُسے چاہتا ہے۔ جتنی محبت وہ اس سے کرتی ہے، شاید اُس سے بھی کئی گنا بڑھ کر وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

"عبید کیا وہ تمہارے لیے بہت اہم ہے۔" اس نے ایکدم سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"نہیں مناہل ابھی تو نہیں۔ She is not important as yet لیکن شاید ایسا ہو جائے۔ وہ مجھے بہت دلچسپ لگی ہے۔ اس کے خیالات بہت وسیع ہیں وہ میری اچھی دوست بن گئی ہے۔ شاید میں کچھ سوچنے لگوں دوست سے بڑھ کر اس کے بارے میں لیکن ابھی ایسا کچھ نہیں ہے۔ جب ہوگا میں تمہیں خود ہی بتاؤں گا۔" وہ رسان سے کہنے لگا۔"

اس کا نام ایلزبتھ ہے۔ لندن میں رہتی ہے۔ پبلک ہیلتھ کے شعبہ سے وابستہ ہے اور یو این کی کانفرس کے سلسلے میں ہی وہ بھی سیمینار میں شرکت کرنے آئی تھی وہیں دوستی ہوئی اُس سے اچھی، لڑکی ہے۔ کچھ مختلف لگا مجھے اُس میں اور تصویر تو تم اس کی دیکھ چکی ہو تمہیں کیسی لگی؟" آخر میں وہ اس سے پوچھنے لگا۔

"اچھی ہے، کافی خوبصورت ہے۔" اس نے ایمانداری سے جواب دیا۔

"اچھی پسند ہے نا میری؟" وہ اسے چڑانے لگا۔

"ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں۔" وہ بھی مسکرادی۔

"کیا تمہیں اس سے محبت ہوگئی ہے عبید؟" شاید کوئی خدشہ سر اٹھانے لگا اس کے اندر۔

"نہیں مناہل مجھے محبت تو ہو چکی اور تم جانتی ہو محبت زندگی میں بندہ ایک بار ہی کرتا ہے اور میں نے محبت صرف تم سے کی ہے اب تو میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ایک گھر بنانا چاہتا ہوں ماں کو خوش کرنے کے لیے، اس لیے یہ فیصلہ میں بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہتا ہوں۔ عجیب مرحلے ہیں زندگی کی کیا کیا مجبوریاں ہیں۔" وہ گہری سوچ میں تھا۔

"ہاں خوبصورت مجبوریاں۔" وہ استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولی۔

"مجھے اس مجبوری کے مرحلے تک لانے والی بھی تم ہی ہو مناہل پیرزادہ"

"ہاں اب سارا قصور میرا ٹھہرا۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"خیر خوش رہو عبید نیازی، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

☆.....☆.....☆

وہ ڈریسنگ روم میں کھڑی تھی، آئینہ میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔ وہ آج خوبصورت لگنا چاہتی تھی، بے انتہا خوبصورت اتنی حسین کہ وہ اپنی نظریں اس پر سے ہٹا نہ سکے، اسقدر دلکش کہ صرف ایک لمحے کو ہی سہی وہ سب کچھ بھول جائے حتی کہ سانس لینا بھی!

"اُس نے وہ سیاہ لباس پہن لیا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے مقابل بیٹھ کر میک اپ کرنے لگی عبید کو گہرا میک اپ پسند نہیں تھا۔ اُسے پسند تھا تو صرف آنکھوں کا کاجل وہ کہتا تھا دو مناہل تمہاری آنکھوں میں کاجل یوں لگتا ہے جیسے گہرے آسمان میں چمکتے ستارے" اُس نے پنک لپ گلوس لگایا اور اپنا جائزہ لینے لگی۔ اُسے آج خوبصورت نظر آنے کے لیے محنت نہیں کرنا پڑی تھی آج وہ قدرتی طور پر بہت حسین لگ رہی تھی، بہت نکھری بہت تر و تازہ بہت پرکشش۔ بیس منٹ بعد جب اس نے اپنے سراپا جانچنے کے لیے آئینہ پر نظر ڈالی تو خود بھی مبہوت رہ گئی، وہ خوبصورت تھی یہ تو وہ جانتی تھی مگر اتنی حسین اس اسے اندازہ نہ تھا، بڑی مشکل سے اس نے اس پر سے اپنی نظریں ہٹائی تھیں۔

☆.....☆.....☆

"ہیلو عبید۔"

"ہیلو مناہل گڈ مارننگ۔"

"گڈ مارننگ عبید یہاں بارش ہو رہی ہے کل سے سب کچھ اتنا نکھر گیا ہے۔ اتنا اچھا لگ رہا ہے۔ میں نے آلو کے پراٹھے بنائے ہیں ساتھ میں پودینے کی چٹنی اور گرم گرم چائے الائچی والی۔ پلیز جلدی سے آجاؤ۔ یہ دیکھو ٹیبل پر دو پلیٹس اور دو کپس رکھے ہیں۔ مجھ سے اکیلے نہیں کھایا جا رہا۔ پلیز تم آجاؤ۔" وہ بہت پیار بہت مان سے کہہ رہی تھی۔ عبید نیازی کا دل دھڑکنے لگا۔

"ہاں مناہل I wod love to، لو میں سامنے بیٹھا ہوں۔ جلدی سے میرے منہ میں نوالہ ڈالو۔"

"او گڈ ہے مدمزکا خاتون آپ تو بڑی اچھی کک بن گئی ہیں۔"

"بن گئی ہیں کیا مطلب میں ہمیشہ سے اچھی کک ہوں۔"

"ہاں شاید" وہ گم صم تھا۔

"کیا ہوا خاموش کیوں ہو؟ کیا سوچ رہے ہو؟"

"مناہل اچھا ہوا تم نے فون کر لیا۔ میں ابھی تمہیں کال کرنے ہی والا تھا۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔" اس کی سنجیدہ سی آواز مناہل کا دل دھڑکانے لگی۔

"ایلزبتھ کچھ دنوں کے لیے پیرس آرہی ہے۔" وہ ایک لمحہ کو ٹھہرا۔

www.pkdigest.com

''ہم کچھ عرصہ تک ساتھ رہ کر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں ایک دوسرے کو سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ آگے زندگی میں گزارہ بھی ہوسکتا کہ نہیں ہم ایک دوسرے کے ساتھ مطمئن ہیں بھی کہ نہیں۔'' وہ چپ ہوا تو وہ بول پڑی۔

''یا یہ کہ ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہے کہ نہیں''

''محبت کو درمیان میں مت لاؤ مناہل میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ محبت اب نہیں ہوگی۔ اب صرف شادی ہوگی ایک سمجھوتہ ہوگا۔'' اس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں محبت کو درمیان میں نہ لایا جائے، حالانکہ ایک حسین عورت جو آپ کو پسند بھی ہو، آپ کی دوست بھی ہو، جس کے ساتھ آپ اپنا بیشتر وقت گزارتے ہوں جس کے ساتھ اپنی باتیں شیئر کرتے ہوں۔ جو آپ کی قدر کرتی ہو، جو آپ کے ساتھ رہنے کے لیے اپنا شہر چھوڑ کر آرہی ہو، بس محبت درمیان نہ ہو، باقی چاہے اسے جو بھی نام دے لو۔'' وہ چڑنے لگی۔

''بیشتر وقت؟'' ''تم جانتی ہو میرا بیشتر وقت کہاں گزرتا ہے مناہل تم میری زندگی کے ہر حصہ کی مصروفیت سے واقف ہو۔'' وہ غصہ سے بولا۔

''تھی۔'' وہ جیسی چیخی تھی عبید نیازی صاحب پچھلے چار مہینوں میں کتنی بار بات کی ہے آپ نے مجھ سے میری کتنی ای میل کے جواب دیے۔ مجھے کتنی بار کال کی۔ آن لائن ہوتے ہوئے بھی میرے میسج کا جواب نہیں دیا تم نے جب کی تو سوائے چند باتوں کے آپ سے بات ہی نہیں ہو پائی۔ ہمارے درمیان کبھی خاموشی نہیں تھی عبید نیازی پچھلے کچھ ''مہینے سے ہماری گفتگو میں خاموشی ہی خاموشی ہے۔ تم دور ہو رہے ہو مجھ سے شاید تمہیں خود بھی خبر نہیں ہے۔'' وہ بری طرح بھڑک گئی تھی، بے نیازی کا چڑھایا خول آج گیا تھا۔

''مناہل پیرزادہ میری روح کا حصہ ہے میں اس سے کبھی دور نہیں ہوسکتا۔ ہاں میں مانتا ہوں کچھ عرصہ سے میں لز کو وقت دے رہا ہوں کیونکہ مجھے اُسے وقت دینا پڑ رہا ہے ورنہ میں اُسے کیسے جان پاؤں گا کیونکہ میں اس رشتہ کو ہمیشہ لیکر چلنا چاہتا ہوں، وقت گزاری نہیں کر رہا۔ مجھے اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے وقت دینا پڑ رہا ہے۔'' وہ اپنی صفائی میں بولا

''میرے حصہ کا وقت بھی؟'' مناہل کے لہجے میں نمی تھی۔

''آئی ایم سوری زندگی لیکن یہ حقیقت ہے اور یہ سب تو ہوگا۔ شراکت اور حصہ داری تو اب ہوگی ہی۔ کہا تھا ناں تم سے میں نے، یہ اتنا آسان نہیں ہوگا تمہارے لیے۔ تب تم نے مانی تھی میری بات۔''

''میں تمہیں اس کے قریب ہونے سے تو نہیں روک رہی میں تو تم سے یہ کہہ رہی ہوں کہ تم مجھ سے دور کیوں ہو رہے ہو؟ کچھ عرصہ بعد جب تمہیں اُس سے محبت ہو جائے گی تو مناہل پیرزادہ تمہیں یاد بھی نہیں رہے گی ہمیشہ رہنے والی محبت کے دعوے ہوا میں دھواں بن کر تحلیل ہو جائیں گے۔ یہی ہوا کرتا ہے ناں؟ ہمارے رشتہ میں بھی یہی ہی ہوگا؟'' اب کے وہ اپنے آنسو روک نہ پائی

''یہ تمہارے بے بنیاد خدشے ہیں۔ مجھے لز سے محبت نہیں ہے ہم صرف اچھے دوست ہیں۔ ابھی تو مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ میں اس سے شادی کروں گا بھی یا نہیں۔ یہ سب ابھی دور کی باتیں ہیں۔ میں نے کبھی تم سے کچھ تم سے کچھ چھپایا نہیں اس لیے یہ ضروری سمجھا کہ تمہیں بتا دوں کہ وہ چند روز میرے ساتھ رہے گی۔''

''شکر یہ عبید نیازی اس مہربانی کا'' اس نے اپنا سیل فون آف کر دیا اور اسے اٹھا کر دور پھینک دیا۔ پتہ نہیں وہ کچن کے کس کونے میں جا کر گرا اسے ہوش نہیں تھا۔ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں آئی اور کونے میں رکھے چھوٹے سے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔ وہ

ابھی تک سکتے کی کیفیت میں تھی۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ یہ سب واقعی ہونے جا رہا ہے۔ عبید نیازی کی زندگی میں اس کے علاوہ کوئی دوسری عورت آرہی ہے۔ جس کے ساتھ وہ اسی طرح بات کرے گا جیسے اس سے کرتا ہے۔ اُسی طرح سنے گا جیسے مناہل کے ہوتے ہوئے سنا کرتا ہے۔ جن نظروں میں صرف اس کے لیے محبت تھی اب اس دوسری عورت کے لیے بھی ہوگی۔ وہ اپنے دن رات کے معمولات جو صرف مناہل سے شیئر کرتا تھا۔ اب ایلزبتھ آسٹن اسے ہر لمحہ کی ساتھی ہوگی۔ اُس سے تو وہ ہزاروں میل کے فاصلے پر تھا اور وہ اس کے پہلو میں ہوگی۔ اس کے گھر میں کام کرتی ہوئی اس کے کچن میں کھانا بناتی ہوئی اس کے لاؤنج میں TV دیکھتی ہوئی، اس کی tread mill پر واک کرتی ہوئی اس کے بیڈ روم میں.....

اُس نے دکھ سے آنکھیں میچ لیں۔ اس کی سانس رکنے لگی۔ وہ تو اسے کسی اور کے ساتھ سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور اب اس زندہ حقیقت کے روپ میں موجود لز کو وہ عبید کے ساتھ کیسے دیکھ پائے گی۔ اس کے سینے میں درد ہونے لگا۔ تکلیف سے اس نے بائیں جانب سینے پر ہاتھ رکھا۔ ہمیشہ آنسو سے بھر جانے والی آنکھیں آج اس سے یکدم خشک ہو چکی تھیں۔

''کاش تم مجھے نہ بتاتے کہ وہ تمہارے پاس رہنے آرہی ہے۔'' اُس نے حسرت سے سوچا ''کاش یہ سب خواب ہو، کاش میں آنکھیں کھولوں اور تمہیں کال کروں اور یہ سب بتاؤں تو تم کہو، دو مناہل تم جھوٹے خواب کیوں دیکھتی ہو'' کاش کہ ایک بار عبید تم وکہہ دو کہ تم نے مجھ سے مذاق کیا تھا۔

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سسکنے لگی۔ اچانک سے کوئی شے اسے چبھنے لگی۔ اس نے اپنی کلاس میں موجود برسیلٹ کو اتار پھینکا اور پھر باری باری اپنا سب زیور اتارنے لگی، انگلیوں میں موجود انگلیوٹھیاں، کانوں میں پہنی بالیاں گلے میں ہمیشہ پہنے جانے والی سنہری زنجیر بھی اس نے کھینچ کر توڑ دی، اس کا جی چاہنے لگا وہ کہیں بھاگ جائے، حقیقت سے منہ چھپا لے جہاں کوئی عبید نیازی نہ ہو، جہاں کوئی ایلزبتھ آسٹن نہ ہو، جہاں مناہل پیرزادہ کوئی وجود نہ رکھتی ہو، وہ سسکتی رہی مگر اس کی آنکھوں سے ایک آنسو نہ نکل پایا اور جب نقاہت سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اسوقت اس کے ذہن میں صرف ایک تصویر تھی۔ مسکراتا ہوا عبید نیازی اور اس کے پہلو سے لگی لز آسٹن۔

☆.....☆.....☆

سانس لینے سے بھی بھرتا نہیں سینے کا خلا
جانے کیا شے ہے جو بے دخل ہوئی ہے میں

''تم .....تم یہاں؟'' وہ حیرت سے آنکھیں پٹپٹانے لگی۔ ہسپتال کے ٹھنڈے، یخ بے احساس اور بے روح کمرے میں جیسے اس کے حواس بھی منجمد ہو گئے تھے اُسے یقین تھا کہ وہ عبید نیازی کو جو اپنے سامنے مجسم دیکھ رہی ہے وہ صرف ایک گمان تھا یا پھر شاید سراب۔

''ہاں، میں تم خواب نہیں دیکھ رہی ہو۔'' اس کی آواز میں اضطراب تھا۔

''یہ دیکھو۔'' اس نے دھیرے سے اسکے کینولا لگے ہاتھ کو چھوا۔

مناہل کو جیسے کوئی جھٹکا لگا۔ اس نے کھینچ کر اپنا ہاتھ دور کر لیا۔

''مت چھوؤ مجھے'' وہ زور سے بولی۔

''کیوں اچھوت ہو گیا ہوں میں اب کیا؟'' وہ ہنس کر بولا

''نہیں تم مجھے ان ہاتھوں سے نہیں چھو سکتے جن ہاتھوں سے تم نے اُسے چھوا ہے۔'' وہ دکھ سے کہنے لگی۔

''اتنی نفرت کرنے لگی ہو مجھ سے تو اپنی یہ حالت کیوں بنالی ہے؟ میں پاگلوں کی طرح ہر جگہ ڈھونڈتا رہا تمہیں۔ میرا کوئی احساس نہیں ہوا تم

www.pkdigest.com

کو؟ تمہارا فون بند اور نیٹ پر سے تم غائب گھر کا فون اٹینڈ نہیں ہو رہا تھا۔ تھک ہار کر جب آنٹی کا نمبر ملایا۔ تو پتہ چلا تم نے اپنی یہ حالت کر لی ہے کہ ہسپتال پہنچی ہوئی ہو۔ اگر میں تمارے لیے اتنا اہم ہوں تو شادی کیوں نہیں کر لیتیں مجھ سے اور اگر مجھ سے نفرت ہی کرنا ہے تو اپنا حال کیوں خراب کیا؟ کیوں میری اور اپنی زندگیوں کو مشکل تر بنا رہی ہو مناہل۔ تم جانتی ہو میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ مناہل نے اسے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ لرز کر رہ گئی۔

"عبید میں ٹھیک ہوں۔ پلیز تم روؤ نہیں۔ تمہیں پتہ ہے ناں میں بیمار رہتی ہوں یہ بس معمول کا چکر تھا ہسپتال کا ایک دو روز میں گھر چلی جاؤں گی۔ آئی پرامس۔" وہ لہجے میں مصنوعی بشاشت لانے کی کوشش کرنے لگی۔

"ہاں معمول کا چکر ہے۔ نانی ماں کا گھر ہو گیا گویا، ہسپتال نہ ہوا۔ تم دنیا میں کسی سے بھی جھوٹ بول لو مناہل لیکن مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکتیں۔ آج سب کچھ کہہ دو پلیز بولو میں کیا کروں میں شادی نہ کروں۔ تم کہہ دو ایک بار، میں نہیں کروں گا شادی سب کچھ چھوڑ کر لاہور آ جاؤں؟ ٹھیک ہے آ جاتا ہوں پھر؟ کیا تمہارا فیصلہ تبدیل ہو گا؟ نہیں ناں تو پھر زندگی یوں کیسے گزرے گی۔ تم اور میں یونہی دور دور ہیں۔ تو پھر یہ بہتر نہیں ہے کہ میں خود کو بہت مصروف کر لوں تاکہ یہ جو زندگی کے ہر پل میں ہر موڑ پر تمہاری کمی ہے وہ کم سے کم محسوس کروں اور کیا کروں میں، تم ہی بتا دو؟" اس کے لہجے کی بے بسی مناہل کا دل دکھانے لگی۔

"نہیں عبید ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم وہیں رہو جہاں ہو، میں جانتی ہوں تمہیں بہت آگے جانا ہے۔ اپنے کیریئر میں۔ میں چاہتی ہوں تم بہت اوپر جاؤ، بہت ترقی کرو میں ہمیشہ تم پر فخر کرنا چاہتی ہوں۔ تمہاری ایک پیاری سی بیوی ہو، کیوٹ کیوٹ سے بچے ہوں، ایک مکمل زندگی ہو۔ میں تو اتنے سارے دنوں میں تمہارے لیے، تمہاری خوشیوں کے لیے بہت دعا کر لی رہی ہوں۔

پلیز تم مجھے غلط مت سمجھو میرے لیے یہ سب بہت Shocking تھا۔ مجھے عرصہ ہوا تھا میں نے اپنا خیال نہیں رکھا وقت پر دوا نہیں لی اس لیے میری طبیعت خراب ہو گئی۔ لیکن عبید تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے یقین آ گیا ہے کہ ہماری محبت سچی ہے کبھی نہ ختم ہونے والی چاہے ہماری زندگیوں میں کتنی بھی تبدیلیاں آ جائیں میں تم سے کبھی نہیں پوچھوں گی کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو یا نہیں۔ مجھے اب وہ جاننے کی ضرورت نہیں رہی۔ مجھے یقین ہے تم جہاں رہو گے، جس کسی کے بھی ساتھ رہو گے، میرے ہی رہو گے۔" اس نے کہتے ہوئے عبید کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ چند لمحوں کو ٹھہری پھر گویا ہوئی۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"I apologize میں اب کبھی تنگ نہیں کروں گی تمہیں۔" وہ بھیگی آنکھوں اور مرزتے ہونٹوں سے مسکرا دی

"accepted" اس نے ہاتھ بڑھا کر مناہل کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں پر چن لیے۔

☆.....☆.....☆

کانوں میں ڈائمنڈ ایرنگز پہنتے ہوئے اس کے ہاتھ ہولے لرز رہے تھے۔ اس نے Gucci کا برسلیٹ اٹھایا جو عبید اس کے لیے پیرس سے لایا تھا۔ وہ اس کے ایک ایک نگینے کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چھو کر محسوس کرنے لگی۔ یوں جیسے یہ نگینے نہ ہوں عبید نیازی کی آنکھوں سے بہنے والے وہ چند موتی ہوں جو اس نے مناہل کی محبت میں بہائے تھے۔ اس نے برسلیٹ پہن لیا۔ دوسری کلائی میں موتیا کی کلیوں سے گندھا کنگن پہنا۔ پھر اس کی نظر اپنی انگلیوں پر پڑی۔ وہاں کوئی انگوٹھی نہیں تھی جانے کیوں کچھ سوچ کر وہ مسکرا دی آنکھوں میں یادوں کے ننھے ننھے دیے پھر روشن ہونے لگے۔

پرفیوم کی بوتل اٹھائی اور خود

پر Spray کرنے لگی۔ پھر اس نے سینڈلز پہنے اور پھر کسی سحر زدہ کی طرح آئینے میں اپنا سراپا دیکھنے لگی۔ سب کچھ مکمل تھا۔ سوائے اس ایک منظر کے آئینے میں اس کا عکس اکیلا تھا۔ وہاں مناہل پیرزادہ تو تھی عبید مگر نیازی نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

صبح سویرے جب ابھی وہ اپنے بستر سے باہر بھی نہیں نکلی تھی اس کا سیل فون بج اٹھا جانے کیوں اُسے رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔ شاید انجانے میں اُسے اس کی کال کا انتظار تھا۔

"مناہل کیسی ہو؟" دوسری طرف عبید نیازی کی تھکی تھکی سی آواز سنائی دی۔

"میں ٹھیک ہوں اور تم؟" کچھ کھونے کا دکھ تو اس کی آواز میں بھی کر رہا تھا۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں" وہ مرجھائی سی آواز میں بولا۔

"کیا ہوا؟ سب ٹھیک تو ہے ناں؟ اسوقت تمہارے ہاں آدھی رات بیت چکی ہے تم کیوں جاگ رہے ہو اب تک؟" وہ پریشانی سے ایک کے بعد دوسرا سوال پوچھتی چلی گئی۔

"ہاں آدھی رات تو واقعی گزر چکی ہے مگر میں جاگ رہا ہوں۔ دو دن سے نہیں سویا۔ اسوقت اپنی بالکونی میں کھڑا ہوں۔ ایک ہاتھ میں سگریٹ ہے اور دوسرے میں فون سامنے سین نظر آ رہا ہے مناہل، وہی تمہارا سین تم بہت یاد آ رہی ہو اس وقت ہو۔ چاند نکلا ہوا ہے سب کچھ کتنا رومینٹک ہوتا اگر تم یہاں ہوتیں۔" اس کی آواز میں نمی تھی۔ مناہل کو محسوس ہوا وہ رو رہا ہے۔ اس کا بھی دل بھر آیا۔

"عبید میں تمہارے پاس ہی ہوں۔ تم ہی کہتے ہو یہ فاصلے کچھ معنی نہیں رکھتے ہمارے رشتہ میں۔"

"رکھتے ہیں۔ آج احساس ہونے لگا ہے۔ آج فاصلہ بہت شدت سے محسوس ہو رہا ہے مناہل۔"

"ایک لمحہ کو چپ ہوا۔" مناہل میں صبح پیپرز سائن کو رہا ہوں۔ میں اور ایلزبتھ صبح شادی کر رہے ہیں۔ مناہل کی سانسیں اور دھڑکن سب ایک لمحہ کو تھم گئیں۔ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ ہاتھ میں پکڑا سیل فون لرزنے لگا۔ آنسوؤں کا گولا حلق بند کر گیا۔ بہت مشکلوں سے اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ مگر اس کے باوجود لفظ ادا نہیں ہو پائے۔

بہت طویل خاموشی کا وقفہ تھا۔ ایسا لگا سب کچھ ساکت ہو گیا ہے صرف دھڑکنیں گویا تھیں اور ان دونوں کے احساس ہمہ تن گوش۔

"بہت مبارک ہو" بہت دیر بعد وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"اپنا خیال رکھنا مناہل تم نے وعدہ کیا ہے مجھ سے۔" وہ بدستور نم لہجے میں بولا

"ہاں عبید مجھے یاد ہے اپنا وعدہ۔" وہ آنکھیں بند کر کے بولی تو آنسو بہہ نکلے اس نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کو روکا اور جان ہاتھوں سے فون بیڈ پر پھینک دیا۔

☆.....☆.....☆

میریٹ کے پول سائڈ تک جانے والی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اس کی ٹانگیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں وہ نپے تلے قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کی چال میں ایک تمکنت تھی وقار تھا۔ وہ اسقدر خوبصورت تھی کہ راستہ میں چلتے لوگوں نے اُسے گزرتے ہوئے دیکھا ایک لمحہ ساکن رہ گئے۔ شاید وہ کوئی ساحرہ تھی جو اپنے حسن سے سب لوگوں کو مسحور کر رہی تھی۔ اس کی تقریب میں آمد کے بعد کچھ بھی خوبصورت نہیں لگ رہا تھا۔ ساری چکا چوند جیسے ماند پڑنے لگی تھی۔ لوگ مبہوت تھے۔ اپنی حسین دلہن کے پہلو میں بیٹھے عبید نیازی سمیت!

عبید کی نظر اس پر پڑی تو وہ دم بخود رہ گیا۔ اس نے یہ تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ ہاں آئیگی اس کا خیال تھا کہ مناہل کبھی بھی اس تقریب میں شرکت کرنے کے لئے نہیں آئے گی لیکن وہ آ گئی تھی اور آئی بھی تو قدر جلوے بے بھیکرتی ہوئی اس کے بندیدہ سیاہ

www.pkdigest.com

لباس میں اسقدر تیاری سمیت اس کا شہزادیوں سا لمبا سا سیاہ لباس اس کے جسم پر سرسرا دیا تھا تو اس کے نگینے ستاروں کی طرح دمکتے ہوئے، آنکھوں کو خیرہ کرتے تھے۔ اس کی زلفیں ریشم کے لچھوں کی طرح اس کے وجود کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ اس کے کانوں میں دمکتے ہوئے آویزے ہاتھوں میں اسی کا دیا ہوا بریسلٹ دوسرے ہاتھ میں پہنا موتیا کا کنگن، عبید نیازی کو جانے کیا کچھ یاد آنے لگا۔ اُسے وہ مہکتی رات یاد آنے لگی جب اس نے مناہل کو اپنی دلہن کے روپ میں سوچا تھا اور اس سے کہہ بھی دیا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کی مناہل خوبصورت تھی مگر اسقدر حسین تو وہ آج سے پہلے کبھی نہیں لگی تھی۔ اس کی دھڑکن بکھرنے لگی۔ عبید نیازی سب کچھ بھول گیا۔ حتیٰ کہ پہلو میں بیٹھی اپنی دلہن کو بھی یہاں تک کہ سانس لینا بھی۔

وہ سج سج کر قدم رکھتی اس صوفہ تک آئی جہاں عبید نیازی دولہا کے روپ میں موجود تھا۔ بلیک ڈنر سوٹ میں وہ انتہائی خوبصورت لگ رہا تھا۔ جتنا کہ مناہل کا خیال تھا وہ لگے گا۔

وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھی اور عبید کے مقابل کھڑی ہوگئی۔

"بہت مبارک ہو۔" اس نے انگریزی میں اسے مخاطب کیا۔ عبید اب اپنی نشست چھوڑ چکا تھا اس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔

"اوہ عبید تم بہت خوش قسمت ہو۔ لذ تو بہت پیاری لگ رہی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اسقدر خوبصورت دلہن نہیں دیکھی۔"

وہ مستقل انگریزی بول رہی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایلزبتھ کو اردو نہیں آتی۔ عبید نے بھی انگریزی ہی میں جواب دیا۔

"ہاں یہ سچ ہے میں نے واقعی اپنی زندگی میں اس قدر خوبصورت دلہن نہیں دیکھی۔" وہ ایک ٹک، پلک جھپکے بغیر مناہل کو دیکھ رہا تھا، مناہل نے نظریں چرالیں۔ وہ سمجھ رہی تھی جو وہ کہہ رہا تھا صرف وہی سمجھ رہی تھی۔ لمحے ساکت ہونے لگے۔ لوگ تحلیل ہونے لگے یوں لگ رہا تھا وہاں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے اور ایسا ہمیشہ ہی ہوا کرتا تھا۔ جب بھی وہ دونوں قریب ہوتے سب منظر دھندلانے لگتے۔ ہوا تھم جاتی فضا دم سادھ لیتی، اس وقت صرف دھڑکنیں بولتی تھیں اور دونوں کی روحیں سنتی تھیں، آنکھیں مسکراتی اور لب خاموش ہوتے، اور وقت، وقت گویا آگے بڑھنے سے انکار کر دیتا تھا۔

"اپنی دلہن سے میرا تعارف نہیں کرو گے؟" وہ اسے اردگرد کا احساس دلاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اوہ سوری" وہ بھی جیسے ہوش میں آیا لذ میری سب سے اچھی دوست سے ملو۔ مناہل پیرزادہ

"اوہ تو عبید میں نے تو انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔" تو مسکراتے ہوئے بولی

"مجھے پہچان لیا تھا وہ کیسے؟" وہ حیرت زدہ تھی۔

"عبید نے مجھے آپ کی بہت سی تصویریں دکھائی ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ ان تصویروں سے بہت زیادہ خوبصورت ہیں۔"

مناہل حیرت سے عبید کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں کے بے شمار سوالوں کے جواب عبید کے پاس موجود تھے مگر یہ وقت ان باتوں کا تھا ہی کب کہ وہ کوئی وضاحت کر سکے وہ سنبھلتے ہوئے اس مخاطب ہوا "تم نے لذ کی تعریف تو کر دی۔ یہ نہیں بتایا میں کیسا لگ رہا ہوں۔"

مناہل نے ایک نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا وہ اب تک یونہی اسے دیکھ رہا تھا۔ آج پہلی بار مناہل اس کی بہت بولتی آنکھوں سے نظریں چرا رہی تھی، ورنہ ہی وہ آنکھیں تھیں جنہیں دیکھنا دیکھتے رہنا اس کی اولین چاہ تھی۔

"بہت ہینڈسم میں تو اس ڈر سے نظر بھر کر تمہیں دیکھ رہی کہ کہیں میری نظر نہ لگ جائے۔" وہ مدھم

آواز میں بولی۔

"پتہ نہیں اچانک کیا ہوا عبید نے ہاتھ اٹھا کر اپنی شہادت کی انگلی سے اس کو بائیں آنکھ کے کونے کو چھوا۔

وہ ایک جھٹکے سے پیچھے بیٹھی اور ناقابل فہم نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"وہ تمہاری آنکھ میں کچھ ہے۔" اس بار اس نے مناہل کی آنکھ کا جل جو اس نے اپنی انگلی کی پور پر چنا تھا اس کے بائیں کان کے نیچے لگا دیا۔

"اب نظر نہیں لگ گی" وہ بھی اسی کی طرح دھیمے لہجے میں بولا مناہل کو لگا وقت تھم گیا ہے۔ "کون چاہے گا مجھے تمہاری طرح عبید نیازی۔"

اس کا دل بھر آیا۔ وہ واپسی کے لیے پر تولنے لگی۔

اُس نے وہ باسکٹ آگے کر دی جو اس نے خاص آرڈر دے کر گل فروش سے بنوائی تھی۔ موتیا کے گجروں سے بھری۔

ایلزبتھ نے مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"یہ کیسا تحفہ ہے؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"میں چاہتی ہوں آپ کا کمرہ موتیا کی خوشبو سے مہکتا رہے" کیا تم جانتی ہو کہ موتیے کی خوشبو اکیلے نہیں آتی کسی کی یاد ساتھ لاتی ہے۔" عبید نیازی نے گھویا اس کے دل پر ہاتھ رکھا۔

مناہل کے لیے اب مزید وہاں رکنا محال ہونے لگا۔ اس نے جانے کی اجازت چاہی۔ وہ دونوں اسے رکنے پر اصرار کرنے لگے۔

"اتنی جلدی۔" عبید نے کہا۔ "ابھی تو میں نے جی بھر کر تمہیں دیکھا بھی نہیں کم از کم اتنی دیر تو ٹھہرو جتنی دیر اس تیاری میں صرف کی ہے تم نے"

"عبید پلیز آج تو تمہارا دن ہے ناں سب تمہیں دیکھ رہے ہیں تم اس طرح بی ہیو مت کرو۔ سب کیا سوچے گے خاص طور پر الذ بتھ۔"

> خدا کا شکر ہے بہت اچھا پڑوس مل گیا ہے گھر میں
> آبادہونے والی ایک خاتون نے اپنی پڑوسن سے کہا
> "اب تو میرا پڑوس بھی بہت اچھا ہو گیا" پرانی
> پڑوسن خوش ہوتے ہوئے بولیں، "کیا تم نے بھی
> گھر بدل لیا ہے"۔ خاتون نے پوچھا۔
> "نہیں ہم تو اسی گھر میں ہیں جس کے برابر سے تم
> اٹھ کر آئی ہو" پڑوسن نے جواب دیا۔

"اور میں تمہیں دیکھ رہا ہو مناہل تمہیں ہی دیکھتا رہو ہمیشہ۔ یہی چاہا تھا ناں ہم نے؟" اس کی آواز میں جانے کیا کچھ تھا، نارسائی کچھ کھو دینے کا احساس ادھورا پن۔

اُس نے اچانک نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ بس ایک لمحہ تھا جو آیا اور خاموشی سے گزر گیا۔ اس نے عبید نیازی کی آنکھوں میں لہراتا اپنا عکس دیکھا جو اسی طرح واضح اور شفاف تھا جیسا تب تھا جب وہ اس سے پہلی بار ملی تھی۔ سب کچھ وہی تھا سارے احساس سب جذبے، تمام شدتیں اور سچی محبتیں، شاید مناہل پیرزادہ جو دیکھنے آئی تھی۔ اس نے سب پالیا تھا۔

ہاں اس نے بہت کچھ کھویا تھا۔

اس کا ساتھ، اس کی قربت، اس کا وقت اپنے سپنے ساتھ رہنے کے خوبصورت خواب دریا کنارے وہ گھر جو عبید نے اس کے لیے سجایا تھا مگر جو اس کا نصیب نہیں بن پایا تھا۔

اور اس کے بدلے مناہل پیرزادہ نے جو پایا تھا وہ بہت قیمتی تھا۔ بے پایاں بیش بہا سرمایہ تھا۔ عبید نیازی کی سچی محبت جو ہمیشہ کے لیے اس کے ساتھ رہنا تھی۔ اس کے جذبے اس کی شدتیں اور اس کا دل مناہل پیرزادہ خالی ہاتھ نہیں لوٹی تھی۔

محبت کے امتحان میں وہ دونوں سرخرو رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

www.pkdigest.com

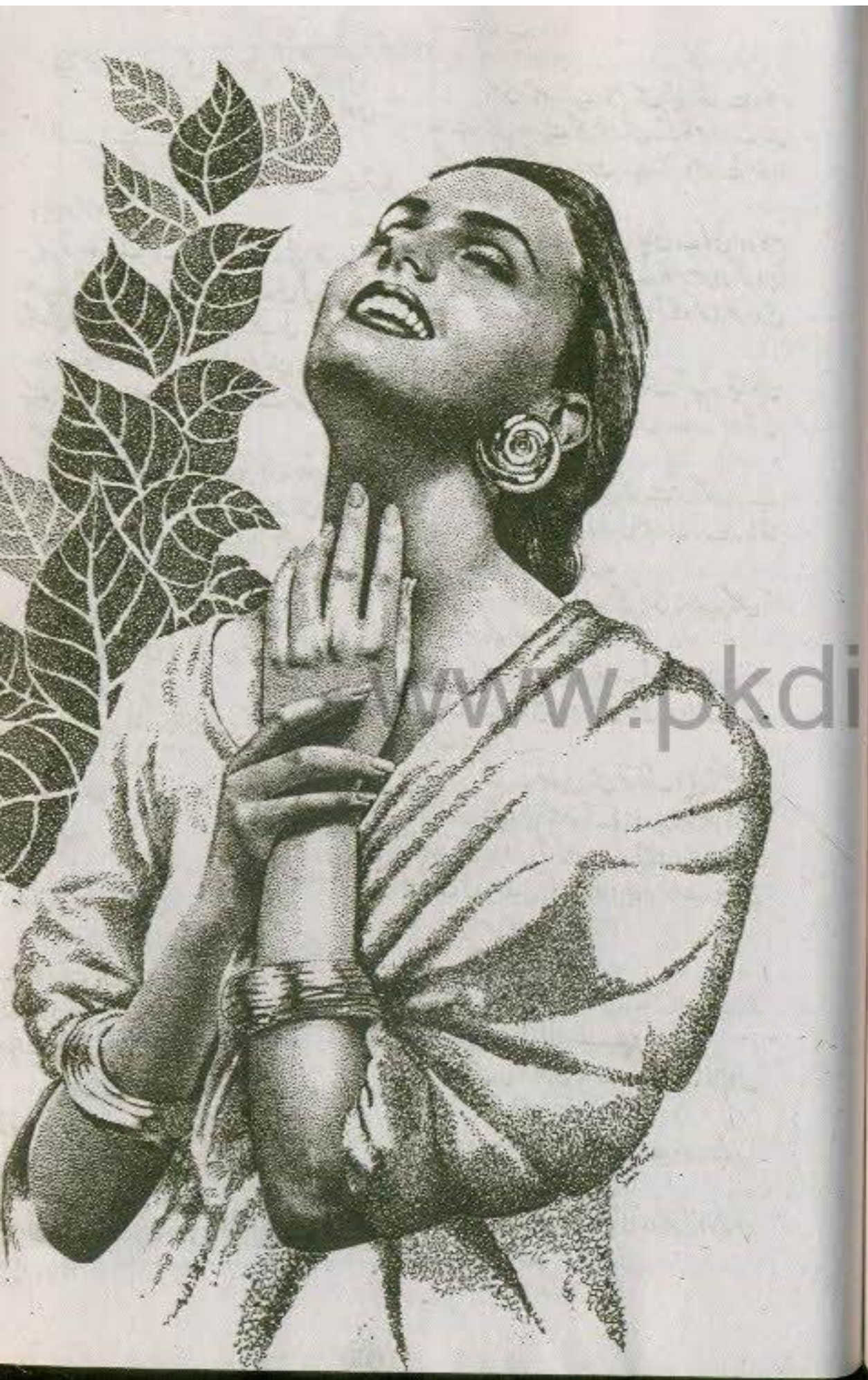

اک پھول کھلا

طیبہ ہاشمی

''خورشید رضا مرحوم۔'' بیل پر جونہی عمر نے ہاتھ رکھا نظر ساتھ ہی نیم پلیٹ پر جا رکی۔

''لو، حضرت تو انا للہ ہو چکے ہیں۔'' اس نے باقی دونوں کی توجہ بھی نیم پلیٹ کی طرف مبذول کروائی۔

''تو ارشد نے بتایا تو تھا کہ وہاں کا سارا چارج کسی محترمہ کے ہاتھ میں ہے۔'' فراز نے عمر کی یادداشت پر لعنت بھیجی۔

''اتنی جلدی سارا کچھ بھول جاتے ہو۔''

''یار بنگال کا حسن تو بڑا مشہور ہے اب دیکھو یہ محترمہ۔''

''شرم کرو اس کی جوانی تین بیٹیاں ہیں بقول ارشد کے۔'' فراز نے تنبیہی نظروں سے ساحر کو گھورا تو عمر پھر بیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تمہارا کیا مطلب ہے جس کی تین بیٹیاں ہوں وہ خوبصورت نہیں ہوتی، عورت تو سراپا حسن ہے، اتیج کے ہر حصے میں وہ خوبصورت ہوتی ہے بس ڈھونڈنے والی نظر چاہیے۔'' ساحر کی باتوں پر فراز کو تپ چڑھ گئی۔

''اور میرا خیال ہے وہ نظر اس دنیا میں صرف تمہارے پاس ہی ہے ہے ناں۔'' فراز نے تو اپنی طرف سے اسے شرمندہ کرنا چاہا مگر وہ سدا کا ایسا ہی تھا ذرا بھی شرمندہ نہ ہوا۔

''تم دونوں بھی کیا ہر جگہ شروع ہو جاتے ہو۔'' عمر جھلا اٹھا، بیل کے جواب میں اندر سے کوئی بھی آ نہیں رہا تھا، اپنی بحث کو کوئی بھی انجام

مکمل ناول

www.pkdigest.com

دیئے بغیر وہ دونوں بھی ادھر متوجہ ہو گئے۔

''دوپہر کا وقت ہے سو نہ رہے ہوں۔'' فراز نے اپنے سے سوچتے ہوئے کہا۔

''ایسی بھی کیا نیند لگتا ہے مردوں سے شرط باندھ کر سوتے ہیں۔''

کہہ تو وہ ٹھیک رہے تھے اس لئے عمر چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ بول سکا اور ایسے ہی گلی میں ٹہلنے لگا، گلی اتنی لمبی نہیں تھی، سرخ رنگ کی پکی اینٹوں سے اسے مرمت کیا گیا تھا، دو تین بچے نیکریں پہنے اپنے اپنے دروازے کے آگے کھڑے انہیں گھور رہے تھے۔

''اب بیل تم نہیں میں بجاتا ہوں دیکھتا ہوں کیسے نہیں کھولتے۔'' ساحر غصے میں بولتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا تو فراز پیچھے کو ہٹ گیا اور ہنس دیا کہ لو اب تم کر کے دیکھ لو۔

''اے مسٹرز آپ کیوں یہاں کھڑے ہیں۔'' بڑی کراری آواز ان تینوں کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''کیوں ہمارے یہاں کھڑے ہونے کا آپ کو بل آ رہا ہے۔'' فراز نے پیچھے مڑ کر دیکھا، سانولی رنگت کی مالک دو لڑکیاں انہی کی طرف متوجہ تھیں۔

''بڑے بدتمیز انسان ہیں آپ۔'' ان دونوں میں سے ایک بولی۔

''جب سے جوان ہوئے ہیں یہی بات سنتے آ رہے ہیں آپ کوئی نئی بات کریں۔'' ساحر نے بڑی شوخی سے جواب دیا تو وہ لڑکی غصے سے دانت کچکچاتے ہوئے بولی۔

''کون ہیں آپ اور یہاں کیا کر رہے ہیں۔'' اس کی لڑکی کی نظر ساحر پر تھی۔

''میں کون ہوں اے چاند تارو میرا نام لے کر مجھ کو پکارو۔'' ساحر نے گنگناتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا گویا چاند تارو سے اپنا پتہ پوچھ رہا ہو

''اجی چھوڑیئے نام میں کیا رکھا ہے، کام بتایئے ناں، ویسے بھی خواتین کے کام کرنے میں مجھے دلی خوشی محسوس ہوتی ہے۔'' ساحر نے انداز میں خاصی شوخی تھی۔

''ویسے اس بات میں سچائی ہے کوئی اور کام کرے نہ کرے خواتین کے کام ضرور کر دیتا ہے۔'' فراز نے بھی جیسے انہیں آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

''بہت ڈھیٹ انسان ہیں آپ، کیا یہی سکھایا ہے آپ کے گھر والوں نے۔'' وہ لڑکی جیسے زچ سی ہوئی۔

''سکھایا تو اور بہت کچھ ہے مگر چلیں رہنے دیں۔'' ساحر بھی ترکی بہ ترکی جواب دے رہا تھا گویا لکھے رکھے ہیں پاس۔

''یار اندر سے اب بھی کوئی جواب نہیں آ رہا۔'' عمر پھر جھلا کر بولا۔

''اندر کوئی ہو گا تو جواب آئے گا ناں۔'' وہ لڑکیاں ان کے پیچھے دھکیلتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

''لگتا ہے جلدی میں تم لوگ اپنی آنکھیں بھی کہیں پیچھے ہی چھوڑ آئے ہو، یہ تالا نظر نہیں آ رہا۔'' ان دونوں لڑکیوں نے جیسے بدلا اتارا تھا اور اس کی بات پر تینوں تالا دیکھ کر شرمندہ ہوتے ہوئے اپنا سر کھجانے لگے۔

''نظر ہی نہیں آیا۔''

''تو کیا یہ آپ کا گھر ہے؟'' ان کے تالا کھولنے پر عمر بڑی لجاجت سے بولا۔

''نہیں پڑوسیوں کا ہے ظاہر ہے تالا کھول رہی ہوں تو ہمارا ہی ہے۔''

''وہ ایکچوئیلی ہمیں ان سے ملنا ہے۔'' ساحر خوامخواہ دانت نکالنے لگا۔

''یہ ''ان'' کا کوئی نام بھی ہو گا۔'' وہ لڑکی بھی ان کی استاد تھی۔

''عالم آراء بیگم۔'' اب کے فراز بولا۔

''وہ گھر پر نہیں ہیں۔'' اس لڑکی نے بڑی بدتہذیبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دروازہ کھٹاک سے بند کر دیا تو وہ تینوں اک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

تینوں کا بنیادی تعلق ساہیوال سے تھا تینوں محلے دار بھی تھے دوست بھی اور پڑھائی بھی ساتھ ساتھ کی تھی اور اب نوکری بھی تینوں کو اتفاق سے ایک ہی جگہ مل گئی تھی اس لئے وہ لاہور آئے تھے۔

پورے ایک مہینے سے ان کے سامنے ایک ہی قصہ تھا یعنی کرائے کا مکان جو کہ اب آہستہ آہستہ مسئلہ کشمیر بنتا جا رہا تھا، چند دن پہلے آفس میں بیٹھے ان کے کولیگ ارشد نے کرائے کے مکان کا تذکرہ کیا تھا لیکن اس نے اتنے وثوق سے کہا تھا کہ وہ تم لوگوں کو مل نہیں سکتا۔

''کیوں ہماری صورتیں کیا کسی دوسرے سیارے کی مخلوق سے ملتی ہیں۔'' ساحر اس کے وثوق پر چڑ گیا۔

''نہیں۔''

''تو کیا ہم شکلوں سے چور یا لفنگے لگتے ہیں۔'' فراز بھی بھڑک اٹھا۔

''نہیں تو کیا ہم مکان کا کرایہ نہیں دے سکتے۔'' عمر نے بھی اپنا غصہ اتارا۔

''ارے نہیں بابا، تم تو یونہی بھڑک اٹھے ہو، بات دراصل یہ ہے کہ وہ مکان کسی بنگالی مسلمان کا ہے اور وہ کسی پنجابی کو اپنے ہاں کرائے دار نہیں رکھتی اور تم تینوں پنجابی ہو اس لئے ایسا کہہ رہا ہوں۔'' تینوں کا مکان کی تلاش کرتے کرتے دماغ گھوم گیا تھا اس لئے بیک وقت تینوں کے دماغ میں ایک ہی خیال آیا تھا۔

''تو کیا تمہیں ہمارے خیال سے اتفاق ہے۔'' تینوں نے ارشد سے پوچھا۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب	135/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	330/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشا جی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

www.pkdigest.com

''یہ کام رسک سے خالی نہیں ہے وہ عورت بہت سخت ہے اس معاملے میں۔'' وہ کسی خدشے کے تحت بولا۔

''ڈونٹ وری یار اب تو آفس کے فرش پر لیٹ لیٹ کر میری کمر تختہ بن گئی ہے۔'' ساحر نے اپنی دھکتی کمر پر ہاتھ کیا گویا اپنی تکلیف کا احساس دلانا چاہا۔

''لیکن کیا تم جھوٹ بولو گے۔''

''وہ جھوٹ جس میں کوئی مصلحت ہو، وہ گناہ نہیں ہوتا۔'' عمر تو مکان کا سن کر ہی خوش ہو گیا تھا۔

''اب ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے پہلے ہی پورے ایک مہینے سے خوار ہو رہے ہیں۔'' ساحر نے جیسے بات ختم کر دی۔

ایک دفعہ پھر وہ اسی دروازے کے سامنے کھڑے تھے، بیل بجانے کے بعد تینوں کی یہی کوشش تھی کہ دروازہ وہ لڑکیاں نہ کھولیں، دروازہ ان کے ملازم نے کھولا تھا۔

''کون ہے جی؟''

''ہم ہیں جی۔'' فراز نے اسی انداز میں جواب دیا تو ملازم نے بڑی کڑی نظر اس پر ڈالی۔

''کیا کام ہے؟''

''نہیں مفت میں لوگوں کے گھروں کا بیلیں بجانے کا چارج گورنمنٹ نے ہمیں دیا ہے۔'' ساحر نے بھی غصے میں آنکھیں نکالیں۔

''زیادہ باتیں نہیں کرو، جلدی بتاؤ کیا کام ہے۔'' وہ ملازم دروازے میں ڈٹا تیزی سے بولا۔

''لگتا ہے اندر چولھے پر دودھ رکھ کر آیا ہے۔'' عمر نے فراز کے کان میں سرگوشی کی۔

''کام تمہیں بتانے والا نہیں ہے ہمیں میڈم عالم آراء سے ملنا ہے'' ملازم کہیں کا۔'' یہ ملازم والی بات اس نے دل میں ہی کہی تھی۔

''نہیں بتاؤ کیا کام ہے ان سے۔'' وہ ہنوز اسی انداز میں دروازے پر ڈٹا رہا گویا اندر نہیں آنے دے گا۔

''ساری باتیں یہیں کھڑے کھڑے پوچھ لو گے، اندر آنے دو ہمیں۔'' ساحر نے بظاہر ہنستے ہوئے کہا تھا مگر اندر سے وہ بری طرح جل بھن گیا تھا۔

''تم لوگ اندر آ کر کیا کرو گے، تمہارے جیسے لونڈوں، لپاڑوں کا کیا بھروسہ۔'' تینوں اس ادنا سے ملازم کی بات سن کر سیخ کباب ہو گئے ان کا دل چاہ رہا تھا ابھی اسے لتاڑ ڈالیں مگر مجبوری تھی۔

''یہ دروازے پر کون ہے۔'' بھاری بھرکم نسوانی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

''لڑکے ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' ملازم نے اپنے گنجے سر کو سرخ پٹکے سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

''کیا کام ہے؟'' پھر وہی سنجیدہ اور خشک آواز ان کا پارہ چڑھا گئی۔

''یہیں کھڑے کھڑے پوچھیں گے، گرمی کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔'' ان کی شرٹس بری طرح پسینے میں بھیگ چکی تھیں، آج تینوں نے باقاعدہ آفس سے چھٹی لی تھی۔

''کام نہیں بتا رہے کہتے ہیں اندر آنے دو، اب بھلا کیا بھروسہ ان لونڈوں کا۔''

''دیکھیں آپ خوامخواہ ہم پر شک کر رہے ہیں ہم تو صرف کرائے کے مکان کی تلاش میں ہیں۔'' فراز نے آگے بڑھ کر ملازم سے کہا اس کی آواز اندر بھی سنی گئی تھی اس لئے دروازے سے کوئی پچاس اکیاون سالہ موٹے اور بھدے سی وجود کی ایک عورت نمودار ہوئی، رنگت سے لے کر جسم کے ہر زاویے سے وہ ٹن ٹن کی جڑواں بہن لگ رہی تھی۔

''پنجابی ہو۔'' پہلا سوال ہی بڑا بھاری تھا۔

''پہلے تو انسان ہیں اور میرا خیال ہے یہی بہت ہے۔''

''میں نے تمہارا خیال نہیں پوچھا۔'' فراز خفت سے ساحر کا منہ دیکھنے لگا۔

''جلدی بتاؤ۔''

''یار یہاں تو ہر بندے کو جلدی ہے۔'' عمر نے پھر فراز کے کان میں سرگوشی کی۔

''وہی ہیں جو آپ چاہتے ہیں۔'' ساحر نے بڑی ہمت کر کے جھوٹ بولا۔

''اندر آ جاؤ۔'' اس نے راستہ دیا۔

''بڑی پکی ہے یار، مطلب کی بات کی ہے تو اندر آ جاؤ۔'' عمر بولا۔

''ویسے اس خاتون کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' فراز نے بامشکل ہنسی دباتے ہوئے ساحر کی کمر میں ٹہوکا دیا۔

گھر کافی بڑا تھا، کھلا کھلا سا ماحول، سبز گھاس نے لان کو رونق بخشی ہوئی تھی، لوہے کی سفید کرسیاں اس سبزے میں آنکھوں کو بہت بھلی لگ رہی تھیں، گھر دیکھنے میں بہت پرانا لگ رہا تھا ہر زاویے سے قدامت جھلک رہی تھی، گرمیوں کی تیز دھوپ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

''کہاں سے آئے ہو؟'' سادہ سے ڈرائینگ روم میں بیٹھتے ہی سب سے پہلے اس نے یہ سوال کیا، وہ توپ بڑی مشکل سے صوفے میں سمائی تھی قریب تھا کہ صوفہ بے چارہ چیخ اٹھتا مگر شاید وہ اس کے اتنے وزن کا عادی ہو چکا تھا۔

''جی صوبہ سرحد سے، میرا مطلب ہے پشاور۔'' جھوٹ کی ابتدا ساحر سے ہوئی تھی اس لئے اب بھی وہی جواب دے رہا تھا۔

''پشاور تو بہت بڑا ہے تمہیں وہاں نوکری نہیں ملی۔'' وہ توپ اب عمر سے مخاطب تھی ساحر نے جھوٹ بول دیا تھا اور وہ پھنس گیا تھا، دراصل وہ تینوں اچھے خاصے خوش شکل اور گورے چٹے نوجوان تھے اس لئے ساحر نے پشاور کہہ دیا۔

''وہ ہم نے سوچا کہ کیوں نہ صوبے سے باہر ٹرائی کی جائے، سو کوشش کی اور کامیاب بھی ہو گئے نوکری تو مل گئی اب مکان چاہیے۔'' توپ کی شکل پر تو سنجیدگی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

''آپ کے پاس ہم اس سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔''

''تینوں بھائی ہو؟''

''نہیں دوست ہیں۔'' ساحر بولا۔

''نام کیا ہیں تم تینوں کے؟'' وہ تو انٹرویو کرنے بیٹھ گئی تھی۔

''میرا نام فراز ہے یہ عمر اور وہ ساحر۔'' ساحر نے فراز کی طرف غصے سے دیکھا وہ اس لئے کہ اس نے اس کا اصلی نام نہیں لیا تھا، ساحر اس کا تخلص تھا وہ ایسے ہی چھوٹا موٹا شاعر تھا اس لئے وہ دونوں اسے چڑانے کے لئے ساحر کہہ کر بلاتے تھے۔

''کب سے ہو یہاں؟'' وہ پھر بولی۔

''یار اس کے سوال ہی ختم نہیں ہو رہے۔''

''ایک مہینہ ہو گیا ہے۔'' ہر سوال کا جواب فراز ہی دے رہا تھا۔

''کہاں رہتے ہو؟''

''آفس میں۔'' فراز کو غصہ آیا کہ اب کے بھی اسی نے جواب دیا تھا۔

''پشاور شہر کے رہنے والے ہو یا اس کے اردگرد کسی علاقے کے؟'' اس کے اس سوال پر تینوں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے تھے کہ اب کیا جواب دیں، پشاور شہر کے بارے میں ان کے پاس اتنی انفارمیشن کہاں تھی کہ وہ کہہ سکتے کہ ہاں جی فلاں علاقے کے رہنے والے ہیں لیکن اب صفائی سے جھوٹ بولنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

''پشاور شہر کے۔'' ساحر نے اب کے

www.pkdigest.com

جواب دیا تھا ان تینوں کی کوشش تھی کہ اب وہ مزید کوئی سوال نہ پوچھے، انہوں نے تو خواب میں بھی پشاور شہر کے درشن نہیں کیئے تھے، لیکن وہ بھی ان کی استاد تھی۔

''اس جگہ کا کوئی تو نام ہو گا جس طرح لاہور شہر کے مختلف علاقے ہیں۔'' وہ ایسے پوچھ رہی تھی جیسے اسے ان کے جھوٹ کا پتہ چل گیا تھا۔

''ہا..... ہاں کینٹ۔'' عمر نے اب کی بڑی پھرتی دکھائی۔

''خوشحال خان خٹک کو جانتے ہو؟''

''یہ کس علاقے کا نام ہے۔'' عمر نے حیرت سے فراز سے پوچھا۔

''اسے کون نہیں جانتا۔'' ساحر بڑا چہک کر بولا تو عمر حیرت سے ساحر کا منہ دیکھنے لگا۔

''اسے کیسے پتہ۔''

''پشتو شاعر تھے۔'' شاعروں اور شاعری کے بارے میں ساحر کے پاس خاصا نالج تھا۔

''اپنی ایجوکشن تم لوگوں نے پشاور شہر سے ہی حاصل کی ہے؟'' اپنے ملازم سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے اس نے منہ کو لگا لیا اس کے چہرے کی تختی کافی حد تک ختم ہو چکی تھی۔

''نہیں میں نے تو سا..... سا..... یا۔'' عمر کے منہ سے پوری بات نکلتے نکلتے رہ گئی تھی فراز نے اسے تنبیہی نظروں سے گھورا۔

''ایڈیٹ کیا بولنے لگا تھا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جانا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ یہ جو سارے گاما پا کی تعلیم ہے اس نے اپنے سالے صاحب سے حاصل کی ہے۔'' ساحر کی بے تکی برجستگی پر عمر نے حیرت سے ساحر کو دیکھا۔

''تو یہ شادی شدہ ہے؟''

''نہیں ان کے ہونے والے سالے صاحب۔'' بدتمیز کیا بول گیا۔

''کون سی تعلیم اور کہاں کا سالا۔''

''اچھا تو یہ گانا بھی جانتے ہیں لیکن اس گھر میں گانا گانا منع ہے اور سنانا بھی خاص کر ریڈیو پر۔''

''کوئی خاص ریزن۔'' ساحر نے دہل کر پوچھا۔

''یہ بتانا میں ضروری نہیں سمجھتی۔''

''چلو کوئی بات نہیں یہ اپنے کمرے میں ہی ریاض کر لیا کرے گا۔'' عمر کی ہونق صورت دیکھ کر فراز کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''اچھا ہمیں مکان ملے گا بھی یا خالی انٹرویو ہی۔'' فراز نے ہمت کر کے پوچھا۔

''کل سامان لے آنا اور ایک بات، میری تین جوان بیٹیاں ہیں ذرا خیال رہے۔''

''اور ایک بات رات نو بجے کے بعد ہم اپنا مین گیٹ نہیں کھولتے۔''

دوسرے دن فراز اور عمر آفس سے چھٹی لے کر اپنا سامان لے آئے تھے جن میں تین بستر تھے اور پہننے کے کپڑے اور چند برتن ساحر کا سامان بھی وہی لائے تھے کیونکہ اس نے ریڈیو اسٹیشن جانا تھا ایڈیشن کے لئے حالانکہ ان دونوں نے اسے بہت سمجھایا تھا کہ وہ توپ تو ریڈیو کے نام سے بھی چڑ کھاتی ہے لیکن وہ نہ مانا بقول فراز کے اس بڑی خوش فہمی ہے کہ اس کی آواز بہت خوبصورت ہے میں بولتا ہوں تو فضاؤں میں اڑتے پرندے اپنا راستہ بھول جاتے ہیں، بہتا پانی رک جاتا ہے اور فراز ہمیشہ یہی کہتا کیا تم ضیاء الدین کے جانشین ہو یا پھر اعجاز قریشی کے، لیکن اس کا بھی ایک ہی جواب ہوتا۔

''دیکھنا کیسے سارے لاہور کو اپنے پیچھے لگاتا ہوں۔''

''مجھے نہیں لگتا کہ تمہارے پیچھے کوئی بندہ لگے گا ہاں کتوں کی بات الگ ہے۔'' فراز اور عمر

باتوں کا اس نے کبھی برا نہیں منایا تھا اور وہ ایسے ہی مذاق کرتے تھے ورنہ حقیقت میں کی آواز بھی بہت خوبصورت، سحر انگیز۔

''اے مسٹرز آپ کہاں منہ اٹھائے چلے آ ہے ہو۔'' ابھی وہ دونوں سیڑھیوں کے پاس ہی تھے کہ وہ لڑکی جس سے اس دن گیٹ پر ہوا تھا، کمر پر ہاتھ رکھے کڑے تیوروں میں دونوں کو گھور رہی تھی۔

''اے مس زیادہ بدتمیزی کا مظاہرہ کرنے ضرورت نہیں ہم یہاں کرایہ دے کر رہنے ہیں کوئی مفت میں نہیں جو یوں آپ چلا ہیں۔'' عمر نے بڑا اکڑتے ہوئے جواب

''بڑے آئے کرایہ دینے والے، میں ہوں تم لوگوں کو یہاں کرائے دار رکھا کس ہے۔'' عمر کی بات پر وہ آگ بگولہ ہو گئی۔

''یہ سوال آپ ہم سے نہیں اپنی والدہ سے کیجئے۔'' فراز شاید لڑائی کے موڈ میں تھا ورنہ ایسے موقعوں پر وہ بھی کہاں پیچھے تھا۔

''آپ ہوتے کون ہیں میری والدہ تک والے۔'' وہ پھر دہاڑی۔

''آپ کی والدہ تک تو آپ کے والد بھی پہنچے ہوں گے۔'' عمر فراز کے کان میں کر کے خود ہی کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے، پتہ نہیں خدا لڑا کا مٹی سے گوندھا ہے آپ کو۔'' فراز اپنے ازلی غصے میں آ گیا تھا۔

''ضرور وہ مٹی شیطان کی ہمسایہ رہی ہو عمر نے بھی جواب دینا ضروری سمجھا۔

''جس مٹی سے بھی گوندھا ہو گا وہ آپ کی سے کہیں بہتر ہو گی، شکلیں نہیں دیکھتے اور کی کرتے ہیں۔'' وہ لڑکی تو باقاعدہ انہیں باہر نکالنے کے چکر میں تھی۔

''آپ کی آنکھوں میں تو لگتا ہے سفید موتیا اتر آیا ہے جو ہماری خوبصورت شکلوں پر ایسے ریمارکس کس رہی ہیں۔'' فراز کو اپنی خوبصورتی پر پڑی چوٹ برداشت نہیں ہوئی۔

''کیا بات ہے جہاں آراء بیٹا!'' کوئی ستر اکھتر سال کے بزرگ سفید بنگالی لنگی میں ملبوس کمر پر ہاتھ رکھے اور دوسرے ہاتھوں میں چھڑی پکڑے ان کے قریب چلے آئے۔

''یہ لفنگے نانا ابا یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' لفنگے کہنے پر عمر کو پھر تاؤ سا آ گیا۔

''کون لفنگے کہاں ہیں لفنگے۔'' وہ بزرگ اپنی عینک ٹھیک کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھتے بولے۔

''یہ ہیں اور کون؟'' اس نے ہاتھ کی مدد سے ان کی طرف اشارہ کیا۔

''ارے یہ تو ہمارے نئے کرائے دار ہیں تمہاری ماں نے ذکر بھی کیا تھا۔''

''انہیں یہاں کرائے دار رکھا کس نے ہے؟'' وہ اپنے نانا سے الجھنے لگی۔

''تمہاری ماں کی مرضی ہے اس کے آگے بھلا کسی دوسرے کی چلی ہے لیکن یہ بچے تو نیک ہی لگتے ہیں۔'' نانا جی کی بات پر فراز کی جتنی نکل آئی۔

''آپ سے تو آپ کی نانا جی کی نظر کتنی تیز ہے کتنی جلدی ہماری شرافت کو انہوں نے پہچان لیا اور ایک آپ ہیں کہ ہنوز وہی بات۔''

''کسی کے منہ پر تھوڑی لکھا ہوتا ہے کہ وہ شریف ہے۔'' وہ لڑکی غصے میں پیر پٹختی چلی گئی۔

''تم لوگ اپنا سامان اوپر لے جاؤ۔'' وہ بزرگ بھی اس لڑکی کے پیچھے پیچھے سست قدموں سے چلنے لگے۔

''یہ چیونٹی اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے، نہ شکل ہے نہ عقل۔'' فراز نے غصے سے سر کو جھٹکا۔

www.pkdigest.com

اس نکمے کی اس گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

''ہائے اوئے میری قسمت ہمارے ایک دن کے کھانے سے تم لوگوں کے گھروں کا بجٹ خراب ہو جائے گا۔'' ساحر نے ماتھے پر ہاتھ دے مارا تھا۔

''ہو جاتا ہے یار پہلے ہی اماں کا خط آیا ہے کہ پیسے زیادہ بھیجو دو مہینے کی کمیٹی دینی ہے۔'' فراز بھی فائل بند کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پھر فائل اپنی پشت میں رکھی لکڑی کی الماری میں رکھتے ہوئے بولا تھا۔

''ایک تو مجھے یہ کمیٹی ڈالنے والی عورتیں سخت بری لگتی ہیں، پہلی کمیٹی خود رکھ لیتی ہیں ان پیسوں سے اپنا کام تو پورا کر لیتی ہیں مگر اوروں کو ڈال دیتی ہیں مہینوں پر۔'' فراز اور عمر کی باتوں کا غصہ اس نے کمیٹی والی عورتوں پر نکالا تھا۔

''لو کر لو بات، بات کوئی اور ہو رہی تھی یہ کمیٹی والی عورتیں کہاں سے آ گئیں۔'' عمر نے ساحر کی عقل پر ماتم کیا۔

''کھانا نہ کھانے کا غصہ ان بے چاریوں پر نکال رہے ہو، خود سوچو چلو مان لیا کہ ہم کھانا کھا لیتے ہیں۔'' فراز کی بات پر اس کی باچھیں کھل اٹھیں اس کے ندیدے پن پر فراز کو تھوڑا سا غصہ آ گیا مگر اس نے اسے کہا کچھ نہیں اس کے ندیدے پن پر۔

''شام کے ساڑھے سات بج چکے ہیں اور ابھی ہم آفس میں ہی ہیں پھر ہم کھانا کھائیں گے، کھانے میں گھنٹہ ڈیڑھ تو لگ ہی جائے گا۔'' فراز اسے سمجھا رہا تھا۔

''گھر پہنچتے پہنچتے نو دس کے ٹائم ہو جائے گا تو کیا وہ توپ ہمیں گھر میں گھسنے دے گی۔''

''نہیں میرے باپ اتنے لمبے لیکچر کے بعد مجھے نہیں کھانا چلو گھر ہی۔'' ساحر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا تو عمر جلدی سے بولا۔

''اب آئے نا راستے پر۔''

تینوں کو یہاں آئے پورا ایک مہینہ ہو چلا تھا اور وہ بنگالی توپ بھی ان کی طرف سے کافی مطمئن ہو گئی تھی کیونکہ اس پورے مہینے میں ان کی کوئی شکایت اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔

عالم آراء کی تینوں بیٹیوں سے بھی ان کا کم ہی واسطہ پڑتا، ہاں نانا جی کبھی کبھی اوپر آ جاتے پھر ان کو نیچے بلا لیتے انہیں فراز کی عادت بہت پسند تھی۔

''فراز بیٹا!'' فراز اپنے نام پر ان کی طرف متوجہ ہو گیا اس سے پہلے وہ ساحر کے ساتھ کسی بات پر بحث کر رہا تھا۔

''تمہارے ابا پشاور میں کون سا کام کرتے ہیں؟'' نانا جی کی بات پر عمر کو سخت تاؤ آ گیا وہ ساحر کے ساتھ بیڈ پر نیم دراز تھا۔

''بیٹی کی طرح باپ بھی بات کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔'' ایک مہینے بعد بھی ان کو پشاور نہیں بھولا، عمر کے ساتھ ساحر بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، نانا جی کی بات نے فراز کو کافی سنجیدہ کر دیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ابا کی ڈیتھ ہو چکی تھی۔

''بہت افسوس ہے بیٹا، ویسے پشاور میں اور کون ہے تمہارا۔'' ان کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی ساحر نے بھی عمر کی طرف دیکھا فراز تو ہونق بنا ان کو مدد طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''جی میری اماں میں اور تین بہنیں ہیں۔'' نانا جی یعنی مسٹر نورالدین سفید لٹھے کی بنگالی لنگی کو سلیقے سے سنبھالتے ہوئے عمر اور فراز کی طرف گویا ہوئے، چشمہ ان کا ناک کی نوک تک چلا آیا تھا فراز کو لگا جیسے وہ ابھی اس باریک ناک سے نیچے آ گرے گا مگر بزرگوار کافی تیکھے اور سمجھ دار تھے، ساحر کی نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے اپنا چشمہ اوپر کو چڑھاتے ہوئے بولے۔

''تمہارے پیچھے کون ہے بیٹا۔'' ان کا اشارہ

ساحر کی طرف دیکھا۔

''میرے پیچھے، میرے پیچھے تو دیوار ہے۔'' اس نے کمال معصومیت سے اپنی گردن پیچھے کو گھمائی۔

''نہیں بیٹا!'' وہ خود بھی ہنس دیئے۔

''گھر میں کون ہے؟'' فراز اور عمر کا بھی ہنسی کے مارے برا حال تھا وہ ساحر کے یوں ری ایکٹ کرنے پر تھوڑے حیران بھی تھے کیا واقعی اسے بات کی سمجھ نہیں آئی تھی یا اپنی طرف سے اس نے کوئی جوک کیا تھا۔

''او..... اچھا..... اچھا۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے ایسے اچھا کہا جیسے اسے اب سمجھ آئی ہے بات کی۔

''بزرگوار میرے بارے میں تو آپ نہ ہی پوچھیں تو بہتر ہے۔'' ساحر نے بڑی لاپرواہی سے انگڑائی لیتے ہوئے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

''کیوں تمہارے پیچھے کوئی نہیں ہے۔'' بزرگوار کو حیرت ہوئی۔

''بس ہیں بھی اور نہیں بھی۔''

''بتاؤ بیٹا شرماؤ نہیں۔'' وہ بھی بضد تھے۔

''مجھے شرمانے کی کیا ضرورت ہے، ویسے شرم والی ہی بات ہے۔'' وہ یکدم اپنی بات کہہ کر پھر خود ہی پلٹ گیا۔

''شرم والی بات ہے نانا جی کہ جس کے پیچھے ہوتے ہوئے بھی کوئی نہ ہو۔'' ساحر جو پہلے بہت جولی موڈ میں تھا ایک دم سنجیدہ ہو گیا شاید موضوع ہی ایسا تھا پھر اس نے انہیں سب بتا دیا۔

''بس بیٹا یہ دنیا ہے یہاں سب کچھ ممکن ہے، غیروں کی کیا بات کرتی ہے سگے رشتے پرائے ہو جاتے ہیں، ایسی کوئی بات سن لو تو اعتبار سا اٹھ جاتا ہے کوئی کس سے امید باندھے۔''

ماحول اچھا خاصا اداس ہو گیا تھا عمر سے تو یہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا کوئی اور موقعہ ہوتا تو فوری طور پر اس نے محفل برخاست کر دینی تھی مگر اب نانا جی کی موجودگی پر وہ خاموش رہا۔

زوروں سے مینہ برس رہا تھا، برسات کی پہلی بارش بہت کھل کے برس رہی تھی، پچھلے چار پانچ ہفتوں سے گرمی کی شدت میں جو اضافہ ہوا تھا اس بارش نے وہ گرمی کا زور توڑ دیا تھا، بارش دوپہر سے شروع تھی جو رات تک جاری تھی۔

وہ دونوں بھیگتے ہوئے ہی آفس سے لوٹے تھے ساحر کا پروگرام تھا اس لئے وہ ریڈیو اسٹیشن چلا گیا تھا، گرمیوں کے دن تھے اس لئے بھیگنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا ہاں خوشی ضرور تھی کہ چلو گرمی کا زور تو ٹوٹا۔

برآمدے سے گزرتے ہوئے ان کے قدم اپنے آپ رک گئے تھے، سامنے وہ بنگالی توپ کرسی پر براجمان باہر گرتی بارش سے لطف اندوز ہو رہی تھی، اس نے سرتاپا ان کے بھیگے سراپوں کو بغور دیکھا اور پھر سوالیہ نگاہ فراز پر گاڑ دی، دونوں بیٹیاں شمیم آراء اور جہاں آراء اس کے دائیں بائیں فرشتوں کی طرح کھڑی تھیں، تیسری بیٹی حسن آراء نظر نہیں آ رہی تھی عمر نے اطراف میں نظر دوڑائی وہ ان دونوں سے کافی مختلف تھی، باتیں بھی کم کم ہی کرتی تھی ان دونوں کی نسبت اس کا موڈ ان تینوں کے ساتھ بس نارمل ہوتا۔

''وہ تیسرا کہاں ہے؟'' سوال غیر متوقع نہیں تھا انہیں پتہ تھا کہ وہ ساحر کے بارے میں پوچھے گی۔

''جی وہ۔'' نجانے کیوں عمر کی جیسے سٹی گم ہو گئی، دونوں لڑکیاں عمر کی شکل دیکھ کر منہ کے اندر ہی ہنسے جا رہی تھیں۔

''وہ آفس میں کچھ کام تھا اس لئے تھوڑا لیٹ آئے گا۔'' فراز نے ہمت کرتے ہوئے جواب دیا۔

''میں نے ساری باتیں اسی لئے صاف

www.pkdigest.com

صاف کہہ دی تھیں، مجھے یہ کام بالکل بھی گوارہ نہیں۔'' وہ کرسی سے اٹھنے کی کوشش میں ناکام دوبارہ کرسی پر ڈھیر ہوگئی، فراز نے بامشکل ہنسی دبائی۔

''مجبوری تھی اس لئے۔'' فراز کے جواب پر وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

''تم لوندوں کی سب مجبوریاں سمجھتی ہوں میں اور ہاں ایک بات مجھے بتاؤ۔'' عمر جو شروع سے بڑے کمزور دل کا مالک تھا اس کے ہاتھ پاؤں ویسے تو پہلے ہی ٹھنڈے تھے اس کی بات سن کر مزید ٹھنڈے ہوگئے۔

''تم لوگ جدی پشتی پشاور کے رہنے والے ہو یا کہیں اور سے آکر آباد ہوئے ہو۔''

''مارے گئے۔'' فراز کے بھی طوطے اڑ گئے۔

''اب کیا جواب دیں۔'' موقع پر اس سے کوئی جواب ہی بن نہیں پا رہا تھا عمر بھی چپ چاپ اسی کے سہارے پر کھڑا تھا۔

''آپ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہیں۔'' فراز کا لہجہ یکدم نرم پڑ گیا تھا۔

''اس لئے کہ تم لوگوں کے لہجے بالکل بھی پٹھانوں والے نہیں ہیں، بہت سیدھی سادھی اور عام سی اردو میں بات کرتے ہو تم لوگ، وہ مخصوص رنگ نہیں ہے۔''

''ہاں یاد آیا۔'' عمر نے نجانے کس احساس کے تحت یہ الفاظ منہ سے نکال دیئے تھے، فراز کا تو مارے خوف کے دم نکلا جا رہا تھا جانے کیا بول دے گا یہ، یا اللہ مدد فرما۔

''ہاں بولو۔'' وہ جواب سننے کے لئے سیدھی ہوگئی، بارش کی چھما چھم ابھی بھی جاری تھی، وہ دونوں لڑکیاں بہت غور سے ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھے ہوئے تھیں۔

''وہ دراصل پشاور میں جہاں ہم لوگ رہتے ہیں اس محلے میں پنجابی بہت رہتے ہیں ان لڑکوں کے ساتھ ہماری بہت دوستی تھی شاید اس لئے کچھ لہجوں میں فرق آگیا ہو۔'' عمر کے جواب پر فراز نے اپنا سر نیچے کو جھکا لیا تھا جانے اب اس جواب پر وہ کیا کہتی ہے۔

''دوسروں کی محبت کا اتنا اثر لیتے ہو تم لوگ کہ اپنی پہچان بھی بھول جاتے ہو۔'' اس کا انداز شرمندہ کرنے والا تھا۔

''جاؤ یہاں سے۔'' اس نے جانے کا اشارہ کر دیا تھا وہ دونوں تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بھاگے تھے مبادا وہ کوئی اور سوال نہ پوچھ لے۔

''لگتا ہے ہم لوگ ملٹری والوں کے کرائے دار ہیں مجال ہے جو اپنی مرضی سے سانس بھی لے سکیں۔'' عمر گیلی شرٹ اتارتے ہوئے بری طرح زچ سا تھا یہی حال فراز کا بھی تھا۔

''کیا کریں یار مجبوری ہے ورنہ اس کالی توپ کے ہوش ٹھکانے پر لے آؤں اور ایک وہ خود تو مزے سے ریڈیو اسٹیشن بیٹھا ہوگا اور یہاں ہمیں سوالوں کے چکروں میں پھنسا دیا، اس کی وجہ سے کتنی باتیں سننا پڑی ہیں۔'' فراز اور عمر کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اگر وہ سامنے ہوتا تو ایک آدھ اسے جڑ ہی دیتے۔

اپنی ذمہ داری کے تحت عمر کچن میں گیا تھا دراصل تینوں نے اپنے اپنے کام بانٹ رکھے تھے فراز کپڑے دھوتا تھا ساحر صفائی اور کمرے میں جھاڑو وغیرہ لگاتا تھا اور کچن کا سارا کام عمر دیکھتا تھا ہاں ساحر بھی کبھی کبھی چائے بنا دیتا تھا۔

کھانا بن چکا تھا مگر وہ دونوں ساحر کا انتظار کر رہے تھے چاہے جتنا مرضی وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے مگر تینوں میں محبت بھی بہت تھی ایک دوسرے کے بغیر وہ کھانا نہیں کھاتے تھے، انہیں آئے ابھی دو گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ نیچے والے پورشن سے چور چور کی آوازوں نے انہیں چونکا دیا وہ دونوں تقریباً دوڑتے ہوئے

نیچے چلے آئے، نیچے کا تو سین ہی ایکدم بدل چکا تھا، دو گھنٹے پہلے جہاں کالی توپ کرسی پر براجمان تھی اب ڈنڈا ہاتھ میں پکڑے برآمدے کی نکڑ پر کھڑی منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی، ساری لڑکیوں کے ساتھ ساتھ نانا جی اور ان کے ملازم کے ہاتھ میں بھی بڑے بڑے ڈنڈے تھے۔

''لگتا ہے ان سب نے یہ ڈنڈے آڈر پر بنوائے ہیں، چوروں کا آنا جانا لگتا ہے پہلے سے ہے اس گھر میں اس لئے اتنی تیاری کے ساتھ سب کھڑے ہیں۔'' عمر ان کی اتنی تیاری پر حیران ہوا تھا، شمیم آراء اور جہاں آراء چور چور کہتی لان کی گیلی باڑ کی طرف اشارہ کر رہی تھیں بقول ان کے وہاں کوئی چور چھپا ہوا ہے بارش کے قطرے اب بھی آسمان کے وسیع سینے سے زمین کی گود میں گر رہے تھے، روشنی کم ہونے کی وجہ سے ٹھیک طرح کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

''تم دونوں جاؤ اور دیکھو کون ہے۔'' کالی توپ کے کہنے پر انہوں نے بڑی بے یقینی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔

''میں تم دونوں سے کہہ رہی ہوں۔''

''ہم دونوں۔'' ان کی شکلوں پر بارہ بج گئے دوبارہ بھیگنا انہیں سخت برا لگ رہا تھا ابھی تو پہلی ٹھنڈ نہیں گئی، عمر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا مگر مجبوری تھی کیسے نہ جاتے آخر توپ کا حکم تھا۔

وہ دونوں اس برستی بارش میں کچھ کچھ ڈرتے اور زیادہ سا بھیگتے باڑ کی طرف بڑھ رہے تھے، فراز، عمر کو ذرا احتیاط سے کام لینے کو کہہ رہا تھا اندر سے تو وہ خود بھی پریشان سا تھا کون جانے آگے کس قسم کا چور ہے کہیں اچانک حملہ ہی نہ کر دے، فراز نے بڑے سہمے سے انداز میں باڑ کے قریب جا کر اس کی دوسری طرف جھانکنے کی کوشش کی تو اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی جو جلد ہی دم توڑ گئی تھی، عمر بھی اس کے چیخنے سے سہم گیا تھا ان کے منہ سر سے پانی ٹپک رہا تھا وہ دونوں سرتاپا بری طرح بھیگ چکے تھے۔

فراز کے چیخنے پر عمر نے بھی ادھر جھانکا تھا اور اس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔

''اوئے تو، یہ مروائے گا ہمیں۔'' فراز نے باڑ کے قریب کھڑے کھڑے احتیاط پیچھے مڑ کر دیکھا کہیں کوئی شیر دل خاتون ان کے پیچھے تو نہیں آ رہی۔

''مجھے کیا ضرورت تھی دیوار پھلانگنے کی، اگر کسی کو پتہ چل گیا تو بری طرح پھنسیں گے ہم۔''

''اچھا اچھا یہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے ہمیں کچھ سوچنا ہوگا اور تم پیچھے بھی دھیان رکھو کوئی آ نہ جائے۔'' عمر نے فراز سے کہا۔

''جو بھی کرنا ہے ذرا جلدی کرو مجھے تو اب ٹھنڈ لگنے لگی ہے۔'' ساحر بھیگا کبوتر بنا ہوا تھا۔

''اچھا چپ کرو کچھ کرتا ہوں، عمر تو ایسا کرو اس کو یہاں سے کسی طرح نکالو میں ان کو کسی اور طرف لگاتا ہوں۔'' فراز بھیگتا ہوا واپس مڑ گیا۔

''یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔'' فراز نے ان کی توجہ ادھر سے ہٹانی چاہی مگر اس جہاں آراء کو چین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''مما میں نے خود دیکھا ہے اسے دیوار پھلانگتے۔''

''شور نہ کرو وہ کہاں رکا ہوگا، بھاگ گیا ہے شاید۔'' فراز کو اس جہاں آراء پر غصہ آ رہا تھا۔

''بڑی پہنچی ہوئی بچی ہے اپنی ان موٹی موٹی آنکھوں کا استعمال وہ شاید انہی کاموں کے لئے کرتی ہے۔'' فراز نے غصے سے دانت کچکچائے۔

''چلیں لان کے اس طرف دیکھتے ہیں، عمر وہاں دیکھ رہا ہے۔'' فراز نے انہیں دوسری طرف لے جانا چاہا۔

ساحر پر ٹھنڈ کے باعث اگر چھینکوں کا حملہ شروع ہوگیا تو مشکل ہو جائے گا۔

''نہیں وہ یہیں سے کودا تھا، جب تھوڑی

www.pkdigest.com

دیر پہلے میں نے اسے ادھر دیکھا تھا تو ادھر کیسے اتنی جلدی چلا گیا۔" وہ فراز کی بات پر دھاڑی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے یہ اتنی جلدی کوئی ادھر تھوڑی جا سکتا ہے، اپنے دوست کو کبھی طرح چیک کرے۔" بنگالی توپ بھی ٹل نہیں رہی تھی۔

"دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔" حسن آراء کی بات پر فراز کی جان میں جان آئی۔

"ہاں حسن آراء ٹھیک کہتی ہے نانا جی نے بھی اس کی تائید کی تھی اس لئے سارے دوسری طرف چل دیئے۔"

"تم نے تو آج ہمیں مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی آج اگر وہ بے چاری حسن آراء ہمارا ساتھ نہ دیتی تو ہم تو گئے تھے، آج ہی ساہیوال کے لئے ری ٹرن ٹکٹ ریسو ہو جانا تھا۔" عمر بولے جا رہا تھا، فراز اور ساحر اپنے اپنے کندھوں پر تولیہ لپیٹے کھانا کھانے میں مصروف تھے عمران کا کھانا سرو کر رہا تھا۔

"تم سیدھے راستے سے بھی آ سکتے تھے ہم نے اس بنگالی توپ کو بتا دیا تھا کہ تم لیٹ آؤ گے۔" عمر کی بات پر اسے غصہ آ گیا۔

"میرا خیال ہے میں کسی ولی کی اولاد نہیں ہوں جو مجھ پر الہام اترنا تھا کہ تم لوگ اس بنگالی توپ سے بات کر چکے ہو، بندہ فون بھی کر سکتا تھا مگر مجال ہے جو تم دونوں دو روپے بھی خرچ کرو اس سے تو تمہارے گھروں کا بجٹ خراب ہو جاتا ہے۔" ساحر کی بات پر دونوں شرمندہ ہو گئے تھے کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہا تھا غلطی تو ان سے ہوئی تھی۔

"یار بس آتے ہی اس نے کٹہرے میں کھڑا کر لیا تو بوکھلاہٹ میں یاد نہیں رہا۔" عمر اور فراز دونوں نے اس سے سوری کیا۔

کچن میں کام کرتے وقت عمر کے ہاتھ پر گرم گرم تیل کے چند قطرے گر گئے تھے مگر وہ یوں چیخیں مار رہا تھا گویا گرم کڑاہی میں گر گیا ہے فراز اور ساحر نیچے والے پورشن میں بنگالی توپ کو کرائے کے پیسے دینے گئے تھے اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ وہ چیخیں مارتا نیچے کو دوڑتا چلا آیا سامنے حسن آراء کھڑی تھی وہ عمر کی حالت دیکھ کر قریب چلی آئی۔

"آپ تھوڑا رکیے میں آتی ہوں۔" وہ دونوں بھی ادھر دوڑتے چلے آئے۔

"کیا ہوا؟" ساحر نے اس کا جلا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، ہاتھ پر چنے کی دال کے برابر کوئی دو تین جلنے کے نشان تھے۔

"فراز ادھر دیکھو یہ ہاتھ جلا ہے اس کا۔" ساحر نے اس کا ہاتھ فراز کی طرف کیا۔

"معمولی سی جلن ہے اور اس نے چاری کی دوڑ لگوا دی۔" وہ دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرانے لگے، اس نے بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں اس کے جلے ہوئے نشانوں پر برنال لگا دی۔

"ٹھنڈ پڑ گئی ہے۔" فراز نے ہنسی اپنے لبوں میں دباتے ہوئے عمر کو آنکھ ماری۔

"کہاں۔" ساحر نے عمر کے کان میں سرگوشی کی، حسن آراء ان کی باتوں پر غور کیے بغیر برنال کا ٹھیک طرح لیپ کر رہی تھی۔

"یہ وہ کمرے میں جا کر بتائے گا یہاں ممکن نہیں۔" عمر نے اشاروں اشاروں میں اس کی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی مگر وہ کہاں ماننے والے تھے۔

"یار ہم سے تو یہ عمر ہی اچھا ہے آج نانا جی کے بعد گھر کے کسی دوسرے فرد نے ہنس کر بات کی ہے اس کی لاٹری لگ گئی۔"

"لاٹری لگ گئی ہے، ہوں حسن آراء ہے یا مدھوبالا۔"

"حسن کی بات نہیں کر رہا ویسے کہہ رہا ہوں کہ اتنے کڑے تیوروں میں رہتی ہیں سب آج کچھ فرق پڑا ہے؟"

"فرق نہ بھی پڑے تو کوئی بات نہیں ہم نے کرایہ دینا ہے اور رہنا ہے ان کے تیوروں سے ہمیں کیا لگے۔" فراز کی بات سن کر ساحر کو حیرت ہوئی۔

"خیریت تمہیں کیا ہوا ہے بڑے بے بی بچے بن گئے ہو۔" ساحر قہقہہ لگا کر ہنس دیا عمر بھی اپنا جلا ہوا ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لئے فراز کو حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ اسے کیا ہوا ابھی تو نیچے مجھے کیسے کیسے مذاق کر رہا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"ایسے ہی یار ذرا سنجیدگی کا دورہ پڑا ہے۔" وہ اپنی حالت پر خود بھی ہنس دیا۔

"پھر بھی۔"

"وہ نگار کا فون آیا تھا۔" بتانے کا انداز بڑا بجھا بجھا سا تھا۔

"کون نگار۔" ساحر کی بھلکڑ پن پہ اسے تاؤ سا آ گیا۔

"نگا..... نگار میری خالہ زاد۔"

"اچھا..... اچھا کیا کہہ رہی تھی۔"

"ساہیوال بلا رہی ہے۔"

"کیوں اداس ہو گئی ہے۔" ساحر نے عمر کو آنکھ ماری۔

"شرم کرو یہ تمہاری ان لڑکیوں جیسی نہیں ہے، جنہیں جس طرح چاہے مخاطب کر لو۔" فراز کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

"غصہ کیوں کرتا ہے، میری والیوں جیسی نہیں ہے تو میں بھی کہاں ان سے سیریس ہوں وہ بہت اچھی ہے بتاؤ کیا کہہ رہی تھی۔" ساحر بڑی جلدی ہتھیار چھوڑ بیٹھا۔

"بس کہہ رہی ہے ساہیوال جلدی آؤ۔"

فراز کی سنجیدگی پر ساحر اور عمر بھی سنجیدہ ہو گئے تھے۔

برسات کے دن تھے بارشوں کے باوجود گرمی کی شدت میں کمی نہیں ہو رہی تھی تقریباً دو تین دن پہلے کا عمر ساہیوال گیا ہوا تھا جانا فراز نے تھا مگر اسے چھٹی نہیں ملی تھی عمر کی امی بیمار تھی سو چھٹی لے کر وہ ساہیوال چلا گیا۔

اتوار کا دن تھا دونوں کافی دیر پڑے سوتے رہے اور جب اٹھے تب سرمئی بادلوں نے کھڑکی کے رستے ہنستے ہوئے انہیں گڈ آفٹر نون کہا تھا، ساحر کی مندی مندی آنکھیں خوشی سے کھل گئیں تھیں اس کے اندر کا شاعر یکدم جاگ اٹھا تھا جو لاہور آنے پر تھوڑی دیر کے لئے سو گیا تھا، وہ بیڈ سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا آیا، سارا آسمان سرمئی رنگت میں بدل چکا تھا۔

وہ کھڑکی لان میں کھلتی تھی عامل آراء بیگم کی تینوں صاحبزادیاں لان کی کرسیوں پر براجمان تھیں، حسن آراء کی نظر اس پر پڑی تھی مگر وہ نظر بہت جلد واپس پلٹ گئی تھی، ساحر کو ہنسی آ گئی، یہ نظر عمر کو ڈھونڈ رہی ہو گی، وہ کھڑکی سے تھوڑا پرے ہٹ گیا کہیں ان کی ماں آ گئی تو اس نے کہنا ہے یہ لونڈا میری بیٹیوں کو دیکھ رہا تھا، اس نے ایک دفعہ آسمان کو دیکھا۔

دیوانہ ہوا بادل ساون کی گھٹا چھائی
یہ دیکھ کے دل جھوما لی پیار نے انگڑائی
دیوانہ ہوا بادل

"فراز کی روح بری طرح کانپ رہی ہے۔" فراز نے تکیے پر سر رکھے ساحر کو دیکھا جس نے جھنجھلا کر پیچھے کو گردن موڑی تھی۔

"کس کی روح کانپ رہی ہے؟"

"محمد رفیع صاحب کی، اتنی سریلی آواز، وہ قبر میں بھی کہہ رہے ہوں گے کہ میرا جانشین اتنی

www.pkdigest.com

دیر سے کہاں تھا۔" وہ فراز کے فراق کو سمجھتا ہوا قریب چلا آیا اور تکیہ اٹھا کر اس پر دے مارا۔

"تابدولت کی اتنی توہین۔"

"شکر کرو روح صرف رفیع صاحب کی کانپی ہے آشا جی کو پتہ چلا ناں کہ میرے گانے کا یہ حال ہو رہا ہے وہ تو تمہارا گلہ ہی دبا دیں گی، اتنا خوبصورت گانا گایا ہے انہوں نے۔" فراز بھی اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا اور پھر موسم کے خوبصورت رنگ دیکھنے کے لئے کھڑکی کے قریب چلا آیا۔

"تمہارے ساتھ ساتھ یہاں تو اور بہت سے لوگ موسم کی خوبصورتیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔" فراز کا اشارہ نیچے بیٹھی لڑکیوں کی طرف تھا۔

"ہمارے علاوہ بھی بہت سے لوگ اچھا ذوق رکھتے ہیں۔"

"ان کی سڑی ہوئی شکلیں دیکھ کر تو نہیں لگتا کہ ان کا ذوق اتنا اچھا ہوگا۔" فراز کی اس بات کے ساتھ ساحر نے بھی اتفاق کیا تھا۔

"اچھا چھوڑ یار، اچھا فراز اگر میں گانے کی پریکٹس کروں تو اچھا گا سکتا ہوں۔" ساحر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے بڑی راز داری سے استفسار کیا تھا۔

"یار سارے کام تو نے ہی کرنے ہیں، گانا، شاعری وغیرہ وغیرہ۔"

"آئے ہائے شاعری، کتنی خوبصورت چیز ہے۔"

لاکھ پردوں میں رہو بھید کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے

"کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے۔"

بات اس انداز سے کرتا ہے کہ وہ
بات کو پھول بنا دیتا ہے

فراز کو بھی شعر بہت پسند آیا تھا۔

"ہوتے ہیں کچھ لوگ ایسے بات کو پھول بنانے والے۔"

"میری طرح جب میں ریڈیو پر شعر پڑھتا ہوں تو یقین مانو اتنی پذیرائی ملتی ہے کہ پوچھو نہیں، تعریفوں کے انبار لگ جاتے ہیں، میرے فینز کی کالز پر کالز آتی ہیں۔" ساحر اکثر اپنی آواز کی خود ہی تعریف کرتا رہتا تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس کی آواز واقعی میں بہت اچھی تھی دوسرے بندے پر سحر طاری کرنے والی موبائل پر اپنا من پسند گانا "آج موسم بڑا بے ایمان ہے" پلے کر کے وہ واش روم میں جا گھسا۔

فراز ابھی بھی کھڑکی کے آگے کھڑا تھا، وہ تینوں لڑکیاں اٹھ کر اندر جا چکی تھیں وہ خود بھی چلتا ہوا بیڈ تک آ گیا اور ابھی لیٹنے والا ہی تھا کہ اپنا نام اتنے زور دار انداز میں پکارے جانے پر دوبارہ سیدھا ہو گیا، آواز نیچے سے آ رہی تھی۔

"مجھے کون بلا رہا ہے؟" وہ کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیوں کے پاس چلا آیا اور کان نیچے کو لگا دیئے، کیا واقعی مجھے کوئی بلا رہا ہے۔

بنگالی توپ پورے گلے سے زور لگاتی اسی کو بلا رہی تھی، وہ ناسمجھی کے عالم میں سیڑھیاں اتر آیا، آگے تینوں بیٹیاں اور نانا جی اس توپ کے آس پاس کھڑے تھے۔

"خدا خیر کرے لگتا ہے قیامت آ گئی ہے۔"

"تم لوگ کیا مجھے پاگل سمجھتے ہو، جو میری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے تمہارے نزدیک۔" غصے سے اس کا کالا رنگ جوش کھائے ہوئے تھا بڑی بڑی آنکھوں میں غصہ دندناتا پھر رہا تھا۔

"سمجھتے تو ہیں مگر تمہارے سامنے کہہ نہیں سکتے، مجبوری ہے۔" اس نے نظریں جھکاتے ہوئے دل میں کہا وہ غصہ کھا رہی تھی اور اس کے ہونٹوں پر ہنسی آ رہی تھی بڑی مشکل سے وہ خود کو کنٹرول کر رہا تھا۔

"ہماری اتنی جرأت کہاں جو ہم آپ کو

پاگل سمجھیں، آپ اتنی اچھی ہیں ہم نے کیوں آپ کو پاگل سمجھنا ہے۔" فراز الفاظ سے کھیلنا بہت اچھی طرح جانتا تھا۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ اس گھر میں، میں گانا برداشت نہیں کرتی اور وہ بھی ریڈیو پر۔"

"توبہ ہے لگتا ہے یہ عورت نیم کے پتے نہیں پورا پیڑ ہی نگل گئی ہے۔" فراز دل ہی دل میں صلواتیں سنا رہا تھا اسے اس کی دونوں بیٹیاں اس کی بے عزتی پر اندر ہی اندر کھل اٹھیں تھیں۔

"فراز بیٹا میں نے پہلے دن ہی آپ سے کہہ دیا تھا کہ اس گھر میں گانا بجانا نہیں ہوگا۔" نانا جی بہت سنبھلتے ہوئے اس کے قریب آ کر بولے، وہ جن کڑے تیوروں میں بول رہی تھی وہاں نانا جی کا وہ پیار بھرا انداز کسی مہرباں سائے سے کم نہیں تھا۔

"نانا جی ہم تو کسی طبلے باجے والے کو اس گھر میں لے کر نہیں آئے جو یوں آنٹی خفا ہو رہی ہیں۔"

"اوپر سے آواز تو گانے کی ہی آ رہی تھی میں نے خود اپنے کانوں سے سنی تھی۔" وہ گنجے سر والا ملازم بڑے جوش میں فراز کے آگے آتے ہوئے بولا۔

"یہ گنجو کسی دن مجھ سے پٹے گا۔"

"وہ..... وہ تو ساحر نے موبائل پر گانا لگایا ہے، آج موسم بہت سہانا ہو رہا تھا ناں اور وہ خود کو اس قابل ہے نہیں کہ خود گا کر اپنے آپ کو انٹرٹین کر سکے، اس لئے اس نے موبائل آن کیا تھا، اسے محمد رفیع صاحب بہت پسند ہیں۔" فراز نے ایسے بتایا جیسے اس کی پسند کو آگے بڑی اہمیت دی جائے گی مگر وہ آگے سے یوں خاموش کھڑے رہے جیسے محمد رفیع کے نام سے بھی واقف نہ ہوں۔

"میں نے اس کی پسند نہ پسند نہیں پوچھی۔" وہ پھر دہاڑی۔

"میرے اصولوں کے خلاف ورزی کیوں ہوئی، میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔"

"معافی چاہتے ہیں ہم، غلطی ہو گئی یاد نہیں رہا۔"

"نہیں نہیں کہیں اور بندوبست کرو اپنا۔" وہ بڑے حتمی انداز میں بولتی ہوئی کمرے میں جانے لگی تو بڑی پھرتی دکھاتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"اب کی بار معاف کر دیں آئندہ غلطی نہیں ہوگی۔" اس کے ذہن میں بالکل بھی نہیں تھا۔

"میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا، اب جاؤ تم۔"

"پلیز عالم آراء جی۔" اس نے اس توپ کے آگے گڑگڑانے میں ہی عافیت جانی، اب کہاں وہ کوئی اتنا اچھا مکان ڈھونڈ سکتے تھے (ترلے ہی کرنے) ہیں دو چار اور کر لیتا ہوں، اس نے اپنے آپ کے ساتھ مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں آپ ہمیں ایک دفعہ معاف کر دیں۔"

"جانے دو بیٹا! غلطی ہو گئی ہے بچوں سے۔" نانا جی بھی اس کی مدد کو آگے بڑھے۔

"کیا ہوا فراز؟" اتنی دیر میں ساحر بھی نیچے چلا آیا، توپ کی آواز سن کر وہ نیچے آیا تھا جو آسمان کا سینہ چیر رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا بیٹا تم لوگ جاؤ اوپر، آرام کرو، آج چھٹی کا دن ہے۔" نانا جی ساحر کو نیچے آتا دیکھ کر آگے بڑھ آئے اور فراز سمیت ساحر کو واپس اوپر جانے کے لئے کہا۔

"جاؤ کچھ نہیں ہوتا۔" جانے کیوں انہیں بھی ان لڑکوں سے مانو عجیب سی انسیت ہو گئی تھی اس کے اپنی اصولوں کی وجہ سے اس گھر میں کوئی کرائے دار ٹکتا ہی نہیں تھا کسی نہ کسی بندش کی وجہ

www.pkdigest.com

''ایکسکیوزمی۔'' ساحر بڑی فرینکس جھاڑتا ہوا عورتوں اور مردوں کے گھیرے کو چیرتا اس لڑکی (پینٹر) تک جا پہنچا۔

''جی ناہید صاحبہ۔''

''جی فرمایئے۔'' بلیک پاجامے پر بلیک لونگ شرٹ میں ملبوس وہ نازک ڈیل ڈول والی لڑکی ان کی طرف پوری توجہ سے متوجہ ہوگئی۔

''یہ میرا دوست آپ کی پینٹنگز کا دیوانہ ہوگیا ہے بس اب آپ کو ملنے کے لئے تڑپ رہا تھا تو میں نے سوچا کہ اسے کیوں اس سے محروم رکھا جائے۔'' ساحر نے کھینچ کر عمر کو اس کے سامنے کھڑا کر دیا اور وہ بے چارہ گرتے گرتے بچا تھا حیرت کے مارے ایک جملہ بھی اس کے لبوں سے ادا نہیں ہو رہا تھا، وہ تھوڑی دیر پہلے جس کے فن پاروں کی تعریف کر رہا تھا وہ سامنے کھڑی تھی اور سب کی تعریفوں پر شکریہ شکریہ کہے جا رہی تھی اور پھر ایک دفعہ شکریہ کہتی کسی اور سمت بڑھ گئی مگر اس کے ساتھ کھڑی ہو لڑکی جس کا ہاتھ ناہید نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا اسے کہاں دیکھا ہے میں نے، اس کے اتنے پرسوچ انداز پر فراز نے حیرت سے وجہ پوچھی تو اس نے اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''پتہ نہیں کون ہے لگتا ہے کہیں دیکھا ہے۔''

''اوے یہ تو وہ ہے۔'' ساحر نے بھی دیکھا تو حیرت سے اچھل پڑا فراز کی بھی حالت ویسی ہی تھی۔

''وہی اپنی آنٹی بنگالی توپ کی تیسری زہرہ جبیں، میرا مطلب ہے حسن آراء۔''

''ہاں یاد آ گیا، ویسے یہ یہاں کیا کر رہی ہے۔'' عمر کی بات پر ساحر کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔

''تو اسے بھول گیا بڑا بے ایمان تو اسے بھول گیا جس نے تیرے جلے ہوئے زخموں پر برنال لگا تھی۔''

''یاد آ گیا ہے مجھے مگر یہ یہاں کیا کر رہی ہے۔''

''چلو پوچھتے ہیں چل کر۔'' فراز تو لوگوں کی پروا کیئے بغیر جا قریب کھڑے ہوا اس کے۔

''یہ تو وہی بات ہوئی کہ ''میں نے بات کی اس نے کمال کر دیا۔'' عمر بڑبڑایا۔

وہ اپنی کسی سہیلی ناہید کی پینٹنگ ایگزیبیشن میں انوائیٹڈ تھی، فراز اور ساحر دونوں اس کے پاس کھڑے تھے عمر آگے نہیں گیا تھا، وہ اپنی دونوں بہنوں سے مختلف تھی، ٹھہرا ہوا انداز، سنجیدہ پن، عمر کو وہ اب بھی وہاں موجود چہروں میں سب سے منفرد لگ رہی تھی، کاسنی رنگ کی سادہ سی شلوار قمیض میں سلیقے سے دوپٹہ سر پر جمائے وہ نجانے کیوں عمر کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی، عمر کی نظریں اپنے آپ ان پینٹنگز کی طرف اٹھ گئیں تھیں تھوڑی دیر پہلے وہ ان پینٹنگز کی تعریف کر رہا تھا مگر اب اسے لگا جیسے ان سے زیادہ خوبصورت چیز کوئی اور بھی ہے یہاں حسن آراء۔

''اوے کیا ہوا بولتا نہیں، کیا پینٹر صاحبہ کو دیکھ کر ٹھس ہوگیا، یہ کام دل والے اور نڈر کرتے ہیں تیرے جیسے کمزور دل والے نہیں۔'' ساحر نے آکڑتے ہوئے کالر جھاڑا۔

''ایسی بھی کوئی بات نہیں۔''

''تو پھر پکڑا کیوں نہیں اس کا ہاتھ۔'' ساحر نے اسے اپنی بات میں جکڑنا چاہا۔

''جب پکڑنا ہوگا ناں تم دونوں سے نہیں پوچھوں گا، اب چلیں۔'' دونوں کو عمر کے لہجے کی مضبوطی پر حیرت ہوئی تھی۔

نانا جی ایک دفعہ پھر ان کے کمرے میں موجود تھے۔

''کیا بات ہے نانا جی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' نانا جی کے کھانسنے پر فراز لہجے میں اپنائیت لئے ان کے قریب جا بیٹھا۔

''چاپلوسی کوئی اس سے سیکھے، منٹ میں قابو کرتا ہے یہ بندہ۔'' ساحر کچن کے دروازے کے کھڑا گرما گرم چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا جو تھوڑی دیر پہلے عمر نے بنا کر اسے تھمائی تھی، تم نکموں کو چائے بھی بنانی نہیں آتی، اس نے جل بھن کر کہا تھا کیوں کہ اس وقت وہ بے چارہ دوسرے چولھے پر سالن بھی بنا رہا تھا۔

''بس بیٹا عمر کا تقاضا ہے یہ کھانسی تو قبر میں ساتھ جائے گی، اب وہ جوانی والی باتیں کہاں، ایک وقت تھا جب پورے چٹا گانگ میں میرے جیسا پہلوان کوئی نہیں تھا۔'' نانا جی نے آہ سی بھری اپنی جوانی کو یاد کرتے وہ جیسے پرانی یادوں کے دھندلکوں میں گم ہوگئے تھے، مگر عمر کی آواز سن وہ دھند کو چیر کر واپس آ گئے۔

''یہ چٹا گانگ کیا چیز ہے؟''

''بے وقوف بنگلہ دیش جو کسی وقت میں ہمارے ہی ملک کا حصہ تھا اسی کا ایک مشہور شہر ہے چٹا گانگ۔''

''او..... اچھا..... بنگال، نانا جی بنگالی ہے ناں، ہاں ہاں یاد آ گیا۔''

''شکر ہے سمجھ میں آ گیا۔'' ساحر کی بات پر وہ کھسیا گیا۔

''نانا جی آپ چٹا گانگ کے رہنے والے ہیں۔'' اس کا خیال تھا کہ گھر میں کوئی تو ہمارا طرفدار رہے اور وہ تھے بھی وہ اس دن دیکھ چکا تھا انہی کی وجہ سے اس توپ نے اپنا رخ بدلا تھا۔

''نہیں بیٹا! میں چٹا گانگ کا رہنے والا نہیں ہوں، ہمارے اماں ابا تو سلہٹ کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے پھر کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر ہم چٹا گانگ آ گئے، بہت خوبصورت تھا ہمارا گھر چٹا گانگ میں، ہر طرف ہریالی درمیان میں چھوٹا سا پیارا سا گھر۔'' بات کرتے ہوئے ان کی آنکھوں میں ننھے ننھے ستارے ٹمٹما اٹھے، فراز بھی دکھی ہوگیا، وہ بھی اپنے گھر سے دور تھے اپنے گھر کو کون بھول سکتا ہے ہر دکھ سے دور۔

''نانا جی کی بات پر فراز بہت دکھی ہوگیا ہے۔'' ساحر نے عمر کے کان میں سرگوشی کی۔

''فراز کی حالت کو میں اچھی طرح جان سکتا ہوں، گھر سے دوری کیا چیز ہوتی ہے یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں، تمہارے لئے تمہارا گھر جنت نہیں تھا مگر ہمارا گھر جنت سے بھی بڑھ کر ہے۔'' عمر بھی کافی اداس تھا۔

کہہ تو وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا وہ گھر اس کے لئے جنت نہیں تھا اس کے کانوں میں اب بھی بھابھی کے الفاظ گونج رہے تھے۔

''کام نہ کاج بس مفت کی روٹیاں توڑنے کے لئے صاحبزادے پڑے رہتے ہیں گھر میں، میں کہتی ہوں کوئی پوچھتا کیوں نہیں اس نکمے کو۔'' بھیا کے گھر آتے ہی وہ دہائی دینا شروع کر دیتیں اور بھیا وہ تو تھے ہی سدا کے بیوی کے غلام بھابھی نے جو بات کہہ دی ان کے نزدیک وہ حدیث کا درجہ پا جاتی۔

بظاہر وہ ہر وقت مذاق میں لگا رہتا تھا مگر اس معاملے میں وہ جتنا دکھی تھا وہ اس کے دونوں دوست جانتے تھے۔

''نانا جی ایک بات تو بتائیں کیا آنٹی ہمیشہ اتنے غصے میں رہتی ہیں۔'' فراز کی بات پر وہ چونک گیا، ذہن کے پردے پر چلتا سین جیسے کہیں اندھیروں میں گم ہوگیا اور وہ ایسا ہی چاہتا تھا۔

نانا جی اس کے غیر متوقع سوال پر چونک گئے، عمر نے آنکھیں نکالنے لگا کہ یہ کیسا سوال پوچھ رہا ہے، نانا جی کافی دیر خاموش رہے، نظر کا

www.pkdigest.com

چشمہ اتار کر انہوں نے اپنی سفید بنگالی لنگی کے کونے سے صاف کیا اور دوبارہ اسے آنکھوں پر چڑھا لیا۔

"نہیں بیٹا وہ ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی، بس وقت کی عطا کردہ بخششوں نے اسے چڑچڑا کر دیا ہے، وہ بہت اچھی اور پیار کرنے والی لڑکی تھی بس تو دھوکا کھا گئی۔" نانا جی کی بات پر تینوں کو تجسس نے آن گھیرا۔

"نانا جی آپ کو امی نیچے بلا رہی ہیں۔" عمر کی نظریں یکدم آنے والی پر ٹھہر سی گئیں، گلابی رنگ میں اس کا سانولا رنگ نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا، ساحر اور فراز نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اک دوسرے کو بتایا کہ لگتا ہے کہ معاملہ سیٹ ہو گیا ہے۔

"امی کہتی ہیں بار بار سیڑھیاں چڑھنے سے ٹانگیں دکھنے لگیں گی۔" وہ دروازے سے اندر آ گئی تھی عمر کو نا جانے کیوں کچھ عجیب اور کچھ نیا نیا احساس خود میں انگڑائی لیتا محسوس ہو رہا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا، حسن آراء بھی اسکے یوں کھڑے ہونے پر مسکرا اٹھی تھی۔

"چلو بیٹا!" نانا جی اٹھ کھڑے ہوئے تو عمر نے آگے بڑھ کر انکا بازو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور سیڑھیوں تک لے گیا جہاں حسن آراء نے شکریہ ادا کرتے ہوئے نانا جی کو سیڑھیوں سے اترنے میں مدد دی تھی۔

"مجھے لگتا ہے ہم چند دن کے مہمان ہیں اس گھر میں۔" ساحر نے بڑی اداسی بھرے انداز میں کمرے کے در و دیوار پر نظر ڈالی۔

"کیا مطلب!" عمر نے نا سمجھتے ہوئے ساحر سے پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے۔"

"میں نے کیا کیا؟"

"عشق۔" جس دن اس بنگالن توپ کو پتہ چل گیا ناں کہ برخوردار میری بیٹی کے ساتھ آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی کھیل کھیلنے میں کوشش کر رہا ہے تو اڑ دے گی تجھے وہ گھر کی منڈیر سے۔" ساحر نے اتنی تفصیلی یہ سب کچھ بیان کیا تھا کہ عمر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"یار تم لوگ بھی ناں بس الٹی بات کرنا۔" وہ کھسیا سا گیا تھا۔

"تو اٹھاؤ میری قسم کہ کوئی چکر نہیں ہے۔" فراز فٹ اس کے قریب آ کر سر نیچا کیئے کھڑا ہو گیا تو وہ خجل سا ہو کر اپنا سر کھجانے لگا۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے۔" ساحر کے ہاتھ بات آ گئی تھی، وہ بھلا کہاں چھوڑنے والا تھا۔

"ہاں وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔"

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

عمر کی پریم کہانی اسٹارٹ ہو گئی تھی، عمر آج کل بڑا ایکسائیڈ تھا فراز اور ساحر سے پہلے وہ آفس سے گھر آ جاتا وہ بھی مختلف بہانوں سے ان کے پورشن میں آتی رہتی، کبھی سالن دینے کبھی "میں روٹیاں پکا دیتی ہوں" اس کے دل میں عمر کی محبت پتہ نہیں کیسے جاگ گئی تھی شاید محبت ہوتی ہی ایسی ہے غدر ورنہ جتنی اس کی ماں سخت تھی اسے تو پیار کے نام سے بھی خوف آنا چاہیے تھا۔ فراز کبھی کبھی عمر کو مذاق سے کہتا "تیرا تو بڑی شیر دل خاتون سے پالا پڑا ہے، ماں توپ اور بیٹی گلاب کا پھول اور اپنے ساحر صاحب کی زندگی تو فلرٹ کرنے میں ہی گزر جائے گی سنا ہے ریڈیو اسٹیشن پر بھی سب سے زیادہ لڑکیاں اسی کو ملنے آتی ہیں اور یہ صاحب کسی کے لئے بھی سریس نہیں۔"

"عمر بھی سیٹ ہو گیا ہے اور میں بھی تقریباً سے زیادہ سیٹ ہو چکا ہوں (گویا کہ تھوڑا مسئلہ ہے) اب بس یہ ساحر ہی ہے جس نے ابھی یہ رجسٹر نہیں کھولا، میرا مطلب ہے سچے عشق والا یعنی شادی ویسے تو یہ ہم سب سے آگے ہے۔" فراز اور عمر ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔

"یار ساہیوال سے کال پر کال آ رہی ہے نگار کی، اس کے گھر والے اس کے رشتے کے لئے کہیں اور ترائیاں کر رہے ہیں وہ مجھے وہاں بلا رہی ہے کیا کروں میں۔" تھوڑی دیر پہلے نگار کا فون آیا تھا اس لئے وہ فون بند کرنے کے بعد بالکنی میں ساحر اور عمر کے پاس چلا آیا، ڈھلتی شام کے سائے گہرے ہو گئے تھے تھوڑی دیر تک لاہور کے آسمان پر رات اترنے والی تھی۔

"کیا کرنا ہے، اللہ کا نام لے اور جا، بات کر وان سے جا کر سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔" ساحر نے اسے تسلی دی، فراز حقیقت میں بہت پریشان تھا وہ نگار سے بچپن سے محبت کرتا تھا خالو اور اماں کی زیادہ نہیں بنتی تھی اس لئے شاید وہ اس پرپوزل سے زیادہ خوش نہیں تھے، اس کی اماں تو اس کی وجہ سے مان گئی تھیں مگر خالو جان اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے مگر اب کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا کیونکہ یہ اس کی محبت کا معاملہ تھا، ابھی وہ تینوں اس ٹاپک پر باتیں کر رہے تھے جب نیچے والے پورشن سے رونے کی آوازیں آنے لگیں، وہ تینوں بھی دوڑتے ہوئے نیچے چلے آئے، نیچے حسن آراء، جہاں آراء اور شمیم آراء رونے میں مصروف تھیں، توپ بیڈ پر بے ہوش پڑی تھی، فراز نے باہر جا کر جلدی سے ٹیکسی روکی اب سب سے بڑا مسئلہ تھا اس کو اٹھانا ساحر نے ٹیکسی والے کو بھی اندر بلایا پھر چاروں نے مل کر بڑی مشکل سے اسے ٹیکسی میں بٹھایا اور ہوسپٹل لے گئے جہاں ڈاکٹر نے بتایا کہ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے نانا جی بھی رو رہے تھے، اب وہ خطرے سے باہر تھیں، تینوں لڑکیاں ہسپتال کے برآمدے میں کھڑی رو رہی تھیں ان کی ماں کے سوا کون سہارا تھا ان کا، ساحر، فراز اور عمر وہ بھی حقیقت میں ان کی حالت پر بہت پریشان تھے، ان کی حالت کچھ سنبھلی تھی نانا جی سمیت وہ تینوں بھی ان کی شکر گزار تھیں۔

"آپ کی وجہ سے ہماری اماں کی نہ بچ گئی۔" جہاں آراء بڑی عاجزی کے ساتھ گویا تھی شمیم بھی کچھ ایسے ہی جملے بول رہی تھی۔

"یہ تو ہمارا فرض تھا، بس آپ لوگ پریشان نہ ہوں وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"ہم اپنے سابقہ رویے پر شرمندہ ہیں۔" جہاں آراء کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔

"ارے نہیں نہیں آپ نے کیا کیا معافی تو آپ لوگوں سے ہمیں بھی مانگنی چاہیے، ہم بھی کون سا آپ سے پیچھے تھے۔"

"بس بیٹا پرانی باتیں بول جاؤ۔" نانا جی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اس آنٹی کا کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے ایویں نہیں کوئی چڑچڑا ہو جاتا۔" آفس پہنچ کر بھی عمر کا ذہن اسی طرف لگا ہوا تھا۔

"تمہیں اس وقت کیا سوجھی۔" آفس میں لنچ کے دوران فراز نے اسے ٹوکا، گھر آ کر بھی وہ انہی باتوں میں الجھا رہا۔

"عمر تو چاہتا کیا ہے کیا نکالنا ہے تو نے اس بات سے۔" باورچی خانے میں کھڑے فراز نے ایک دھپ اس کے سر پہ رسید کی تھی، ساحر کانوں پر بقول فراز ٹوٹیاں (واک مین) لگائے گانا سن رہا تھا جب حسن آراء ہاتھ میں بڑا سا باؤل پکڑے دروازے سے اندر آئی تھی، دونوں کی

www.pkdigest.com

حیرت سے آنکھیں کھل گئیں۔

''چکر کافی آگے نکل گیا ہے۔'' فراز نے ساحر کو اشارہ کیا۔

''میں نے مچھلی بنائی تھی شوربے والی، میں آپ لوگوں کے لئے لائی ہوں سوچا شاید پسند آئے۔'' بات وہ فراز سے کر رہی تھی نظر باورچی خانے کے دروازے پر کھڑے عمر کا احاطہ کیئے ہوئے تھیں، فراز نے ان دونوں کی حالت پر رحم کرتے ہوئے حسن آراء کو باؤل سمیت باورچی خانے میں بھیج دیا اور خود باورچی خان کے دروازے پر کان لگائے ان کی باتیں سننے لگا ساحر نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

''آپ کو پسند ہے تو میں چاول بھی لائے دیتی ہوں۔''

''نہیں رہنے دیں میں روٹی کے ساتھ کھا لوں گا۔'' عمر نے منع کیا۔

''نہیں رہنے دیں، میں لا دیتی ہوں۔''

''مگر وہ آپ کی مما شاید پسند نہ کریں۔''

''میرے پسند سے انہیں کبھی اختلاف نہیں ہوا آپ روٹی نہ کھائیں میں چاول لاتی ہوں۔'' دونوں دیوار سے ہٹ گئے تھے اور یوں ایکٹ کرنے لگے جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں، پر اس کے جاتے ہی انہوں نے باورچی خانے پر دھاوا بول دیا تھا۔

''آپ کو پسند آئے گا مچھلی کا شوربہ۔'' فراز نے نقل اتاری۔

''یار بکواس نہیں کرو وہ آجائے گی۔''

''ہمیں پتہ ہے وہ نیچے اوپر ''آنے'' کے لئے ہی گئی ہے اور اسے تمہارے پاس ہی آنا ہے۔''

''اتنا آسان نہیں ہے بنگالی توپ سے بچنا۔'' عمر نے مرجھائے ہوئے منہ سے کہا۔

''تو ایک دفعہ سیریس تو ہو توپ کا منہ کس اور طرف نہ کردوں تو تمہارے یار نہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''دیکھ کتنا تر سا ہوا ہے بدتمیز۔'' فراز نے اس نے اتاولے پن پر اسے دھموکا جڑا۔

''بات ترسنے کی نہیں ہے، ویسے یار وہ کہہ رہی تھی کہ میری ماں کو میری کسی بات سے اختلاف نہیں ہوتا۔'' عمر نے بتایا۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں یہ تو جب اس تک بات پہنچے گی تبھی پتہ چلے گا۔'' فراز کی بات پر اس کا دل تھم سا گیا۔

''اتنے خطرے ہم نے اکٹھے ہی مول لے لیے ہیں۔''

''چپ کرو اس کی مدھو بالا ادھر ہی آرہی ہو گی۔'' ساحر نے چپ رہنے کا سگنل دیا، تینوں خاموش ہو گئے وہ آئی اور فراز کے ہاتھوں میں چاول کی ٹرے پکڑا کر واپس چلی گئی۔

''کیا کہہ رہا تھا مدھو بالا، شرم تو نہیں آتی تمہیں اتنی خوبصورت ایکٹرس کی یوں تذلیل کرتے۔'' فراز تو ساحر کو مارنے کے لئے باقاعدہ آگے بڑھ آیا تھا مدھو بالا کی شان میں کی گئی گستاخی وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

''انڈین انڈسٹری میں اس جیسا جامع اور مکمل فیس ابھی تک نہیں آیا اور نہ کبھی آئے گا۔'' فراز تو دیوانہ تھا اس کے حسن کا۔

''خامخواہ اس معاملے میں یہ گرمی کھا جاتا ہے بھلا مدھو بالا جی اگر حسین تو ہمیں کیا اس کی خوشی کشور کمار صاحب کو ہو گی جن کی وہ بیوی تھی یا دلیپ صاحب کو جن کی وہ معشوقہ تھی یہ یونہی بس مرتا رہتا ہے حالانکہ اسے مرے اک زمانہ ہوا۔'' ساحر کے ہاتھ سے چاولوں کی ٹرے پکڑے باورچی خانے سے باہر نکل گیا تو وہ دونوں یوں ٹرے لے جانے پر اسکا منہ دیکھتے رہ گئے۔

نانا جی بھی پچھلے تین چار دن سے بیمار تھے کھانسی کچھ زیادہ ہی زور پکڑ گئی تھی فراز اور ساحر انہیں بھی ہوسپٹل لے کر گئے تھے مگر ڈاکٹر نے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہہ کر تسلی دے دی تھی آنٹی عالم آراء بھی پہلے سے کافی بہتر تھیں اب تو ڈاکٹر نے انہیں چلنے پھرنے کی اجازت بھی دے دی تھی، ان لڑکوں کی اتنی مہربانیوں سے ان کے رویے میں کافی واضح تبدیلی آگئی تھی، عمر اس بات سے بہت خوش تھا کہ شاید کوئی بات بن جائے لیکن اس پر اک خوف بھی طاری رہتا کہ اگر آنٹی کو پتہ چل گیا کہ ہم لوگ پنجابی ہیں اور پشاور ہم لوگوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تو کیا ہو گا۔

''ہائے ری محبت۔''

نانا جی کی وہ تینوں خوب خدمت کر رہے تھے آفس جانے سے پہلے اور آنے کے بعد وہ ضرور ان سے ملتے، جہاں آراء اور شمیم آراء بھی بہت اخلاق سے ان سے ملیں، حسن آراء کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا شاید اس کی ماں مان جائے، لیکن کبھی کبھی اس کا دل ڈر جاتا کہ اس کی قسمت بھی باقی بہنوں کی طرح خراب نہ ہو جائے جو کوئی بنگالی نہ ملنے کی وجہ سے کنواری بیٹھی ہوئی تھیں وہ تو اب عمر کے اس حصے میں پہنچ رہی تھیں جہاں شادی جیسا لفظ مذاق لگتا ہے۔

وہ تینوں کھانا کھانے کے بعد نیچے چلے آئے تھے، حسن آراء انہیں آتا دیکھ کر چائے بنانے کے لئے باورچی خانے میں چلی گئی تھی، نانا جی کافی فریش فریش لگ رہے تھے۔

''آؤ بچوں ہم تمہیں ہی یاد کر رہے تھے۔'' آنٹی عالم آراء بھی وہیں موجود تھیں۔

چائے پینے کے بعد وہ وہاں بیٹھے کافی دیر باتیں کرتے رہے ساحر ایسے ہی کبھی کبھی کوئی پشاور کا قصہ لے بیٹھتا مگر باتوں باتوں کے دوران پنجابی کا کوئی نہ کوئی فقرہ اس کی زبان سے پھسل ہی جاتا اور پھر اس کے منہ سے جو نکلی یہ بات نکلی جو اس نے عمر سے کہی تھی۔

''یار اے گل چنگی نئی۔'' آنٹی عالم آراء جو پہلے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بنی ہوتی تھیں یکدم بھڑک کر آگ کا گولہ بن گئیں۔

''پشاور میں رہ کر بھی بڑی اچھی اور ٹھوس پنجابی بول لیتے ہیں آپ لوگ۔'' آنٹی کے طنز پر پھر ساحر کو تو چھپنے کے لئے جگہ نہیں مل رہی تھی۔

''اتنے کم عرصے سے تم لوگ لاہور میں ہو اور اتنی جلدی اپنی زبان بھول گئے۔'' غصے میں بھری وہ اتنی بات کہتی اٹھ کھڑی ہوئیں، پل بھر میں وہ سارے پہلے والے معاملے کو بھول گئی تھیں فراز جلدی سے اٹھ کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''سنیں آنٹی شروع سے اسے دراصل پنجابی زبان بہت اٹریکٹ کرتی ہے اس لئے بھی کبھی اس کی زبان سے ایسے پنجابی کے الفاظ ادا ہو جاتے ہیں تو اسے اکثر کہتا ہوں کہ ایسا نہ کیا کرو آنٹی غلط مطلب نہ لے لیں۔'' بات وہ آنٹی سے کر رہا تھا مگر نظریں ساحر کو گھور رہی تھیں۔

نجانے وہ کس بات کا لحاظ کر گئی تھی اس لئے خاموشی سے کمرے سے باہر چلی گئی، حسن آراء اور نانا جی اس کے رویے پر شرمندہ ہو گئے تھے وہ تینوں بھی بددل سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے آئے، کمرے میں آکر عمر اور فراز ساحر کو لعن طعن کرنے میں مصروف تھے جب حسن آراء اوپر چلی آئی۔

''میں اپنی اماں کے رویے کی آپ سے معافی مانگتی ہوں۔''

''ارے نہیں نہیں یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔'' فراز شرمندہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''معافی کی کیا بات ہے غلطی تو ہماری تھی یہ

www.pkdigest.com

بھلکو کچھ یاد ہی نہیں رکھتا۔"

"پھر بھی اماں کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" ساحر نے عمر کو آنکھ مارتے ہوئے حسن آراء کی بات کی تائید کی تو فراز اس آنکھیں نکالنے لگا۔

"ایک بات تو بتائیں حسن آراء جی، آنٹی کو پنجابیوں سے اتنی نفرت کیوں ہے۔" فراز نے اپنی طرف سے بڑی رازداری جھاڑنے کی کوشش کی تھی اسے پتہ تھا کہ اپنے سیکرٹ وہ ہم سے شیئر ضرور کرے گی۔

"دراصل ہمارے بابا پنجابی تھے۔"

"تو پھر تو انہیں پنجابیوں سے محبت ہونی چاہیے۔" ساحر کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"بس وجہ ہی ایسی تھی مگر میں سمجھتی ہوں کہ اچھا برا تو کوئی بھی ہو سکتا ہے پنجابی ہو یا بنگالی۔"

"اچھی سوچ ہے آپ کی، مگر یہ نفرت کیوں۔" ساحر اسی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"ہمارے بابا لاہور کے رہنے والے تھے مگر وہ اپنے بزنس کی وجہ سے چٹا گانگ میں رہتے تھے وہیں ان کی ملاقات اماں سے ہوئی اور پھر وہ ملاقات محبت میں بدل کر شادی میں ڈھل گئی یہ بات تب کی ہے جب بنگلہ دیش بھی پاکستان کا حصہ تھا۔"

"محبت" ویسے اس توپ کی طرف دیکھ کر تو نہیں لگتا کہ کسی نے اس توپ سے محبت کی ہوگی حسن آراء کے بابا کا ٹیسٹ پر اسے کچھ شبہ سا ہوا تھا۔" ساحر اسی نقطے پر غور کر رہا تھا۔

"نانا جی نے سنا تو انکار کر دیا کہ اک انجان شخص کے ساتھ یوں شادی کرنا مناسب نہیں مگر اماں نہ مانیں۔" ساحر نے فراز کی طرف یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔

"ہاں ایسی ہی لگتی ہے۔"

"جنگ سے کچھ عرصہ پہلے ہمارے بابا لاہور واپس آ گئے اماں ان کے یوں اچانک غائب ہو جانے کی وجہ سے بہت پریشان ہو گئیں پھر وہ ہم سب کو لے کر لاہور چلی آئیں یہاں آ کر پتہ چلا کہ بابا پہلے سے شادی شدہ تھے ان کے پانچ بچے تھے۔" حسن آراء کی نم آلود پلکیں دیکھ کر عمر کا بھی جی بھر آیا۔

"پھر 71 کی جنگ شروع ہو گئی اور دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات خراب ہو گئے اماں چاہتے ہوئے بھی واپس نہ جا سکیں تب میں پانچ چھ ماہ کی تھی، بابا پنجابی تھے اس لئے پنجابیوں سے نفرت ہو گئی اور وہ گاتے بہت اچھا تھے اب پنجابی اور گانے والوں کا کیا قصور۔" ساحر نے بھی لقمہ دیا۔

"آپ کے بابا یعنی خورشید رضا صاحب اب کہاں ہیں؟"

"وہ فوت ہو چکے ہیں۔" حسن آراء کا رنجیدہ لہجہ فراز کو بھی رنجیدہ کر گیا۔

"اور ان کے بچے؟"

"وہ ساری فیملی انگلینڈ میں شفٹ ہو چکے ہیں، شفٹ ہونے سے پہلے انہوں نے یہ گھر ہمیں دے دیا ہمارے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں تھا چاہے یہ مجبوری تھی یا کچھ اور اماں کو ماننا پڑا، ایک شخص کی محبت نے انہیں اپنے لوگوں اور اپنے ملک سے دور کر دیا، اس دھوکے سے ان کا ہر چیز پر سے اعتبار اٹھ گیا وہ ہر اس چیز سے نفرت کرتی ہیں جو بابا سے منسلک ہوتی ہے۔"

"تو کیا تم لوگوں سے انہوں نے کوئی تعلق نہیں رکھا۔" فراز تو سوال پر سوال کر رہا تھا۔

"میری اماں دوسری بیوی تھیں ایسے میں پہلی بیوی اور بچے کہاں برداشت کرتے ہیں۔"

بات تو حسن آراء نے بالکل ٹھیک کہی تھی عورت کہاں دوسری عورت کو برداشت کرتی ہے، وہ سب کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر اپنے خاوند

کے نام کے ساتھ کسی دوسری عورت کا نام نہیں سن سکتی، ایسی بہت سی باتوں نے مل کر اسے چڑچڑا کر دیا تھا فراز کو اس وقت بہت ترس آیا تھا اس پر اس شادی میں کیا ملا اس کو ہمیشہ کی بے سکونی، ایک مرد کے دھوکے اسے برباد کر دیا اپنے وطن سے دور کر دیا، حسن آراء کے جانے کے بعد بھی وہ تینوں انہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

"ماں باپ کی غلطی کی سزا ساری عمر بچوں کو بھگتنا پڑتی ہے، حسن آراء کی دونوں بہنیں جو شادی کی عمر سے کافی آگے نکل آئی تھیں جہاں بہت سی کمیاں مل کر انسان کو چڑچڑا کر دیتی ہیں، جب انسان کو اپنی خواہشات مٹی میں ملتی نظر آئیں اور وہ ہو بھی بے بس، اوپر سے کچھ ملک دوسرا اور پنجابیوں سے اتنی نفرت، اس کی بہنوں کے رشتے کیسے ہو سکتے تھے، عالم آراء بیگم نے اپنے بچوں کو اپنی نفرت کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔"

"کیوں کرتے ہیں ماں باپ ایسا، پہلے غلطی کرتے ہیں پھر اپنی غلطی کو غلطی مانتے ہوئے اس رشتے سے دستبردار ہو جاتے ہیں مگر اس کشمکش میں وہ اپنے بچوں کو بھول جاتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے بچوں کا مستقبل ان سے جڑا ہوتا ہے وہ سوچتے نہیں کہ انہوں نے کل جوان ہونا ہے ان کے رشتوں کا مسئلہ بنے گا، کیسے یہ لوگ بڑے ہو کر لوگوں کے طعنے سنیں گے۔" فراز بڑا سنجیدہ سا بول رہا تھا۔

"اس بات کا جواب تو وہی دے سکتا ہے جس نے یہ غلطی کی ہے میں نے ابھی ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا۔" فراز کی اتنی سیریس کو ساحر نے فراق کا رنگ دے دیا تھا فراز نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"میں کتنی سنجیدہ بات کر رہا ہوں اور تم۔" فراز نے غصے سے اسے جھنجھوڑ ڈالا، عمر ان کی باتوں کے جواب میں بڑا خاموش سا کھڑا تھا۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟" ساحر نے فراز نے اپنا کالر چھڑاتے ہوئے عمر کی طرف دیکھا۔

"اس کی تان وہیں ٹوٹے گی آ کر۔" فراز نے اس کے سر پر ہلکی سی دھپ رسید کی اور خود جگ میں سے نکال کر پانی پینے لگا۔

"مجھے بھی دینا۔" ساحر نے اپنے سوکھے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فراز سے کہا۔

"خود پی لو تمہارے ہاتھ نہیں ٹوٹے۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"ظالم، پینے کو پانی نہیں دیتا، لگتا ہے پچھلے جنم میں یہ ضرور یزید کا ہمسایہ رہا ہوگا۔"

"جلدی پانی دو۔"

"ایسے رعب سے پانی مانگ رہا ہے جیسے میں اس کا کمی ہوں، میں یہ پانی کا گلاس تمہیں اس لئے دے رہا ہوں کہ میرا یزید کے ساتھ کسی جنم میں بھی کوئی رشتہ نہیں تھا اوکے۔" اس نے پانی سے بھرا گلاس اسے غصے سے تھما دیا بلکہ آدھا اس پر گرا بھی دیا۔

"بولو کیا ہوا تمہیں؟" فراز نے پھر اس کے پرسوچ انداز پر اسے ٹوکا۔

"یہی سوچ رہا ہوں کہ اس میدان میں اتر تو آیا ہوں اب پتہ نہیں کیا بنتا ہے۔"

"حوصلہ رکھو کچھ نہیں ہوتا۔" فراز نے اسے دلاسہ دیا۔

پچھلے ایک ہفتے سے پھر نگار کے فون پر فون موصول ہو رہے تھے سو فراز چھٹی لے کر ساہیوال جانے والا تھا، بیگ اس نے تیار کر لیا تھا۔

"کون کہاں جا رہا ہے۔" حسن آراء ہاتھ میں میٹھے چاولوں کی پلیٹ پکڑے حیرت سے پوچھتی اندر چلی آئی، عمر جو فراز کے ساتھ بات کرنے میں مصروف تھا اس نے جلدی سے گردن

www.pkdiges.com

ادھر کو موڑی وہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بنی اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ گئی تھی، شرمیلی ہنسی لئے وہ اس کی نگاہوں میں سما گئی تھی وہ کچھ بھی بولے بغیر چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

''آپ سے کچھ پوچھا ہے میں نے۔'' اس نے عمر کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

''کہاں کھو گئے۔'' فراز اور ساحر کی موجودگی کی وجہ سے وہ خاموش ہی رہا۔

''میں جا رہا ہوں..... سا..... سا۔'' فراز کے منہ سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہوئے رہ گئے تھے اس کا سانس جیسے اندر ہی کہیں اٹک گیا، ابھی سارا پول کھل جانا تھا۔

''کیا کہا؟'' اس نے نا سمجھتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

''پشاور۔'' اس نے بڑی جلدی خود پر قابو پا لیا، ساحر اور عمر کو حیرت ہوئی تھی فراز کے ایسے بول دینے پر کہ وہ اتنا غیر ذمہ دار نہیں تھا۔

عمر میٹھے چاولوں کی پلیٹ پکڑتا اسے بھی جلدی سے کچن میں لے گیا کہ یہاں اس وقت اس کا رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

ساحر کا کام کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا آفس میں فراز کا کام بھی اسے ہی دیکھنا پڑ رہا تھا اور اب ہفتے میں تین دن کی بجائے وہ پانچ دن ریڈیو جاتا تھا، ایک دن ساحر کے منہ سے ریڈیو جاب والی بات نکل گئی لیکن اس نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ سب اس بات کا کس سے ذکر نہیں کروں گی۔

''میری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو تم لوگ میں نے اگر لیٹ گیا تھا تو یہ مطلب تھوڑی تھا کہ تم رات دس بجے گھر آؤ۔'' بنگالی توپ تو پوری طرح پھٹی تھی ساحر پر وہ تو بے چارہ آبھی آفس سے لوٹا ہی تھا کہ یہ افتاد سر پر آن پڑی، فراز تو معاملہ سنبھال لیتا تھا پر وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا ادھر فراز کے خالو نے رشتے سے صاف انکار کر دیا تھا اور کل واپس آ رہا تھا وہ۔

''فراز کے ستارے تو لگتا ہے گردش میں ہیں۔'' عمر اس سے فون پر بات کرنے کے بعد ساحر سے بولا۔

''اسی کے نہیں ہم سب کے گردش میں ہیں۔'' عمر کی بات کا جواب دیتے وہ دھڑام سے تھکا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا، توپ کی باتیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں ان باتوں سے وہ تنگ آ گیا تھا۔

ساحر ابھی آفس سے لوٹا نہیں تھا حسن آراء عمر کے پاس بیٹھی تھی۔

''ایک بات پوچھوں؟'' آج ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا کمرے میں نہیں تھا۔

''کیا بات ہے؟'' عمر کو جیسے کچھ کھٹکا۔

''کیا تم لوگ واقعی پٹھان ہو؟'' عمر کے تو جیسے طوطے اڑ گئے۔

''واقعی سے کیا مطلب؟''

''نہیں وہ ایکچوئیلی اس دن پشاور کہنے سے پہلے فراز کے منہ سے کچھ اور لفظ نکل گیا تھا اس لئے مجھے لگا کہ شاید تم لوگ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔''

''نہ..... نن..... نہیں تو۔'' وہ ہکلانے لگا۔

''نہیں تو کچھ نہیں چھپایا۔''

''اور وہ ساحر کی ریڈیو والی بات وہ کیوں چھپائی مجھ سے۔'' عمر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہے۔

''تم ایسی باتیں کیوں پوچھ رہی ہو؟'' عمر کو ڈر تھا کہ اس کے منہ سے کوئی ایسی ویسی بات نہ نکل جائے۔

''تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو، بس مجھے لگتا ہے کہ کچھ تو ایسا ہے جو تم کچھ چھپا رہے ہو۔''

ابھی وہ انہی باتوں میں لگے ہوئے تھے کہ ساحر چلا آیا اس نے حسن آراء کی آخری بات سن لی تھی۔

''آپ نے جو بھی پوچھنا ہے مجھ سے پوچھ لیں۔''

''ہاں ہم لوگ پٹھان نہیں ہیں صرف یہاں کرائے کا مکان لینے کے لئے ہم نے جھوٹ بولا ہمیں پتہ تھا کہ آنٹی بنگالی ہیں اور وہ کسی پنجابی کو مکان نہیں دیتیں ہمیں مجبوری تھی اس لئے جھوٹ بولا۔'' عمر نے اسے گھور کر سمجھانے کی کوشش کی۔

''کہنے دو مجھے اور جھوٹ نہیں بولا جاتا مجھ سے، میں ریڈیو پر بھی جاب کرتا ہوں ہم لوگ ساہیوال کے رہنے والے ہیں۔''

حسن آراء تو یاد آیا کہ ہاں اس دن فراز کے منہ سے بھی کچھ ایسا ہی نکلا تھا، اس نے مزید کوئی بات نہیں پوچھی تھی اس کے ری ایکشن سے عمر جان نہیں پایا تھا کہ اس کے دل میں کیا آیا ہے۔

''یار اس کے جواب پر وہ کیا سوچ رہی ہے۔'' وہ چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئی۔

''سارا کام خراب کر دیا، فراز کو پتہ چلا تو بہت ناراض ہو گا جھوٹ بول بول کر بے چارے کی زبان گھس گئی ہے اور تم نے منٹ میں سارا معاملہ بگاڑ دیا۔''

''کوئی بات نہیں اور ڈھونڈ لیں گے مکان۔'' وہ بڑی لاپروائی سے بولا اس کے تو سر پر سے جیسے بوجھ اتر گیا تھا۔

''ڈھونڈ لیں گے لوگ جیسے کھڑے ہیں مکانوں کی چابیاں ہاتھ میں پکڑے تمہارے استقبال کے لئے۔'' کافی دیر دونوں میں یہی بحث چھڑی رہی۔

فراز نے آج آنا تھا مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا ساحر فون پر فون کر رہا تھا مگر اس کا فون نہیں مل رہا تھا وہ بہت پریشان ہو گیا تھا، نجانے کیا بات ہے فون کیوں نہیں اٹھا رہا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اس کا خود ہی فون آ گیا، ساحر نے تو اٹھتے ہاتھ ہی اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔

''اتنے غیر ذمے دار آدمی ہو تم، پتہ ہے میں کتنا پریشان ہو رہا ہوں۔''

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مراحل میں کسی بڑے اہم معاملے میں الجھا ہوا تھا اور اب مجھے مبارک باد دو میرے دوستوں میں کامیاب ہو گیا، ہاں خالو جان مان گئے۔'' فراز کی بات سن کر وہ تو خوشی سے اچھل پڑا تھا سارا غصہ جیسے ہوا ہو گیا تھا، وہ ان دونوں کے ساتھ بھائیوں سے بڑھ کر پیار کرتا تھا اور یہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھی اور وہ بھلا اس سے غصے کیسے ہو سکتا تھا۔

ساحر اور عمر آفس سے سیدھے بازار چلے گئے تھے واپسی پر دونوں نے کھانا بھی باہر ہی کھایا تھا عمر بے چارہ جلد ہی کھانا کھانے کے لئے مان گیا تھا کیونکہ وہ ساحر کی باتیں سننا نہیں چاہتا جو وہ اکثر باہر کھانا نہ کھانے کی وجہ سے کرتا تھا۔

''یار کتنا اچھا لگتا ہے جب کوئی پکا کر بلا کر سرو بھی کر دے اب تو کھان پکا پکا کر تنگ آ گیا ہوں میں۔'' عمر ستائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''کہو تو آنٹی بنگالی توپ سے کروں تیرے رشتے کی بات۔'' ساحر نے اسے چھیڑا۔

''مجھے تو لگتا ہے وہ رشتہ نہیں دے گی بلکہ ہمیں اپنے گھر سے باہر دھکا دے گی۔''

''یار ساس کا دھکا بھی کہاں۔'' ساحر نے مذاق کرتے ہوئے عمر کا کندھا تھپتھپایا۔

''کوئی بات نہیں تیرے لئے دھکا بھی کھائیں گے۔'' گھر آ کر انہوں نے نیچے والے پورشن میں غیر معمولی خاموشی محسوس کی تھی، آنٹی

www.pkdigest.com

بنگالی توپ نے بڑی عجیب عجیب نظروں سے انہیں دیکھا تھا ہاں مگر دیر سے آنے پر بھی بولی کچھ نہیں تھی، دونوں کو خاصی حیرت ہوئی، نانا جی بھی چپ چاپ سے قریب سے گزر گئے تھے اور حسن آراء بھی باہر نہیں آئی تھی ورنہ آگے پیچھے جب بھی وہ گھر آتے وہ خامخواہ کسی نہ کسی بہانے سے باہر نکل آتی۔

''مجھے تو لگتا ہے کچھ ہو گیا ہے، حسن آراء نے سب کچھ شاید بتا دیا ہے۔'' عمر کو جیسے کچھ کھٹکا۔

''بتایا ہوتا تو ہمارے آنے سے پہلے ہمارا بوریا بستر دروازے پر ہوتا۔'' ساحر کو عمر کی بات سے اتفاق نہیں ہوا تھا۔

دوسرے دن فراز بڑا خوش لوٹا تھا۔

''چلو ہم نہ سہی تم تو پار لگے ہو، ہمیں دیکھیں عشق کی نیا کہاں ڈبوتی ہے۔'' عمر نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بڑی رشک بھری نظروں سے فراز کو دیکھا۔

''پریشان کیوں ہوتا ہے میں آ گیا ہوں ناں اب خود آنٹی سے بات کرلوں گا۔'' فراز نے ایسے بات کی جیسے آنٹی سب سے زیادہ اسی کی بات مانتی ہے وہ شاید خوش بہت تھا اس لئے ایسے ہی فخریہ بول گیا۔

''تمہیں کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ان تک ساری باتیں پہنچ چکی ہیں۔'' پھر عمر نے اس ساحر کی ساری باتیں بتا دیں جو اس نے حسن آراء سے کی تھیں۔

''یہ کیا کر دیا تم لوگوں نے میں تھوڑے دنوں کے لئے غائب کیا ہوا پیچھے سے کایا ہی پلٹ گئی، چلو اب سامان باندھو اپنا اپنا کسی وقت بھی جواب مل سکتا ہے۔'' فراز سر پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''کوئی بات نہیں بندوبست کر لیں گے ہم کسی اور مکان کا ورنہ ریڈیو اسٹیشن تو ہے ہی۔'' ساحر کی لاپروائی پر اسے تاؤ سا آ گیا۔

''بات کرائے کے مکان کی نہیں لئے بات ہے ہماری عزت کی، انہوں نے کہنا ہے کہ ہم نے انہیں دھوکا دیا۔''

''یہ تو ہے بیٹا دیا تو دھوکا ہی ہے۔'' نانا جی کی آواز سن کر وہ تینوں چونکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، وہ پتہ نہیں کب کے دروازے کے پاس کھڑے تھے۔

''بہت دکھ ہوا بیٹا یہ سب سن کر، تم لوگوں کے بارے میں، میں ایسا سننا نہیں چاہتا تھا یہ امید نہیں تھی مجھے۔''

''نانا جی پلیز آپ ہمیں غلط نہ سمجھیں۔'' فراز نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے لیا۔

''ہمیں مجبوری تھی، آفس کے فرش پر سو سو کر ہماری کمریں دکھنے لگی تھیں، ہم نے جھوٹ کسی اچھے کام کے لئے بولا تھا ہماری نیت بری نہیں تھی۔''

''میری بیٹی کو بہت دکھ پہنچا ہے تم لوگوں نے اسے دھوکا دیا ہے۔'' ساحر نے انہیں کرسی پر بیٹھا دیا تھا

''نانا جی ہم نے کہا ناں کہ ہماری نیت بری نہیں تھی، آنٹی کو برا لگا ہے تو ہم معافی مانگنے کے لئے تیار ہیں۔'' فراز ان کے سامنے سیدھا کھڑا ہو گیا۔

کمرے میں تھوڑی دیر کے خاموشی چھا گئی، عمر چپ چاپ کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا اس کی قسمت جانے کیا کروٹ بدلنے والی تھی جانے کیا فیصلہ ہو گا۔

''نانا جی آپ تو ہمیں سمجھتے ہیں۔''

''میرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے بیٹا، اس نے آپ نے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔'' ساحر اور

فراز دونوں نانا جی کے سامنے شرمندہ کھڑے تھے کہہ تو وہ ٹھیک رہے تھے ہم نے آنٹی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے اب معافی بھی ہمیں انہی سے مانگنی چاہیے۔

ان کی آنکھوں میں تیرتا پانی دیکھ کر ان تینوں کو جیسے جھٹکا لگا تھا انہیں تو یقین تھا کہ آنکھوں میں غصہ لئے وہ خونخوار ان پر برس ہی پڑیں گی مگر وہ خاموش بیٹھی ہوئی تھیں شاید حسن آراء کے ساتھ تین چار دن پہلے کی ان سے بات ہو چکی ہے اتنے عرصے میں ان کے ذہن نے بہت کچھ سوچا ہو گا۔

''خدا گواہ ہے کہ ہماری مجبوری نے ہمیں یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا ہماری نیت بری نہیں تھی نئے رشتے بننا اور بگڑنا یہ تو بعد کی باتیں ہیں، یہاں آ کر عمر اور حسن آراء کی طرف سے جو بھی ہوا ہم ایسا کچھ سوچ کر یہاں نہیں آئے تھے۔'' فراز اپنی طرف سے انہیں بریف کر رہا تھا مگر حسن آراء کی وجہ سے اس کا دل پہلے ہی نرم پڑ چکا تھا حسن آراء کے اس قدم سے کسی اور سمت سوچنے پر مجبور کر دیا تھا نفرتوں کے ریلے اسے بہت آگے تک لے گئے تھے مگر اب وہ پچھتاوں کی آگ میں جل رہی تھی۔

وہ تینوں تو اس سے معافی مانگنے آئے تھے مگر وہ ان کے معافی مانگنے سے پہلے ہی بیٹی کی محبت کے آگے ہار گئی تھی، حسن آراء نے اس کی آنکھیں کھول دیں تھیں، اپنی آدھی سے زیادہ زندگی اس نے ایک ایسے شخص کی نفرت کرنے میں گزار دی جس نے اسے دھوکا دیا مگر اس نفرت میں وہ اپنے بچوں کے مستقبل سے لاتعلق ہو گئی لیکن حسن آراء نے آج اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اس کی بیٹیاں بھی دل رکھتی ہیں اور ان کا دل کسی پنجابی پر بھی آ سکتا ہے جب اس وقت میں نہیں رکی تھی تو یہ کہاں رک سکتیں ہیں۔

اس کی دو بیٹیاں کو اس کی نفرت کی بھینٹ چڑھ گئی تھیں اگر وہ یہ سوچ زمین میں نہ رکھتی کہ سب پنجابی برے ہوتے ہیں تو آج اس کی دونوں بڑی بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں آباد ہوتیں۔

''ہم جانتے ہیں کہ آپ ہمارے جھوٹ سے اتنا بدظن نہیں ہیں جتنا ایک پنجابی ہونے پر آپ کو برا لگ رہا ہے مگر آنٹی میں ایک بات کہنا چاہوں گا کہ انسانیت کسی پنجابی کسی بنگالی یا کسی سندھی کی میراث نہیں کوئی بھی اچھا یا برا ہو سکتا ہے اگر انکل پنجابی تھے اور انہوں نے آپ کے ساتھ برا کیا لیکن ضروری نہیں کہ جو آپ کی بیٹی کا انتخاب ہے وہ بھی برا ہو۔'' عمر کی بات پر انہوں نے محبت سے اس کی طرف دیکھا تھا واقعی ان کی بیٹی کا انتخاب برا نہیں تھا گو کہ ان کی وجہ سے انہیں بہت بڑا شاک پہنچا تھا مگر اب وہ بالکل نارمل تھیں اور اسے کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی اس کے ساتھ جو ہوا وہ اس کی اپنی قسمت تھی اب وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ زندگی محبت سے گزرتی ہے نفرتیں دل میں پالنے سے نہیں۔

''حسن آراء آپ کی امانت ہے میرے پاس جب جی چاہے آ کر لے جایئے۔'' عالم آراء بیگم کی اس ایک بات نے عمر کے دل میں چاہتوں کے دیئے روشن کر دیئے تھے وہ جو تقریباً آس توڑ ہی چکا تھا دل کی کلی کھل کر گلاب بن گئی تھی، حسن آراء بھی پانی سے لبریز آنکھوں میں خوشی کی کرنیں لئے دمک اٹھی تھی اور ان کو خوش دیکھ کر ساحر اور فرازی بھی خوشی سے ناچ اٹھے تھے، دلوں سے جب نفرتیں مٹتی ہیں تو ہر چہرہ ہی خوشی سے روشن نظر آتا ہے جیسے آج عالم آراء بیگم کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

☆☆☆

www.pkdigest.com

محبت دعا کی صورت

تسکین زاہد خان

آؤ کہ بتائیں ہم تم کو
کیا چیز محبت ہوتی ہے
انسان کے دل پر انسان کی
پاکیزہ حکومت ہوتی ہے
کچھ حسن میں جدت ہوتی ہے
کچھ عشق میں چاہت ہوتی ہے
کچھ آنکھیں اشارہ کرتی ہیں
بس "یونہی" محبت ہوتی ہے

"بس یونہی محبت ہوتی ہے" یہ لہجہ ابھی تک اُس کے آس پاس سرسرا رہا تھا۔ اُس نے اپنے سامنے کھلی ڈائری بند کر دی۔ مگر اس آواز کی بازگشت نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اُس نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے مگر وہ آواز بند نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ آواز کہیں باہر سے نہیں بلکہ اُس کے دل سے آ رہی تھی اور دل کی آواز کانوں پر ہاتھ رکھ لینے سے بند نہیں ہو جاتی۔

"چھوڑ دو میرا پیچھا۔ کیوں بار بار تم میری راہ میں آ جاتے ہو آخر کیوں میں تمہیں بھول نہیں پا رہی ہوں۔ تمہاری بے رخی تمہاری بے وفائی نے بھی میرے دل سے تمہاری محبت کو ختم نہیں کیا کیوں آخر کیوں"۔ وہ اپنے دل میں براجمان اُس شخص سے مخاطب تھی جسے وہ جتنا بھولنے کی کوشش کرتی تھی وہ اُسے اتنا ہی یاد آتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں دو لوگوں کو کبھی بھلا نہیں سکتے۔ ایک وہ جو جنہیں ہم یاد رکھتے ہیں اور دوسرے وہ جنہیں ہم بھلانا چاہتے ہیں۔ اور اُس کی زندگی میں وہ شخص دوسرے نمبر کے لوگوں کی کیٹگری میں تھا۔

"مما، مجھے بھوک لگی ہے" وہ ابھی تک اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی جب مامن نے اُس کا بازو ہلایا۔ اُسے ماضی سے حال میں پہنچنے میں صرف ایک لمحہ لگا۔

"آپ رو کیوں رہی ہیں" مامن اُس کے آنسو صاف کرتی ہوئی بولی تو وہ روتے ہوئے مسکرا دی۔ اور تلخ یادوں سے پیچھا چھڑاتی مامن کو کھانا دینے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

یوں تو دن دہاڑے بھی لوگ لوٹ لیتے ہیں
لیکن اُن نگاہوں کی اور ہی سیاست تھی

وہ اپنے زرتار ڈوپٹے کو سمیٹ کر شانوں پر پھیلا رہی تھی جب اُسے اپنے عقب سے یہ آواز سنائی دی۔ وہ پلٹی۔

وہ آنکھوں میں اک شوق جہاں آباد کیے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی عزیز از جان دوست شمائلہ کی شادی تھی اور وہ بارات کے ساتھ آیا ہوا تھا مگر منڈلا اُس کے اردگرد رہا تھا۔ جہاں سے بھی گزرتا اُس پر کوئی نہ کوئی فقرہ اُچھال دیتا۔ اس وقت بھی وہ سیڑھیاں اُتر رہی تھی کہ وہ اُس کے پیچھے آ گیا۔

"رُکیے نا"۔

اُس کے لہجے میں نجانے کیا بات تھی کہ وہ ٹھٹک کر رُک گئی۔

"مجھے نوشید رضا کہتے ہیں اور آپ کو" وہ اُس سے ایک سیڑھی کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

"دلکش" اُس نے نظریں اُٹھائیں مگر پھر جلد ہی دوبارہ جھکا لیں وہ ابھی تک اُسے نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

"بہت خوب صورت نام ہے بالکل آپ کی طرح" وہ اُس کی طرف جھکتا ہوا بولا تو وہ جلدی سے

سیڑھیاں اُترنے لگی پھر کوریڈور سے مڑتے ہوئے اس نے پلٹ کر دیکھا وہ ابھی تک وہی کھڑا اُسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

پھر رُخصتی تک اُسے اپنے اوپر دو براؤن آنکھوں کی تپش محسوس ہوتی رہی۔ مگر اُسے یہ نظریں بری نہیں لگ رہی تھیں۔

"میں جا رہا ہوں شاید اب ہم کبھی نہ ملیں" جاتے وقت وہ اُس کے پاس ٹھہرا۔ "مگر اگر آپ چاہیں تو ہم مل سکتے ہیں دلکش" اُسے کبھی اپنا نام اتنا اچھا نہیں لگا تھا جتنا اب اُس کے منہ سے سن کر لگا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی بس نظریں جھکائے کھڑی رہی۔

"یہ رہا میرا نمبر اگر کبھی میری یاد آئے تو مجھ سے رابطہ ضرور کیجئے گا میں آپ کا منتظر رہوں گا ہمیشہ" اُس نے "ہمیشہ" پر زور دیا۔ اور ایک چٹ پر اپنا نمبر لکھ کر اُسے تھما دیا اور رابطہ نہ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اُس نے ایک ہفتے بعد ہی اُسے فون کر دیا۔ پھر ملاقاتیں شروع ہو گئیں۔

وہ لفظوں کا کھلاڑی تھا اور وہ اُس کے لفظوں کے سحر میں پھنستی چلی گئی کہ واپسی کہ راہ ہی گم ہو گئی۔

آخر کار ایک دن وہ اپنے والد سعید احمد کے سامنے جا کھڑی ہوئی اس خواہش کے ساتھ کہ "میں نوشید سے شادی کرنا چاہتی ہوں" سعید احمد کے سمجھانے کا کوئی اثر نہ ہوا اُس پر تو عشق کا بھوت سوار تھا۔

وہ تین بہنوں سے چھوٹی اور لاڈلی تھی۔ سعید احمد اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ مگر اس معاملے میں وہ کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہ تھے انہوں نے اپنی بڑی تینوں بیٹیوں کو اپنوں میں بیاہا تھا وہ غیروں میں رشتہ جوڑنے کے خلاف تھے۔ ماں کی ممتا اور باپ کی محبت بھی اُسے اُس کے فیصلے سے ہٹا نہ سکی۔

www.pkdigest.com

نے اسے گلے لگالیا۔ وہ اُس کے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

مامن کی ڈلیوری شمائلہ کے گھر میں ہی ہوئی۔ شمائلہ اور اُس کی ساس نے اُس کا بہت خیال رکھا۔ شمائلہ کے شوہر سجاد کینیڈا رہتے تھے اس لئے بھی اُسے اُس کے گھر رہتے ہوئے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ مامن ابھی دو ماہ کی ہی تھی کہ اچانک شمائلہ اور اُس کی ساس کے لئے سجاد نے ویزا اور ٹکٹ بھیج دیا۔ شمائلہ کے جانے کا سن کر وہ شاک رہ گئی تھی وہ اُس کی اتنی عادی وہ چکی تھی کہ اُس نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں تھا وہ اپنے ایک دن اپنے شوہر کے پاس چلی جائے گی۔ پھر شمائلہ چلی گئی ڈھیر ساری نصیحتیں اُسے کر کے۔ سب سے پہلے تو وہ اُسے اپنے ماں باپ سے ملنے کا کہہ گئی تھی مگر وہ اُن کے پاس جانے کی بجائے وومین ہاسٹل آ گئی۔ ایک سکول میں جاب کرنے لگی۔

شمائلہ کے جانے کے بعد جو بے سائبانی کا احساس ہوتا تھا اب اُسے میں کچھ کمی آ گئی تھی۔ مامن اب ایک سال کی ہو گئی تھی۔

ایک دن وہ مامن کی کچھ چیزیں لینے دکان پر گئی تو اُسے وہاں پر اپنے محلے کی خالہ سعدیہ نظر آئیں اور پھر جو خبر انہوں نے اسے سنائی وہ اس کے پیروں تلے زمین نکال چکی تھی۔ امی اُس کی شادی کے دو ماہ بعد ہی انتقال کر گئی تھیں اور ابو ہاسپٹل میں تھے۔ ساری دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ وہ اگلے دن ہی مامن کو لے کر ہاسپٹل چلی آئی۔

''ابو مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کی نافرمانی کی'' وہ اُن کے سینے پر سر رکھے رو رہی تھی۔ اُنہوں نے اسے معاف کر دیا۔ ایک باپ اپنی بیٹی سے بھلا کب ناراض ہو سکتا ہے اور وہ ناراض ہی کب تھے وہ تو بس اپنا مان ٹوٹنے پر افسردہ تھے۔

وہ سارا سارا دن اُن کے پاس رہتی اُن کی تیمارداری کرتی۔ اور پھر وہ بھی چلے گئے اپنا سب کچھ اُس کے نام کر گئے تھے اور وہ اُن کی اس محبت پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ مگر رونے سے وہ واپس تو نہیں آ سکتے تھے نا۔ اُسے اپنے آپ کو سنبھالنا پڑا اپنے لئے نہیں بلکہ مامن کے لئے۔

اُن کا گھر دو منزلہ تھا۔ اوپر والے پورشن میں وہ خود شفٹ ہو گئی اور نیچے والا کرایہ پر دے دیا۔ مکان کا کرایہ اور دو دُکانوں کا کرایہ اُن دنوں کے لئے کافی تھا اُس نے سکول کی جاب چھوڑ دی اور مامن کی پرورش کرنے لگی تھی جو اُس کی ماں تھی اور باپ بھی۔ اُس نے مامن کو یہ بتایا تھا کہ اُس کے پاپا اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں اور وہ کبھی نہیں آئیں گے۔ وہ معصوم بچی تھی سمجھ گئی۔ اور وہ خود اُس باپ کی بے حسی پر روتی رہتی جو اپنی بیٹی کے وجود سے باخبر ہوتے ہوئے بھی کتنا بے خبر تھا۔ بہر حال زندگی گزر رہی تھی۔ جیسے تیسے۔ مگر اب بھی جب اُسے نوشید کی یاد آتی تھی تو سارے زخم پھر اُدھڑنے لگتے اور وہ اُن زخموں کو سمیٹتے سمیٹتے خود لہولہان ہو جاتی۔

☆☆☆

''وہ مما مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی'' مامن جھجکتی ہوئی اُس کے پاس بیٹھ گئی تو اُس نے غور سے اُسے دیکھا وہ خاصی تذبذب کے عالم میں بیٹھی اُنگلیاں چٹخا رہی تھی۔ اُس نے نظر بھر کر اُسے دیکھا ''میری بیٹی کتنی بڑی ہو گئی ہے'' وہ دل ہی دل میں مخاطب ہوئی۔ مامن ایم اے انگلش کر رہی تھی۔ مگر آج غور سے دیکھنے اُسے پر پتہ چلا کہ اُس کی بیٹی تو اُس کے قد کے برابر ہو گئی ہے۔ ''ایسی کوئی بات ہے جو تمہیں مجھ سے کہنے میں جھجک محسوس ہو رہی ہے'' وہ اُسے اپنے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے بولی۔

''مما وہ ..... فاران ہے نا.....''

کسی ہونی کا احساس اُسے سائے دے رہا تھا۔

''وہ میرے ساتھ پڑھتا ہے'' وہ تمہید باندھ رہی تھی ''میں اسے پسند کرنے لگی ہوں اور وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے'' آخر کار اس نے کہہ ڈالا۔ ''محبت'' اس لفظ کو اُس سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ ''مما میں اُس سے شادی کرنا چاہتی ہوں'' اُسے لگا کر اُس کے سامنے وہ خود کھڑی ہے۔

''وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ منع نہیں کریں گی'' اور پھر وہ فاران مصطفیٰ کو لے آئی۔ وہ اُسے بالکل نوشید ہی لگا ویسا ہی لفظوں کا کھلاڑی۔ اُس نے مامن سے سوچنے کا وقت مانگا۔ وہ عجیب کشمکش میں تھی۔ اُسے اس وقت اپنے ابو کی بے بسی یاد آئی۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ فاران مصطفیٰ اُسے نوشید رضا کی طرح لگا تھا تو یہ اُس کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اب اُسے ہر اُس شخص میں نوشید رضا کا چہرہ نظر آتا تھا جو ''محبت'' کی بات کرتا۔ ایک طرف اگر اُس کی بیٹی کی ''محبت'' تھی تو دوسری طرف اُس کا ''مستقبل''۔

وہ بینک سے کچھ رقم نکلوانے کے لیے گئی تو واپسی پر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کی نظر سامنے سے آتے فاران مصطفیٰ پر پڑی اور اس کے ساتھ چلتی لڑکی۔ وہ جو کسی فیصلے پر پہنچنے ہی والی تھی پھر ڈگمگا گئی۔ اُن دنوں نے اسے نہیں دیکھا تھا وہ ان دونوں کے پیچھے چلنے لگی۔ وہ ایک ریسٹورینٹ میں داخل ہو گئے۔

وہ بھی اُن کے ساتھ والی ٹیبل پر پشت کر کے بیٹھ گئی۔

''اچھا اب بتاؤ کیا کھاؤ گی آج کا لنچ میری طرف سے'' وہ اپنے سامنے بیٹھی لڑکی سے کہہ رہا تھا ''شکر ہے تمہیں میرا بھی خیال آیا ورنہ آج کل تمہیں مامن کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا''۔

''یار سمجھا کرو نا۔ تمہیں بتایا تو تھا یہ صرف ایک ڈھونگ ہے پہلے پہلے تو میں اُس کی خوبصورتی اور معصومیت کی وجہ سے اُس کی طرف متوجہ ہوا تھا مگر جب سے پتہ چلا ہے کہ وہ اپنی ماں کی اکلوتی بیٹی اور کافی پیسے والی ہے تو میری دلچسپی بڑھ گئی۔ اب سوچ اگر میں اُس سے شادی کرتا ہوں تو اُس کی ماں سب کچھ اُس کے نام کر دے گی آخر اُس کے سوا اُس کا ہی کون اور وہ مامن اتنی معصوم ہے کہ آسانی سے ٹریپ ہو جائے گا اور سب کچھ میرے نام کر دے گی پھر اُس کا قصہ ختم اور پھر تم ہو گی اور میں۔ میرے دل کی اصلی محبوبہ تو تم ہی ہو مامن تو صرف ایک سنگ میل ہے'' وہ اُس کے دونوں ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا اور خود اُس کے ارد گرد دھماکے ہو رہے تھے۔ اُسے لگا سامنے نوشید کھڑا ہے۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ ''نہیں میں اپنی مامن کو دلکش نہیں بننے دوں گی'' وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ پھر وہ فیصلہ جو اتنے دنوں سے نہیں ہو رہا تھا اچانک ہو گیا۔

☆☆☆

''مامن'' وہ کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ وہ اُس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

''مامن آج تمہیں ایک فیصلہ کرنا ہو گا۔ اگر میں کہوں کہ تم مجھ سے اور فاران مصطفیٰ میں سے کس کا انتخاب کرو گی تو تمہارا جواب کیا ہو گا'' وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ اب اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کے باپ نے یہ سوال کیسے کیا ہو گا۔ ''مکافاتِ عمل'' اور ''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' جیسی کہاوت اُس کے آگے ناچ رہی تھی۔

''میں آپ کو چھوڑ دوں گی'' جواب حسب توقع تھا۔ اچانک اُسے اپنے گھٹنوں پر کسی کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا''۔ آنکھیں کھولیں تو۔ یہ کیا سامنے مامن اُس کی گود میں سر رکھے رو رہی تھی۔

''میں آپ کو چھوڑ دوں گی یہ آپ نے سوچ بھی کیسے لیا۔ فاران آپ کی برابری نہیں کر سکتا کبھی بھی نہیں۔ آپ نے کیا سوچا میں اپنی اس ایک سالہ

www.pkdigest.com

''اف نہ جانے ابھی کتنا سفر باقی ہے۔''
خوشان نے رات کی تاریکی اوڑھے خاموش تیزی سے گزرتے مناظر پر سے نظر ہٹا کر کوچ کے اندر کے ماحول پر اپنی توجہ کی۔ ہلکی سی روشنی میں سیٹوں کی پشت سے ٹیک لگائے' گھٹنوں میں سر رکھے یا پھر سیٹ پر سمٹ کر لیٹی لڑکیاں' سب کی سب خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھیں اور لائبہ شاہ بھی خوشان صدیقی کے کاندھے پر سر رکھے آرام کر رہی تھی۔ خوشان پہلی مرتبہ اتنے لمبے سفر میں اپنی فیملی کے بغیر اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کر رہی تھی۔

'وشان اور لائبہ کی دوستی گو بہت گہری تھی اور چونکہ دونوں کے گھر بھی قریب قریب تھے اس لیے ان کی دوستی کا الگ ہی رنگ تھا۔ پڑوسی ہونے کی وجہ سے دونوں گھرانوں کے تعلقات بہت خوشگوار اور دوستانہ تھے۔ اسی لیے تو لائبہ شاہ کی امی نے اظہر بھائی کی منگنی ہوتے ہی خوشان کی ممی کو باور کروا رہا تھا کہ اظہر بھائی کی بارات کے ساتھ وہ لوگ بھی ضرور جائیں گے۔ جو کہ ملتان جانی تھی۔ مگر ادھر اظہر بھائی کی شادی کے فنکشن شروع ہوئے ادھر مما کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ مگر مما نے خوشان کو جانے کی اجازت دے دی کہ آنٹی ناراض نہ ہوں۔ پھر خوشان بھی لائبہ کے خاندان والوں سے بہت حد تک واقف تھی۔ اور لائبہ تو بے پناہ خوش تھی کہ خوشان ان کے ساتھ تھی۔

لائبہ شاہ خاندان کی پہلی لڑکی تھی جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی تھی اس لیے اسے خاندان بھر میں منفرد حیثیت حاصل تھی اور خوشان چونکہ لائبہ کی اکلوتی چہیتی سہیلی تھی اس لیے خوشان کو بھی بہت پذیرائی نصیب ہوئی تھی اور دوران گفتگو بھی صامیہ' رامیہ' شیریں' عامرہ' زنیرہ خوشان کو بھی شریک گفتگو کرتی رہی تھیں۔ مگر لائبہ شاہ کو عزیم احمد کا نام لے کر چھیڑنے کے علاوہ وہ زیادہ نہ کر سکی۔ حالانکہ وہ ان سب سے خاصی فری ہو گئی تھی۔ اور اس وقت کوچ میں موجود سب کی سب یا تو باقاعدہ انگیج تھیں یا پھر در پردہ ان کی بات کسی نہ کسی کزن سے پکی تھی۔ اور یہ بات خوشان کے لیے ایکسائٹمنٹ سے بھرپور تھی اور سب سے زیادہ بے چینی تو اسے عزیم احمد کو دیکھنے کی تھی۔ تصویروں کی حد تک تو خوشان اس سے واقف تھی اور بہت حد تک متاثر تھی کہ عزیم احمد ایم ایس۔ سی کر رہا تھا۔ اور خوشان حیران تھی کہ اس فیملی میں لڑکے سب کے سب پائی کو الیفائیڈ تھے۔ مگر لڑکیوں کی تعلیم واجبی ہی تھی۔ بلکہ کئی ایک تو بالکل ہی ان پڑھ ہی تھیں۔ مگر پھر بھی کامیاب زندگی گزار رہے تھے۔

''ارے تم جاگ رہی ہو؟'' لائبہ نے خوشان کو مندی مندی آنکھوں سے دیکھا۔

''ابھی تو کافی دیر ہے تم کچھ دیر آرام کر لو۔ وہاں پہنچ کر تو بالکل بھی وقت نہیں ملے گا۔ ویسے مزہ بھی بہت آئے گا۔ خاص طور پر خالہ جانی کے ہاں ویسے ہی بہت ہلا گلا ہو گا۔''

''ویسے وہ لوگ بے چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے۔'' لائبہ نے گویا کھلی آنکھوں سے وہ منظر بھی دیکھ ڈالا اور خوشان مسکرا کر رہ گئی۔

''چلو بھئی آ گئی منزل قریب۔'' لائبہ نے کھڑکی سے باہر کے منظر پر نگاہ دوڑاتے ہوئے خوشان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

صبح کا ہلکا ہلکا اجالا چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ کوچ میں بھی بیداری کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ مرد حضرات بھی باتوں میں مصروف تھے۔ لائبہ کے بابا جان سادات شاہ اور بڑے چچا شہادت شاہ دروازے سے لڑکوں کی کاروں کو کھوج رہے تھے اور ڈرائیور کو راستہ بھی بتا رہے تھے۔ جبکہ زرمین آنٹی اور چچی صفورا اور باقی خواتین بھی لڑکیوں کو سامان سمیٹنے اور حلیے درست کرنے کی ہدایات کر رہی تھیں۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی اور بڑے سے سفید گیٹ سے مرد حضرات کا اژدھام نکل آیا اور وہ سب خواتین کی دعاؤں میں گیٹ پر موجود لڑکیوں سے ہاتھ ملاتی گلے ملتی گھر کے اندر آ گئیں۔ خالہ جانی سفر کا احوال پوچھ رہی تھیں۔

خوشان کو یہاں اجنبیت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ سب باتوں کے دوران کپڑے وغیرہ نکال کر ناشتے کے لیے تیار ہونے لگیں۔ جبکہ باقی خواتین جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر خالہ جانی کے ہمراہ کام میں مصروف ہو گئی تھیں۔ شاید وہ طویل سفر کرنے کی عادی تھیں اسی لیے خوشان کو اس قدر تندہی سے کام کرتی وہ حیران کر گئیں اور خوشان کو لگ رہا تھا کہ وہ ان آٹھ گھنٹوں کا سفر باپیادہ کر کے آئی ہے۔ مگر فریش چہروں خوشگوار باتوں اور اپنائیت و محبت سے بھرپور انداز لیے وہ سب اس کی تھکان کو کہیں غائب ہی کر گئے تھے۔

''آیئے ثمرہ! یہ اسارہ لوگ کہاں ہیں؟''

ناشتے کی طویل و عریض میز پر سجے نان' پائے' گرم گرم حلوہ پوری' چنے' رس' بسکٹ' باقر خانیاں' لائبہ نے گرم پوری اور چنوں سے انصاف کرتے ہوئے اپنی تایازاد سے پوچھا۔

''اسماء وغیرہ رات تک تو یہیں تھیں تم لوگوں کے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی گئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں دو گھنٹے تک واپسی ہو گی۔'' ثمرہ نے بھی پوری تفصیل بتا دی۔

''اور باقی لوگ تو گیٹ پر ہی آپ کی راہوں میں پلکیں بچھائے کھڑے تھے وہ بھی رات سے۔ شاید تم نے گھبراہٹ میں نوٹس نہیں لیا۔ آپ کا سامان جس قلی نے کمرے تک پہنچایا تھا وہ بھی لوگ ہی تھے۔'' ثمرہ نے شرارت سے کہا تو لائبہ نے صرف گھورنے پر ہی اکتفا کیا اور بات ٹالنے کے لیے بولی۔

''اور یہ سید تراب علی شاہ کہاں غائب ہیں؟ کب شرف باریابی عطا فرمائیں گے؟'' لائبہ نے مسکرا کر پوچھا اور ساتھ ہی خوشان کے ہاتھ میں گرما گرم پوری پکڑا دی۔

''وہ ان کی طرف سے آپ بے فکر رہیں۔ موصوف نہ صرف رشتے دار ہونے کا احساس بخوبی سرانجام دے رہے ہیں بلکہ حق دوستی بھی خوب نبھا رہے ہیں۔ قسم سے تراب بھائی خوب ہیں۔ کل سے اب تک ایک پاؤں پر کھڑے ہیں۔'' ثمرہ نے تراب کے قصیدے ہی پڑھ ڈالے۔ مگر لائبہ نے ہنس کر کہا۔

''کیوں اس کی دوسری ٹانگ کو کیا ہوا؟'' اور جواباً ثمرہ نے اس سے کہا۔

''ہائے لائبہ کتنی خراب ہو تم۔ اسارہ کے سامنے ایسا کہا تو وہ بہت مائنڈ کرے گی۔'' لائبہ نے خوشان کو سبز چائے کا کپ پکڑایا اور کرسی پر ٹک گئی تو صامیہ' رامیہ' شیریں بھی ان کے قریب آ گئیں۔ اور تب پتہ چلا کہ تراب' اظہر بھائی اور سب کزنز اور دوستوں کو لے کر ہوٹل چلا گیا ہے اور وہیں سے وہ اظہر بھائی کو اور گاڑی کو تیار کر کے لائے گا۔ سو لڑکیوں کو بھی ناشتے سے فارغ ہوتے ہی تیار ہونے کا حکم مل گیا۔

وہ سب ایک کمرے میں دروازہ بند کیے تیاری میں مصروف تھیں۔ ساتھ ہی باتیں بھی ہو رہی تھیں اور چھیڑ چھاڑ بھی۔ کہ السلام علیکم کی زوردار آواز کے ساتھ ہی مسکراتی ہوئی اسارہ لائبہ کے گلے میں جھول گئی۔

''ارے بدتمیز اب آ رہی ہو؟'' لائبہ نے خفگی سے اسارہ کی کمر پر دھمو کا جڑا۔ اور ساتھ ہی اثنا کو گلے لگا کر پیار کیا اور خوشان اور باقی سب بھی ان سے ملنے لگیں۔

وہ سب تیار ہو کر خالہ جانی کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے تھے۔ مگر ابھی تک دولہا اور ہمنواؤں کا کچھ پتہ نہ تھا۔ بابا جان' چچا جان اور دیگر حضرات بے چینی سے کئی چکر روڈ کے لگا چکے تھے۔ آدھ گھنٹے پہلے صارم کا فون آیا تھا کہ بس وہ چلنے ہی والے ہیں۔ بابا جان کا

www.pkdigest.com

خوشان کو انفارم کیا جو دلہن اور دولہا کے گرد جمع لڑکوں کو دیکھ کر ہی گھبرا رہی تھی اور کمرے سے باہر ہونے کے باوجود بھی اسے گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

سمرینہ وغیرہ جتنی دیر سے آئے تھے اتنی ہی جلدی واپس بھی چلے گئے اور جاتے جاتے بھی خوشان کے ذہن میں کوئی سوال سمرینہ کی صورت میں محفوظ ہو گئے۔ یہ ایسی کیوں ہے؟ خوشان کو الجھن ہی ہو گئی۔ ظاہر ہے خوشان کی سلام دعا تو لائبہ کی دور پار کی سب کزنز سے تھی اور سب کی سب خوش اخلاق اور ملنسار تھیں پھر سمرینہ۔

''بھئی وہ جو ہے ناں سمرینہ وہ تراب کی منگیتر ہے۔ اور اسارہ کی نند بھی ہے اور ان کی چچازاد بھی ہے۔'' لائبہ کی وضاحت پر خوشان کی نظروں میں تراب اور سمرینہ دونوں ہی گھوم گئے۔

''ہائے وہ سمرینہ منگیتر ہے تراب کی؟ اف کتنی خوش قسمت ہے۔'' اور خوشان کی بات پر لائبہ مسکرانے لگی کہ صامیہ' رامیہ اور دیگر کزنز کی طرح اس نے یہ خبر سن کر بے ''چارہ تراب'' کا نعرہ نہیں لگایا تھا بلکہ سمرینہ کی خوش قسمتی کو تراب کی بدقسمتی نہیں کہا تھا۔

''مگر.....'' خوشان کے اس مگر کے آگے جو سوال تھا وہ لائبہ سمجھ چکی تھی اسلیے فوراً بولی۔

''بھئی بات اتنی ہے کہ سمرینہ سے پہلے تراب کے لیے بڑی خالہ نے میرے لیے بات کی تھی اور بھائی کے لیے اسارہ کی۔ مگر تمہیں تو معلوم ہے کہ اظہر بھائی کو شروع سے عروج میں دلچسپی تھی اور اس نے بھی ماموں جان سے کہہ دیا تھا اس لیے بات نہ بن سکی۔ تو اسارہ کی بات اس کے چچازاد صارم سے اور تراب کی سمرینہ سے ہو گئی۔ اس لیے سمرینہ سمجھتی ہے کہ تراب شاہ اور شاید میں مگر ایسا نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں اور تراب بچپن ہی سے ایک دوسرے کے بہت قریب رہے اس لیے زیادہ فرینک ہیں۔ پھر تعلیمی اعتبار سے دونوں خاندان میں آگے ہیں۔ ایجوکیشن معاملے جب بھی ذکر ہوتا ہے لڑکیوں میں میرا اور لڑکوں میں تراب کا ذکر ہوتا ہے کیونکہ بہت لائق' ذہین' محنتی ہے۔ اپنا بزنس بھی کر رہا ہے جبکہ سمرینہ صرف آٹھویں پاس ہے۔''

خوشان نے ایک بار پھر دل ہی دل میں تراب کی زبردست پرسنالٹی کو سراہا۔ اور سمرینہ کی خوش قسمتی پر رشک کیے بنا نہ رہ سکی کہ ایکدم سے بلند ہوتے شور نے اسے اندر کی سمت متوجہ کر لیا جہاں دودھ پلائی کی رسم ہو رہی تھی۔ دولہا کی طرف سے لڑکے موجود تھے جبکہ باقی لڑکیاں دلہن والیاں بنی ہوئی تھیں۔ بحث زور و شور سے جاری تھی۔ لائبہ اور خوشان کرسیوں پر کھڑی ہو گئیں تاکہ اندر کا منظر واضح دیکھ سکیں۔

''لائبہ ایسا کرو تم اندر چلی جاؤ۔'' خوشان نے لائبہ کا ہاتھ پکڑ کر کرسی سے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

''ہیں..... کیوں؟'' لائبہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ دیکھو۔'' خوشان نے آنکھوں کے اشارے سے بتایا۔ تو ان کی طرف پورا کا پورا متوجہ تراب نہ جانے کن خیالوں میں گم تھا۔

''ہاہ..... اسے دیکھو ذرا۔'' لائبہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں میں تو کافی دیر سے دیکھ رہی ہوں۔'' خوشان نے آہ بھر کر کہا۔

''بکواس مت کرو۔ تمہیں پتہ نہیں عزیم کا وہ بڑا پوزیسو ہے اور یہ لگتا ہے ایسے ہی اتفاق سے پلکیں جھپکنا بھول گیا ہوگا اور تمہیں خبر ہے مائی ڈیئر کہ مجھے اپنا اکلوتا منگیتر ہی بہت پیارا ہے۔'' لائبہ نے کہا۔

''ہاں مگر ضروری تو نہیں کہ اسے سمرینہ پسند بھی ہو۔'' خوشان تو تراب اور سمرینہ کے معاملے

میں اٹک ہی گئی تھی۔

''اچھا بھی جب بھی اسلام آباد آتا ہے اظہر بھائی کی بائیک پر موصوفہ کو بٹھا کر سارے جہاں کی سیر کرتا ہے۔ ذرا سا محترمہ کے بارے میں کچھ کہہ دو تو ایسی کھری کھری سناتا ہے کہ بس۔'' لائبہ نے تنگ آ کر کہا۔

''پھر بھی ہو سکتا ہے کہ.....'' خوشان نے سوچتے ہوئے کہنا چاہا مگر لائبہ نے درمیان میں ٹوک دیا۔

''کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ منگنی اس سے پوچھ کر ہوئی تھی اور اس نے صاف کہہ دیا اس کی کوئی پسند وسند نہیں ہے۔ والدین جہاں چاہے مرضی بات کر لیں۔ اور خبردار جو تم نے اب کچھ کہا۔ ویسے چلو ہم کپڑے تبدیل کر لیں اندر تو جانے کا فائدہ نہیں وہ عزیم بھی اندر ہے۔ سب دولہا دلہن کو بھول کر میرا مذاق بنانے میں اپنی صلاحیتیں آزمائیں گے خاص طور پر یہ خبیث تراب۔''

کوچ میں بیٹھتے ہوئے خوشان نے ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر صامیہ' اسارہ' اثناء کوئی بھی موجود نہ تھیں۔ صارم نے بتایا کہ وہ دوسری کوچ میں سوار ہو گئی ہیں۔ چونکہ اب واپسی میں ملتان والے رشتے داروں نے بھی جانا تھا ولیمے کے لیے اس لیے جگہ کم پڑ رہی تھی۔ زرمین آنٹی' بڑی خالہ وغیرہ کار میں دلہن کے ساتھ تھیں۔ لائبہ نے کوچ میں بیٹھنے کو فوقیت دی تھی کہ کار میں بیٹھے بیٹھے مشکل ہو جاتی۔ دو کوچیں بھری ہوئی تھیں اور اب یہاں لڑکوں کی بڑی تعداد بھی موجود تھی۔

''اف یہ لوگ سارا راستہ یونہی کھڑے رہیں گے کیا؟'' خوشان کو دروازے کے قریب باتوں میں مشغول کھڑے تراب' صارم' عزیر کو پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اسی طرح دیکھ کر وحشت ہونے لگی تھی۔ جواباً لائبہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''لو ابھی تو تھوڑا سا سفر مکمل ہوا ہے اور ان کو کھڑے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ' پاگل ان کو تو عادت ہے اسلام آباد سے ملتان' لاہور تک اس طرح سفر کرنے کی اور ویسے بھی ٹک کر بیٹھ جانا ان کی سرشت نہیں۔ تم آرام سے بیٹھو بلکہ کچھ آرام کر لو تاکہ ولیمے میں یہ بارہ بجائی شکل نہ ہو۔'' اس کی بات سن کر خوشان نے مسکرا کر سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

''اللہ خیر کیا ہوا؟'' نہ جانے اسے کتنی دیر ہوئی تھی سوتے ہوئے کہ زوردار آواز کے ساتھ وہ پوری اچھل گئی۔

''کچھ نہیں جمپ لگا تھا۔'' نہایت نرم آواز میں اس کی تسلی کرائی گئی تو وہ نیند سے بے حال پلکوں سمیت ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ تقریباً سبھی سو رہے تھے یا پھر یونہی بے سدھ اور باہر اندر کی آوازیں اور اس قسم کی جمپ ان کے آرام میں مخل نہیں تھے مگر خوشان کی نیند ٹوٹ چکی تھی۔ لائبہ تو سکون سے خوشان کے کندھے پر سر رکھے سو رہی تھی۔

''لائبہ میری تو ٹانگیں ہی سن ہو گئی ہیں۔ پلیز کچھ دیر کھڑے ہو کر ٹہل لیں؟'' خوشان نے منت بھرے لہجے میں لائبہ سے کہا۔ تو وہ جو خوشان کے کہنے پر کھڑے نڈھال حضرات کی طرف متوجہ تھی۔ ان سنی کر گئی کہ عزیر اپنے چٹ پٹے لطیفوں سے تراب' صارم وغیرہ کی تھکن اور بے قراری دور کرنے کی کوشش خود بھی خاصا ہلکان ہو رہا تھا۔

''چلو یار ذرا ان پر بھی احسان کر ہی دیں۔ ویسے بھی بیچاروں نے بہت صبر کیا ہے۔'' پھر لائبہ نے ان لوگوں سے جا کر کہا تو وہ خوشان' لائبہ اور اسارہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور وہ چاروں ان کی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آگے والی سیٹ کی بیک ہاتھ جمائے باہر تیزی سے گزرتے نظارے دیکھتے ہوئے لائبہ سے باتوں کے دوران خوشان

www.pkdigest.com

پزل سی ہوگئی کہ وہ جب بھی اپنے مقابل کھڑی لائبہ کی طرف دیکھتی نظر ڈائریکٹ سیٹ کی بیک سے سر ٹکائے آنکھیں بند کیے تراب کے چہرے پر پڑتی اور تب ہی اسے ایسا لگا تھا کہ وہ شخص بند آنکھوں سے بھی دیکھ رہا ہے۔

''شکر ہے پہنچ گئے۔'' خوشان نے کوچ سے باہر قدم رکھتے ہی کہا۔ باقی سب بھی اپنا سامان اتارنے لگے۔ اور وہ لائبہ کے ہمراہ اندر آئی جہاں دیگر رسموں کے لیے چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔ مگر لائبہ نے خوشان کو گھر بھیج دیا تاکہ آرام کے بعد وہ کل ولیمے میں فریش شامل ہو۔

گھر کے گیٹ پر لائبہ اسے خدا حافظ کہہ رہی تھی اور تراب لان میں بچھی کرسی پر شلوار سوٹ میں ملبوس کندھے پر کالی شال ڈالے نیم دراز تھا۔ مگر اس کی بند آنکھیں شاید ہر منتظر دیکھ رہی تھیں کیونکہ کھلے گیٹ سے باہر نکلنے تک لائبہ واپس جا چکی تھی مگر خوشان کو اپنی پشت پر تیز نظروں کا واضح احساس ہو رہا تھا۔

لائبہ نے خوشان کو پیغام بھجوا دیا کہ وہ سب تیار ہیں وہ بھی آ جائے۔ اور وہ جب گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو بالکل سامنے کھڑے تراب علی شاہ کی مسکراتی آنکھوں نے اس کا استقبال کیا۔ ان مسکراتی آنکھوں کی روشنی سے وہ صرف ایک لمحہ کو ٹھٹکی تھی اور پھر اگلے ہی پل وہ لائبہ کی تلاش میں آگے ہی بڑھ گئی۔

اظہر بھائی اور عروج تو ولیمے کی شام ہی کو ہنی مون ٹرپ پر روانہ ہوگئے تھے۔ اظہر بھائی کے دوست نے شادی پر گفٹ کی صورت میں پاکستان میں موجود تمام خوبصورت مقامات کی سیر کا انتظام کروا دیا تھا۔

اگلے دن باقی مہمانوں نے بھی رخت سفر باندھا۔ اسمارہ وغیرہ نے خاص طور پر خوشان سے گھر آ کر الوداعی ملاقات کی تھی۔ ساتھ ہی وہ شادی کی تصویریں بھی لائی تھیں۔

''ہائے لائبہ یہ تصویر میں لے لوں؟'' خوشان نے برات والے دن لی گئی اپنی کلوز اپ والی تصویر دیکھی جو حیرت انگیز طور پر بہت ہی زیادہ اچھی آئی تھی۔ حیران حیران آنکھوں اور دھیمی مسکراہٹ میں وہ خود کو بھی پہچان نہیں پائی۔ اس لیے کہہ بیٹھی۔

''بھئی مجھ سے کیا کہتی ہو جن کی تصویریں ہیں ان سے مانگو۔ ہماری جب آئیں گی تو میری جان بے شک سب کی سب رکھ لینا۔'' لائبہ نے مسکرا کر کہا تو وہ اسمارہ کی شکل دیکھنے لگی۔

''وہ پتہ ہے میں دے تو دیتی مگر بھائی جی نے کہا تھا کہ البم میں تصویروں کی ترتیب بھی ادھر ادھر نہیں ہونی چاہیے۔ میں بھائی جی سے پوچھ کر دے دوں گی۔'' اسمارہ نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔ خوشان نے ''چلو رہنے دو'' کہہ کر بات ختم کر دی۔

وہ سب جانے کے لیے تیار تھے۔ بڑے سے لان میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے خیال رکھنے کی ہدایات کرتے وہ خوش بھی تھے اور اداس بھی۔ گاڑیوں میں سامان رکھا جا چکا تھا۔ اسی لیے خواتین گلے مل کر اجازت لے رہی تھیں۔

''اچھا دوستوں خدا حافظ۔''

''پھر جلدی چکر لگایئے گا۔'' لائبہ نے کھڑکی سے اندر منہ کر کے گویا صامیہ کے کان میں صور پھونکا تھا۔

''آرام سے خاتون۔'' فرنٹ ڈور کھولتے تراب نے لائبہ سے کہا تو وہ اسی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''تم بھی جلدی آنا' بھول مت جانا ہے یوں بھی تمہاری یادداشت پر جھاڑو بہت جلد پھر جاتی ہے۔'' لائبہ نے شاید قسم کھا رکھی تھی کہ تراب سے بھی سیدھے بات نہیں کرے گی۔

''اگر کہو تو یہیں رہ جاؤں ماسی مصیبتے؟ میری یادداشت پر جھاڑو پھر جاتی ہے تمہاری تو عقل ہی چوپٹ ہے۔ سب صفایا ہو چکا ہے۔ باقی جو کسر رہ گئی تھی وہ اس گھسیارے نے پوری کر دی۔'' صاف تپانے والا انداز تھا۔

''اچھا اب بکواس بند کرو اور چلو مرو۔'' لائبہ نے اسے نہ جانے کیونکر معاف کر دیا تھا۔

''اچھا ..... اچھا خدا حافظ' ویسے جلدی آؤں گا۔'' اس نے ایک نظر خوشان پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہیں.....'' گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی لائبہ نے حیرت سے لمبا ہیں کہا تھا۔ وہ بڑبڑائی مگر گیٹ سے نکلتی گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا تراب اپنی آنکھیں ان حیران آنکھوں کے اردگرد ہی کہیں چھوڑ آیا تھا۔ مگر ہونٹوں پر مستقل چپکی مسکراہٹ اس کے چہرے کو بہت روشن کر رہی تھی۔

''تم مانو نہ مانو میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں اس نے صاف تمہارے اس حسین چہرے پر نظریں جما کر ہی کہا تھا کہ جلد آؤں گا۔ ہائے کاش وہ بے وقوف اپنی منگنی سے پہلے ہی..... مگر ناممکن خاندان سے باہر شادی۔ ایک تو ہمارے بزرگ نہ جانے کیا چاہتے ہیں؟ جب مذہب نے اجازت دے دی ہے تو.....'' لائبہ اپنے ہی قیافے اور اندازے لگا رہی تھی کہ خوشان جو خاموش بیٹھی تھی بول پڑی۔

''تم خوامخواہ کا شبہ ہو رہی ہو۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔'' حالانکہ اس کا دل سارے پچھلے منظروں میں الجھا ''ہے..... ہے'' کی رٹ لگا رہا تھا۔

''کیا کہا ایک مہینے کے لیے جا رہی ہو؟ تمہارا دماغ درست ہے؟'' لائبہ نے حیرت اور غصے سے خوشان کو دیکھا اور چلائی۔

''بھئی کیا ہے ایک ماہ میں قیامت تو نہیں آ جائے گی۔ اور میں کوشش کروں گی کہ واپسی جلدی ہو جائے اور پتہ نہیں میرا دل بھی وہاں لگے گا کہ نہیں؟'' خوشان نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ تو لائبہ اس سے باتوں کا کوٹہ پورا کرنے لگی اور یہ اعلان کرتے ہوئے خوشان کے جانے کا غم غلط کرنے کے لیے وہ بھی ملتان یا پھر لاہور چلی جائے گی تاکہ اس کی چھٹیاں بھی کام میں آ سکیں۔

خوشان اپنی واپسی پر بہت ساری باتوں کا ذخیرہ لائی تھی۔ ایبٹ آباد میں اس کا وقت بہت اچھا گزرا تھا۔ انکل فاروقی' عائشہ فاروقی اور ان کے دو بچوں کے ساتھ خوشان اور خوبان نے بہت انجوائے کیا تھا۔ واپس آ کر خوشان بے چینی سے لائبہ سے ملنے کے لیے تیار ہو رہی تھی کہ اسے اپنے زبردست ٹرپ کے بارے میں بتائے اور مما اس کی بے قراری اور جلدی بازی پر مسکرا رہی تھیں اس لیے اسے لائبہ سے ملنے کی اجازت دے کر وہ خوب آرام کرنے کا کہہ کر خود پاپا سے باتوں میں مصروف ہوگئیں۔

''ہائے لائبہ۔'' خوشان نے گرمجوشی سے لائبہ شاہ کو گلے لگا کر بھینچا تو لائبہ نے چٹ اس کے گال چوم لیے اور اسے اپنے کمرے میں لے آئی اور جب تک لائبہ کی وہاں کی سب باتیں نہیں بتا دیں خاموش نہیں ہوئی۔ پھر جوش سے بولی۔

''اور تم سناؤ مجھے یاد کرنے کے علاوہ کیا کیا؟'' مگر جواب میں طویل بوریت پر مبنی آپ بیتی سننے کو ملی۔

پھر اچانک ہی اس نے اپنی الماری کھول کر ایک بڑا سا لفافہ اس کی گود میں رکھ دیا۔

''ارے یہ کیا شہر سے باہر تو میں گئی اور اصولاً و اخلاقاً اس قسم کا پیک مجھے لانا چاہیے تھا۔'' خوشان نے خوشگوار موڈ میں لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

www.pkdigest.com

''بکواس مت کرو اطلاعاً عرض ہے کہ یہ پیک بھی شہر سے باہر ہی سے آیا ہے مگر.....'' خوشان نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''بھئی کھولو۔''

''میں تو تمہاری اجازت کے بغیر ہی دیکھ بلکہ کھول لیا تھا سوری۔'' لائبہ نے مسکرا کر شرارت سے کان کھجایا تو خوشان نے لفافے سے برآمد ہونے والی اپنی تصویر پر نظریں گاڑ دیں۔

''ہاں اسمارہ نے بھیجی ہے۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے حیران لہجے میں کہا۔

''جی نہیں بھائی جی لائے تھے بذات خود۔''

''اچھا.....'' حیران آنکھیں کچھ اور پھیل گئیں۔

''مگر اس دن تو صرف دو تصویریں تھیں البم میں یہ تو اتنی ساری ہیں۔'' خوشان نے ولیمے والے دن کھینچی گئی تصویر پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ جس میں سٹیج پر کھڑی وہ مسکرا رہی تھی جبکہ اس کے اردگرد موجود صامیہ، رامیہ، اسمارہ اور لائبہ بڑی صفائی سے غائب کر دی گئی تھیں۔

''لو بھولی حسینہ، معصوم گائے وہ فتنہ، لڑاکا طیارہ گھن چکر بن گیا ہے۔ موم کا پتلا ہو گیا ہے۔ قسم سے اس ڈیڑھ ماہ میں سات چکر لگا چکا ہے یہاں کے۔ پچاس فون کھڑکا چکا ہے۔'' لائبہ نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا تو خوشان نے ہونقوں کی طرح منہ اٹھا کر دیکھا۔

''کیوں.....؟'' معصومیت سے پوچھا۔

''پاگل ہو گیا ہے، دیوانہ ایک دم سودائی۔'' لائبہ نے ہنس کر کہا۔ پھر خوشان کے کڑے تیور دیکھ کر سوری کہتے ہوئے چائے کی پیشکش کرتے ہوئے کچن کی طرف پیش قدمی کر دی۔ جبکہ ابھی تک حیرانگی سے بیٹھی تصویریں دیکھ رہی تھی۔

''اف اتنے دنوں بعد شکل دکھائی ہے۔ میں تو سمجھی آپ شہر بدر ہو چکی ہیں۔'' خوشان نے لائبہ کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں بس کچھ مصروفیت تھی۔ بڑی خالہ بیمار تھیں اس لیے ملتان گئی ہوئی ہیں امی۔'' لائبہ کا انداز کافی سست سا تھا۔

''خوبان اور آنٹی کہاں ہیں؟'' ڈرائنگ کے صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے لائبہ نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔

''مارکیٹ گئی ہیں۔ کالج کھلنے والے ہیں ناں خوبان نے ضروری شاپنگ کرنی تھی۔'' خوشان نے جواب دیا۔

''چلو اچھا ہے تم سے دل بھر کر باتیں کروں گی۔ ویسے بھی آج طبیعت میں بے قراری بہت ہے۔ ایک تو بڑی خالہ کی وجہ سے بہت پریشانی ہے۔''

''انھیں کیا ہوا ہے؟''

''ہارٹ اٹیک۔'' لائبہ نے افسردگی سے کہا۔

''تمہیں تو پتا ہی ہے دل اور گردوں کی بیماریاں تو ہمارے خاندان کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی ہیں۔ اب اعصابی کمزوری اور نفسیاتی مسائل بھی تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ ڈاکٹرز واضح طور پر کہہ چکے ہیں کہ یہ سب خاندان میں نسل در نسل آپس کی شادیوں کا نتیجہ ہے۔ مگر ہمارے بزرگ اس بات کو نہیں مانتے۔ جوڑ ہو یا نہ ہو بے شک دونوں فریق تمام زندگی ایک دوسرے سے بے زار، محبت سے خالی بس اپنی روایت کے عظیم علمبردار بنے رہیں اور مارے باندھے کے اس بندھن کو گلے میں پڑے پھندے کی طرح محسوس کرنے کے باوجود رواج کی سلامتی کے ضامن بنے رہیں۔ بھاڑ میں گیا دل اور چولہے میں گئی محبت۔ بس رسم و رواج کے طوق کے لیے گردنیں اور جھوٹی شان کی سلامتی کے لیے قربانیاں دیئے جا رہے ہیں اپنی نسلوں کی

یہ لوگ۔'' لائبہ نہ جانے کیوں اس قدر بھری بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا؟'' خوشان نے نرمی سے سوال کیا۔

''ہونا کیا ہے وہی رامیہ کا مسئلہ سب کو خبر ہے کہ وہ صالح کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہے گی پھر ان کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ صالح اپنی بات منوا کر دم لیتا ہے چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ رامیہ تو غلط بات نہ کرتی ہے اور نہ ہی لگی لپٹی رکھتی ہے۔ پھر وہ ابھی میٹرک کر رہی ہے جبکہ صالح کو پڑھنے لکھنے سے کیا پڑھنے والوں سے سخت چڑ ہے۔ اور سب سے زیادہ اہم بات تو یہ ہے کہ رافع کو پسند کرتی ہے اور اس بات کا علم صالح کو بھی بخوبی ہے۔ مگر دادا جان کے حکم کے آگے بھلا اب کوئی کیا کہے۔'' لائبہ نے بات ختم کر کے اپنا سر تھام لیا۔ جبکہ خوشان افسوس سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''تو.....؟'' خوشان نے آگے کی کارروائی میں دلچسپی لی۔

''تو..... ارے ہاں..... اتنی اہم بات تو میں بتانا ہی بھول گئی۔ ویسے ابھی تک پکی خبر تو نہیں مگر لگتا ہے.....'' لائبہ نے آنکھیں میچتے ہوئے دماغ پر زور ڈالا۔

''اف اب بتا بھی چکو اتنا سسپنس کیوں پھیلا رہی ہو؟'' خوشان نے کہا۔

''مجھے لگتا ہے وہ عظیم باگڑ بلا تمہیں پسند کرنے لگا ہے یا شاید اس سے کچھ زیادہ.....'' لائبہ نے شرارت سے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟ کون.....؟'' خوشان نے ناسمجھی کے انداز میں سوال کیا۔

''بھئی وہی سید تراب علی شاہ جو کچھ عرصے سے میرے ساتھ بہت نرمی اور شائستگی سے پیش آنے لگے ہیں۔ فون پر بڑے عزت و احترام سے بات کرتے ہیں اور میری چھیڑ چھاڑ بلکہ بدتمیزی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے لگے ہیں اور..... اور۔'' لائبہ نے شاید کچھ زیادہ ہی باتوں کے موڈ میں تھی۔

''اور ہاں موصوف کو مجھ سے میری خیریت سے زیادہ میری دوست کی فکر رہنے لگی ہے۔ بہانے بہانے سے ذکر نکالتا ہے ایڈیٹ۔ جیسے میں بے وقوف اس کو جانتی ہی نہیں۔''

''اف لائبہ تم ہوش میں ہو ناں۔ تم میرا ذکر کر رہی ہو وہ بھی اس طرح؟'' خوشان نے حیران ہو کر کہا۔

''ایک یہ بڑی مصیبت ہے تم ہر بات کو دل پر لے لیتی ہو۔ میری پیاری دوست مجھے وہ فضول شخص اپنے خاندان میں سب سے زیادہ عزیز ہے اور تم اس پوری دنیا میں اور اگر کوئی کسی کو پسند کرے یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ اور پلیز تم میری دوست ہو جو بات میں خود سے بھی نہیں کہتی ناں وہ تم سے کہہ دیتی ہوں اس لیے پلیز خدا کے لیے مجھ پر شک مت کیا کرو۔ چلو شاباش مجھے اچھی سی چائے پلاؤ۔ اس نواب کی برین واشنگ کے لیے تو سمرینہ ہر دم اس کی نظروں کے سامنے ہے۔ بھلا محترمہ کی کڑی نظروں سے بچ کر موصوف ادھر ادھر ہو سکتے ہیں؟ اب گھورنا بند کرو چائے پلاؤ پھر میں جاؤں۔'' وہ بات بدلتے ہوئے بولی۔ جبکہ وہ اندر سے اس وقت بہت الجھی ہوئی تھی۔

''تراب تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اور تم میرا دماغ بھی خراب کر دو گے۔ ایک ہزار بار سمجھا چکی ہوں مگر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ اللہ کے واسطے کیوں اس معصوم کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ فضول مت بولو تمہیں خوب خبر ہے میں کچھ نہیں کر سکتی اور نہ ہی کروں گی۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے اسے خوار کرنے کی۔ آج کل کوئی نہیں مرتا کسی کے لیے نہ کسی کی خاطر۔ کیا خود آ رہے ہو؟

www.pkdigest.com

خبردار جو یہاں آئے وہ بھی دیوانگی میں..... نہیں ..... مرو' دفع ہو۔'' لائبہ نے غصے سے ریسیور پٹخا تو دروازے میں کھڑی خوشان پر نظر ڈال کر سٹپٹا سی گئی۔

''ارے تم کب آئی ہو؟''

''ابھی کچھ دیر پہلے ..... یہ کیا قصہ ہے؟'' خوشان نے فون کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''یار بس کچھ مت پوچھو۔ میں تو ابھی تک مذاق ہی سمجھتی رہی اور یہاں پانی سر سے اونچا ہوگیا۔ میں تو سمجھ رہی تھی وقتی جذباتیت ہے مگر موصوف نے شہنشاہ محبت بننے کی مکمل تیاری کیے ہیں۔ اب تم ہی سنبھالنا۔'' لائبہ نے ایکدم ہی خوشان سے کہا تو وہ سن سی ہوگئی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ میرا اس میں کیا رول ہے؟'' خوشان نے حیرت سے سوال کیا۔

''ملکہ جذبات کا۔'' لائبہ کا موڈ اب کچھ بہتر ہوگیا تھا۔

''میرا مطلب ہے بھئی تم تو اسے پسند نہیں کرتی ناں؟'' لائبہ نے خوشان کی آنکھوں میں جھانکا۔

''نہیں ناں۔'' ساتھ ہی پرزور اصرار کیا گیا۔ دوسری طرف بے نیازی کے ریکارڈ ہی توڑ دیئے گئے۔

''خوشان ڈیئر میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ مس خوشان صدیقی مسٹر تراب علی شاہ کو پسند کرتی ہیں؟''

''نہیں بالکل نہیں۔'' خوشان نے بہت آہستگی سے کہا مگر لائبہ شاہ کی ڈارک براؤن آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں کہ خوشان کے چہرے پر بکھرے رنگ اس کے الفاظ کی ہنسی اڑا رہے تھے۔

''اوہ نو یہ سب کیسے ہوگیا؟'' وہ ان دونوں کے ہی کتنے قریب تھی مگر محبت کا یہ کھیل کتنی خاموشی سے مگر کتنی تیزی سے کتنا آگے تک بڑھ گیا تھا۔ اور اسے ہی خبر نہ ہوسکی۔

''خوشان یہ سب کیسے ہوا؟'' اپنے لبوں پر آیا سوال اس سے پوچھ لیا۔

''کیسے؟..... پتہ نہیں۔'' خوشان نے آہ بھر کر کہا۔

''تم نے کبھی بھی نہیں بتایا؟'' لائبہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کیا بتاتی کہ تمہارا وہ کزن بقول تمہارے فضول بانگڑو لکڑ بھگا جس کی ایک عدد منگیتر بھی ہے مجھے اچھا لگنے لگا ہے۔ مجھے اس شخص سے محبت ہوگئی ہے جو رسم و رواج کے علاوہ ڈھیروں رشتوں کی زنجیروں میں قید ہے۔ نہیں میں اتنی بے وقوف اور کم ظرف نہیں ہوں کہ اپنی غرض کے لیے کسی کی آنکھوں کے ست رنگ سپنے نوچ لوں۔ میری محبت میرے لیے کافی ہے۔'' خوشان نے لائبہ کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا۔

''مگر تمہیں خبر نہیں ہے وہ بھی.....'' لائبہ نے خوشان کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

''ہاں یہ میری خوش نصیبی ہے اور بدنصیبی بھی۔'' خوشان کے نہ صرف ہونٹ بلکہ آنکھیں بھی مسکرانے لگیں۔

''ہاں مگر کوشش تو کی جاسکتی ہے ناں۔ کیا خبر ذات برادری' اونچ نیچ' رسم و روایت کی ان دیواروں میں دراڑ ڈال کر راستے بنانے کا سہرا اس بانگڑو کے سر ہی بجنا ہو۔ قسم سے اسے خبر ہو جائے نہ کہ تم بھی تو وہ تو پورا پاگل ہو جائے۔ خیر پاگل تو اب بھی اسے کر ہی دوں گی پہنچ رہا ہے کل صبح کی فلائیٹ سے۔'' لائبہ نے شاید تصور کی آنکھ سے ہی اس کی درگت بنتی دیکھ کر لطف لیا تھا۔

''مگر میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ میری وجہ سے اسے یا کسی کو بھی کوئی پریشانی ہو۔'' خوشان نے لائبہ سے کہا۔ تو لائبہ نے اسے بے وقوف کا

لقب دے کر گلے لگا لیا۔

بہت یقین دلاتا تھا جو وفاؤں کا
بدل گیا ہے وہ رخ دیکھ کر ہواؤں کا

''کیا میں نے کب تم سے کسی مدد کا کہا ہے۔ اپنے آپ سے ہی لگے ہوئے ہو۔ اتنی دیر سے میرا مغز چاٹ رہے ہو۔ بہتر ہوگا کچھ دیر اپنی اس زبان کو اور اس لمبے چوڑے وجود کو آرام دے لے تاکہ تمہارا یہ خناس بھی کم ہو۔ اور یہ کیا میرے پیچھے سائے کی طرح لگ گئے ہو۔'' لائبہ نے سلاد سجا کر فریج میں رکھ کر پلٹی تو سر پر کھڑے تراب کو دیکھ کر سٹپٹا گئی۔ جو مسلسل کچن میں موجود اس کے صبر اور برداشت کا امتحان لے رہا تھا۔ جبکہ لائبہ اس کی بے چینی اور بے تابی پر محظوظ ہو رہی تھی۔

''اچھا میں ایک شرط پر تمہاری جان چھوڑوں گا کہ تم میری مدد کرو گی ڈیئر کزن۔'' تراب نے کہا تو لائبہ نے ''سوچوں گی'' کہہ کر جان بخشی کروائی۔

''اچھا میں صرف آدھ گھنٹے بعد پھر سے تمہارے سامنے ہوں گا۔'' تراب نے احسان کرنے والے انداز میں کہا اور لاؤنج میں ہی صوفے پر کمبل لے کر ڈھیر ہوگیا۔

خوشان نے لاؤنج میں قدم رکھا تو ٹھٹک گئی۔ صوفے پر کمبل تانے یقیناً وہی تھا۔ کچن میں سالن بناتی لائبہ اپنے کام میں منہمک تھی اس لیے خوشان دبے پاؤں بالکل سائیڈ پر سے نکلی۔ ابھی کچن میں قدم رکھا ہی تھا کہ تراب کی آواز پر ٹھٹک گئی:

جو ساری عمر مجھ سے دور دور چلتا رہا
وہ آس پاس یوں بکھرا ہے جیسے خوشبو ہو
بس اس امید پہ خوابوں میں عمر کاٹی ہے
میں آنکھ کھول کر دیکھوں تو سامنے تو ہو

''تراب یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' اس کے شعر گنگنانے بلکہ بلند آواز میں سنانے پر لائبہ نے مڑ کر دیکھا تو سامنے سرخ چہرے سمیت خوشان اور چوکھٹ پر کھڑے مسکراتے تراب پر نظر جما دی۔

''ارے تم کب آئیں؟'' لائبہ نے خوشان سے پوچھا جو خفت زدہ سی کھڑی تھی۔

''ابھی..... وہ میں پھر آؤں گی۔'' خوشان نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

رخصت ہوا تو آنکھ ملا کر نہیں گیا
وہ کیوں گیا ہے یہ بھی بتا کر نہیں گیا
رہنے دیا نہ اس نے کسی کام کا مجھے
اور خاک میں بھی مجھ کو ملا کر نہیں گیا

''تراب کے بچے۔'' شعر ختم ہوتے ہی لائبہ کی دھاڑ سنائی دی تھی اور خوشان گیٹ سے نکلتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ واقعی یہ بندہ بند آنکھوں سے بھی دیکھ سکتا ہے۔

''ایسا لگ رہا ہے میدان جنگ میں فتح کا جھنڈا لہرا کر واپس جا رہے ہو۔'' لائبہ نے تراب کے ہونٹوں پر چپکی مستقل مسکراہٹ اور کالی سیاہ آنکھوں میں چمکتے جگنو دیکھ کر کہا۔

''ہاں محبت کی بازی میں جیت کا اپنا ہی نشہ ہے۔ کسی کو چاہنا اور پھر اس چاہ کو پا لینا بھی تو خوش بختی ہے۔ بس دعا کرو آگے بھی تمام مراحل اسی قدر آسانی طے ہو جائیں۔ ایسا لگ رہا ہے دو ہفتوں میں دو سو سال کا سفر دو پل میں طے کیا۔ زندگی اتنی حسین اتنی خوبصورت.....'' تراب نے سرخ گلاب کے پھولوں سے بھرے پودے پر نظریں جماتے ہوئے کہا تو چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے لائبہ نے اس کی محویت توڑتے ہوئے کہا۔

''کون.....؟ کس کی بات کر رہے ہو؟''

''اس کی جس کا نام لوں گا تو تم خونخوار بلی میرے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ جاؤ گی کہ ایسے دھڑلے سے نام کیوں لیا؟'' لائبہ تم میرا اعتبار

www.pkdigest.com

کیوں نہیں کر لیتی چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے' آسمان زمین ایک ہو جائیں میں سید تراب علی شاہ قول سے کبھی نہیں پھروں گا۔ اور یہی لائبہ شاہ کی عزیز از جان واکلوتی سہیلی محترمہ خوشان علی صدیقی کو بھی دھوکہ نہیں دوں گا۔ اب چلیں؟'' اس نے چائے کا خالی کپ لائبہ کو تھما کر کہا تو وہ سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''بھئی اسے الہام تو نہیں ہوگا کہ میں شام کو چلا جاؤں گا۔ خدا حافظ ہی کہہ ہی آؤں۔'' تراب نے مسکرا کر شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔ مگر شاید خوشان صدیقی کو الہام ہونے لگے تھے۔ تبھی ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ بھی لان میں گلاب کے ہرے بھرے سرخ سرخ پھولوں کے بوجھ سے لٹکے پودوں کے پاس بہت پزل سی بیٹھی تھی۔ چہرہ پر ملال اور آنکھیں بہت اداس لگ رہی تھیں۔ اور لائبہ شاہ آنے والے طوفان کی آہٹ سن رہی تھی۔ مگر ایک وہی تھا جو مسلسل مسکرا رہا تھا۔ اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کو ہنسنے کی تلقین اور مسکرانے کی نصیحت کر رہا تھا۔ اور وہ بے چاری مسلسل مسکرانے کی کوشش میں آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے میں ناکام ہو رہی تھی۔

سارے راستے تراب لائحہ عمل ترتیب دیتا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ ایئرپورٹ سے ٹیکسی لے کر وہ مسرور سا 'سادات ہاؤس' کی طرف رواں تھا۔ مین روڈ پر ٹرن لیتے ہوئے خوشان صدیقی کی نم آنکھوں مگر مسکراتے لبوں کے تصور میں کھوئے تراب نے سامنے سے آتے ٹرالے اور ہارن کی تیز آواز سنی تھی کہ ایک دھماکے سے وہ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔ ایک لائحہ عمل اللہ تعالیٰ کا بھی ہے جس کے آگے سب بے بس ہیں۔

''لائبہ دیر نہیں ہوگئی؟'' خوشان نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''یار تم تو اس گھونچو سے بھی دو ہاتھ آگے ہو۔ وہ ملتان پہنچ کر سب سے پہلے فون کھڑکائے گا۔ مجھے دوسو فیصد یقین ہے۔ اور ایئرپورٹ سے بھی تو فون کیا ہی تھا۔ ذرا صبر کرو۔'' لائبہ نے بے چاری سی شکل لیے خوشان کی طرف دیکھا اور خوامخواہ مسکرانے لگی۔ یقیناً وہ شرارت کے موڈ میں تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' فون کی تیز بیل نے اس کے قدموں اور خوشان کے دل کی دھڑکن کو بہت تیز کر دیا۔ اور اگلے ہی پل میں لائبہ شاہ کی دلدوز چیخوں سے سارا گھر گونج رہا تھا۔

امی اپنے کمرے سے دوڑتی ہوئی آتی تھیں۔ ابا جان جو ناسازی طبع کی وجہ سے گھر پر ہی آرام کر رہے تھے گھبرائے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔ جہاں ہق دق پھٹی پھٹی آنکھوں اور پیلی رنگت سمیت کھڑی خوشان پتھر کی ہوگئی تھی۔ اور ریسیور ہاتھ میں لیے ابا جان نے جو خبر سنی تھی وہ ان کے حواس بھی گم کر گئی تھی۔ تراب علی شاہ ایکسیڈنٹ میں خالق حقیقی سے جاملا تھا۔

لائبہ شاہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ امی جان اکلوتے بھانجے کی اچانک موت پر سسکیاں بھر رہی تھیں۔ اور خوشان صدیقی خاموشی سے اپنے گھر آگئی تھی۔ اپنے کمرے میں بند وہ سسک رہی تھی کہ سب کے سامنے وہ کیونکر آنسو بہاتی۔ کس حوالے سے' کس تعلق کی بنا پر۔ وہ تراب علی شاہ کی جدائی پر بین کرتی۔

''تراب علی شاہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم نے مجھے خوابوں کی شاہراہ پر اکیلا اور ادھورا چھوڑا ہے۔'' وہ تڑپ تڑپ کر روتی اور پھر کانچ جیسے نازک سپنوں کی نوکیلی کرچیوں کے زخم دل پر اور روح پر سہتی وہ دم ہوگئی تھی۔ اور بند

ہوتی آنکھوں میں روشن روشن مسکراتی' جگ مگ کرتی' محبت سے بھری دو آنکھوں نے اپنا عکس چھوڑ دیا تھا۔

چند گھنٹوں میں ہی سب رشتہ دار خواتین سادات ہاؤس اور مرد حضرات ہسپتال میں تھے۔ مگر شعبہ حادثات میں روڈ ایکسیڈنٹ کے تین کیس تھے۔ اس لیے خاصا انتظار کرنا پڑا تھا اور ان اذیت ناک لمحوں کا پل پل عجیب کیفیت سے بھرپور تھا۔ جائے وقوعہ پر سامان اور سفری بیگ سے ملنے والے شناختی کارڈ وغیرہ سے پولیس نے تراب کا نام و پتہ معلوم کیا تھا۔ مگر اب ہسپتال میں گویا کسی کو بھی ان قیامت خیز لمحوں کی اذیت کا اندازہ نہ تھا۔ پولیس گویا اپنا فرض ادا کر کے بری الذمہ ہوگئی تھی۔ بس وہ سب ادھر سے ادھر بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ مگر ٹھیک صورتحال سے بے خبر تھے۔ پھر اٹھارہ گھنٹے بعد نعش ان کے حوالے کر دی گئی تھی مگر اس حالت میں کہ ناقابل شناخت حالت میں۔ ٹرالے نے جس بے دردی سے ٹیکسی کاغذ کا گولا بنا دی تھی اس سے زیادہ برا حشر تو پوسٹ مارٹم کے نام پر اس انسان کا کیا تھا جو ذرا سی خراش آنے پر واویلا کر دیا کرتا تھا۔ مگر اب اتنی چیر پھاڑ پر وہ تو خاموش تھا مگر سارا درد' تکلیف' غم اس کے پیاروں کے دل پر زخم لگا گیا تھا۔ محض چند گھنٹوں بعد ہی شہر خاموشاں میں ایک اور کتبے کا اضافہ ہوگیا تھا۔ جس پر لکھا نام دور سے نظر آ رہا تھا سید تراب شاہ۔

سات سال کے اس عرصے میں بہت سی تبدیلیاں آئی تھیں۔ لائبہ شادی کے بعد ملتان چلی گئی تھی۔ اظہر بھائی کمپنی کی طرف سے سعودی عرب سدھارے۔ اور خوشان صدیقی اپنی بے قراری و بے چینی لیے اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلی گئی تھی۔ جبکہ خوباں کی شادی ہوگئی تھی اور وہ کراچی میں رہائش پذیر تھی۔

خوشان جن اذیت ناک سوچوں اور تکلیف دہ یادوں سے جان چھڑا کر سات سمندر پار آئی تھی وہ تو اب بھی ہر دم اس کے ساتھ ہی رہتی تھیں اور وہ سوچ کر رہ جاتی بھلا لوگ کس طرح بھلا دیا کرتے ہیں یا بھول جایا کرتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن و دل پر لگے زخم گہرے ہوتے جا رہے تھے اور یادوں کے رنگ بھی تراب شاہ کو بھلانے میں اس نے خود کو بھلا دیا تھا مگر نہ بھولا تھا وہی ایک شخص باقی سب کچھ یادداشت سے مٹ گیا تھا:

وقت کے ساتھ لوگ کہتے تھے
زخم دل بھی تمہارے ہوں گے دور
آج ان کو کوئی خبر کر دو
میرا ہر زخم بن گیا ناسور

خوشان نے واپس آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی لیے لائبہ کو بھی خط لکھ دیا تھا۔ جسے پا کر لائبہ خوش بھی تھی مگر ساتھ ہی بے طرح اداس بھی۔

خوشان صدیقی نے اسلام آباد ایئرپورٹ پر قدم رکھا تو گویا ہوائیں بھی اسے خوش آمدید کہنے لگیں اور جانے پہچانے راستوں سے گزرتے ہوئے خوشان صدیقی اکیلی نہیں تھی۔

مما اپنی لاڈلی کی گم صم حالت پر ازحد پریشان تھیں۔ ڈیڈی بھی اس کی اس حالت پر متحمل تھے۔ انھوں نے اس کی بڑھتی ہوئی خاموشی' بے زاری اور اکتاہٹ کے پیش نظر ہی تو اسے امریکہ بھیجا تھا تاکہ ماحول کی تبدیلی ہی اس میں کوئی پوزیٹو چینج لے آئے۔ مگر جب سے وہ آئی تھی مما کی پریشانی دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔ حد درجے کی خاموشی' آنکھوں کی ویرانی اور تو اور آدھی آدھی رات کو اٹھ کر لان میں ٹہلنے کا شغف مما کو سراسیمہ کر گیا تھا۔ حالانکہ امریکہ سے انھیں اپنی فرسٹ کزن جن کے ہاں خوشان

www.pkdigest.com

آج موسم بے حد خوشگوار ہو رہا تھا۔ کئی دنوں بعد آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں نے سورج کو پوری آب و تاب سے چمکنے کا موقع دیا تھا جس کے باعث ہر شے نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ نرم گرم سی دھوپ بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ کب سے چیئر کی پشت پر سر ڈالے لان میں بکھرے چنبیلی اور گلاب کے پھولوں کی خوشبو اور موسم کی تازگی کو اپنے اندر اُتار رہی تھی۔

اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر ایک نظر اپنے چاروں طرف دیکھا۔

سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا مگر..... پھر بھی ایک کمی سی تھی جس کی وجہ سے وہ مکمل طور پر اس ماحول سے خوش نہیں ہو پا رہی تھی۔ جس کی وجہ یقیناً ایک طرف تو روشین کی شادی اور دوسری طرف تنزیلہ آپا کی بیماری تھی۔ یکدم اُس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ ماحول پہ چھایا سحر اپنی خوبصورتی کھو چکا تھا۔

وہ اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی مگر اسی لمحے پورچ سے داخل ہوتی ماما کی گاڑی کو دیکھ کر وہ وہیں رُک گئی۔

ماما ڈرائیور سے گاڑی میں رکھا سامان اندر رکھوا رہی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ اس کی طرف چلی آئیں۔

اس نے فوراً ماما کے ہاتھوں سے مختلف شاپنگ بیگ لے کر لان ٹیبل پر رکھ دیئے۔

''تھینک گاڈ آج ساری شاپنگ کمپلیٹ ہو گئی ہے۔''

تھکان کے باوجود ماما کے چہرے سے چھلکتی خوشی کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے چپ ہو گئی اور ان کی جانب متوجہ ہو گئی۔

''یہ کچھ کپڑے ہیں۔ میں بوتیک سے لائی ہوں روشین کو دکھا دینا۔'' ماما نے اُسے ہدایت کی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

پتہ نہیں کیوں اس کا دل اداس سا ہو رہا تھا۔ جوں جوں روشین کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے وہ پریشان ہوئی جا رہی تھی۔ اور اپنی اس پریشانی کا ذکر وہ کسی سے بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بابا ماما کے اس فیصلے سے کسی طور خوش نہیں تھے سو چپ کر گئے تھے۔ جبکہ روشین بظاہر مسکراتی دکھائی دیتی لیکن اس کی آنکھوں میں اترتی اداسی اور چہرے پر پھیلا دکھ اس سے ہرگز مخفی نہ تھا۔ ایسے میں وہ کس سے اپنے دل کی بات کرتی؟ کس کو بتاتی کہ.....

''السلام علیکم''

بڑی ماما کی آواز پر وہ چونک کر اپنے دائیں جانب دیکھنے لگی۔ بڑی ماما انتہائی محبت سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں وہ فوراً مسکراتی ہوئی ان سے گلے ملنے لگی۔

ماما کن انکھیوں سے باری باری دونوں کو تک رہی تھیں اُن چہرے کے تاثرات یکدم بدل چکے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے وہ جتنی خوش دکھائی دے رہی تھیں بڑی ماما کو دیکھتے ہی وہ سخت برہم سی نظر آنے لگی تھیں۔

''بیٹھیے بڑی ماما۔''

وہ ماما کے تاثرات یکسر نظر انداز کر کے ان سے مخاطب ہوئی تو وہ قریبی چیئر پر بیٹھ گئیں۔

''نائمہ یہ میری طرف سے روشین کے لئے اس کی شادی کا تحفہ ہے۔ پلیز انکار مت کرنا۔'' قدرے توقف کے بعد بڑی ماما نے ایک بیگ میں سے جیولری بکس نکال کر میز پر رکھتے ہوئے انتہائی متانت بھرے انداز میں کہا۔

ٹیبل پر رکھے جیولری بکس کو دیکھ کر ماما کا پارہ ہائی ہو گیا تھا۔ وہ خود پر کنٹرول نہیں رکھ پا رہی تھیں۔ ان

کے بدلتے تیور دیکھ کر وہ سہم سی گئی تھی۔

''کیا سمجھتی ہیں آپ میری بیٹی کو کہ آپ کے ان چند تولے زیورات کی ضرورت ہے، ہرگز نہیں۔ میرے پاس اسے دینے کو اتنا کچھ ہے جس کا آپ نے بھی تصور تک نہ کیا ہوگا اور ویسے بھی وہ کسی غریب گھرانے میں بیاہ کر نہیں جا رہی۔ کروڑوں میں کھیلے گی وہ اور پھر آپ خود سوچئے کہ آپ کے اس تحفے کی کیا حیثیت ہوگی اس کے نزدیک۔ بہتر ہوگا اگر آپ یہی سیٹ اپنی بیٹی کو دے دیں کچھ تو قدر ہوگی اسکی سسرال میں۔''

ماما کا انداز انتہائی تحقیرانہ تھا۔ اُن کے چہرے سے چھلکتا غرور اُسے اندر ہی اندر بے چین کر گیا تھا۔

''ایسا مت کہو نائمہ۔ میں جانتی ہوں یہ زیور روشین کے شایانِ شان نہیں ہے لیکن تحفہ میں دی گئی چیز کی قدر صرف وہی کرتا ہے جو تحفہ دینے والے کی عزت کرتا ہے اور میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ روشین کس قدر محبت اور عزت کرنے والی بچی ہے۔'' بڑی ماما نے جواباً اپنے مخصوص نرم اور دھیمے لہجے میں بات کی اور ٹیبل پر رکھا جیولری بکس دوبارہ بیگ میں رکھ لیا

ماما ساڑھی کا پلو سنبھالتی ایک سخت نظر بڑی ماما پر ڈالتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

''بڑی ماما اگر آپ کو برا نہ لگے تو ایک بات کہوں؟''

''کہو بیٹا!'' بڑی ماما نے محبت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آپ اتنے پیار اور خلوص سے یہ تحفہ روشین کیلئے لائی ہیں یہ آپ مجھے دے دیجئے میں روشین کو دے دوں گی۔ روشین یہ دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔''

اس نے بڑی ماما کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

اس کی بات سن کر بڑی ماما کا چہرہ کھل سا گیا تھا جو ماما کی تلخ باتوں کے مرجھا گیا تھا۔ انہوں نے فوراً اس کی جانب بیگ بڑھا دیا جو اس نے بخوشی تھام لیا۔

''معلوم نہیں کیوں ماما، آپ کو لوگوں کی پہچان نہیں ہے۔''

بڑی ماما نے جانے کے بعد اُس نے یاسیت سے سوچا۔

----☆☆----

''معاف کیجئے گا انکل مگر میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے شروع سے ہی تنزیلہ پر شک تھا۔''

وہ جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھا فرقان بھائی اور بابا جان کی باتیں سن رہا تھا فرقان بھائی کی اس بات پر محض انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

''کیا مطلب؟'' بابا جان نے حیرانی سے استفسار کیا۔

''مطلب یہ کہ میں نے اکثر اسے فون پر بات کرتے دیکھا تھا اس کے علاوہ وہ مجھے بتائے بغیر کئی مرتبہ گھر سے باہر جاتی تھی۔ کہاں جاتی تھی کس سے ملتی تھی؟ یہ میں نہیں جانتا مگر.....''

''بس کیجئے فرقان بھائی۔'' وہ مزید ان کے منہ سے نکلتا قہر برداشت نہ کر سکا اور قدرے تیز لہجے میں بول پڑا۔

''تنزیلہ آپی آپ کی بیوی ہیں اور آپ..... کیسے اپنی بیوی پر شک کر سکتے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔'' فرقان بھائی غصے سے اسے دیکھنے لگے۔

''جی ہاں آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔'' وہ بے خوفی سے بولا۔ ''تنزیلہ آپی کسی اور کو نہیں مجھے فون کرتی تھیں اور رہی بات آپ کو بتائے بغیر گھر سے جانے کی۔ آپ ہی بتائیں جب آپ پورا پورا ہفتہ گھر

www.pkdigest.com

سے باہر رہیں گے تو آپی شدید تکلیف میں کہاں جائیں گی۔ وہ پی سی او جاتی تھیں مجھے فون کرنے کیلئے۔"

"میں نہیں مانتا۔" فرقان بھائی نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"آپ کے ماننے سے یا نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ حقیقت تو آپ کی بھی معلوم ہے۔" اس نے خاصے طنزیہ انداز میں کہا۔ تو فرقان بھائی کو مزید بھڑکنے میں بالکل وقت نہ لگا۔ وہ طیش میں آ کر بولے۔

"ہاں معلوم ہیں مجھے تمہاری بہن کے کرتوت اور اس کا چال چلن جس کو میں اتنے عرصے سے برداشت کرتا آ رہا ہوں۔" وہ اپنا راز کھلنے کے ڈر سے چیخا۔

"فرقان میں بہت شرمندہ ہوں اپنی بیٹی کی وجہ سے۔" بابا جان نے پست آواز میں سر جھکا کر کہا۔

"بابا جان شرمندہ آپ کو نہیں ان کو ہونا چاہیے کیونکہ چال چلن تو ان کا ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے بابا جان کے جھکتے سر کو دیکھ کر کہا۔

"زبان سنبھال کر بات کرو رائد میں تمہاری بہن کا شوہر ہوں۔" فرقان بھائی نے غرا کر کہا۔

"بہن کے شوہر ہیں تو آپ کے گناہوں کو چھپا کر رکھوں وہ بھی اس وقت جب آپ میری بہن کی زندگی برباد کر چکے ہیں۔" اس نے دکھ سے ان کی جانب دیکھ کر کہا۔

"رائد تم چپ رہو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے بحث کرنے کی۔" بابا جان نے اسے سخت لہجے میں ٹوکا۔

"کیوں چپ رہوں بابا جان یہ تہمت لگا رہے ہیں آپی کے کردار پر۔ جیسے ان کا تو خود کوئی کردار نہیں ہے۔"

"میں تم سے کہہ رہا ہوں رائد اپنی زبان بند کر لو ورنہ....."

"ورنہ کیا کر لیں گے آپ؟" وہ فرقان بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے نڈر لہجے میں بولا۔

"میں تمہاری بدکردار بہن کو طلاق دے دوں گا سمجھے تم۔" فرقان بھائی نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

"اگر میری بہن بدکردار ہے تو ٹھیک ہے آپ اپنے ٹیسٹ کرا لیجیے۔ حقیقت سامنے آ جائے گی۔"

اس کی بات سن کر جہاں فرقان بھائی اپنی جگہ پر جم گئے تھے وہیں بابا جان انتہائی حیرت و استعجاب کے عالم میں اسے تک رہے تھے۔

"ہوش سے کام لو رائد تم فرقان پر الزام لگا رہے ہو۔" بابا جان نے قدرے توقف کے بعد دبے دبے انداز میں اسے کچھ بھی بولنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی تو آپ کی بیٹی پر الزام لگا رہے ہیں بابا جان۔" وہ تاسف سے انہیں دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوا۔

"جب کہ میں تو الزام بھی نہیں لگا رہا۔ آپ سے حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ فرقان بھائی کے تعلقات مختلف لڑکیوں سے ہیں جن کا تعلق زیادہ تر ریڈ لائٹ ایریا سے ہے۔ یہ ساری رات گھر سے باہر رہتے ہیں اور اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو ان سے پوچھ لیجیے کہ یہ لاہور کس سلسلے میں جاتے ہیں۔ یہ وہاں اپنا ایڈز کا علاج کرا رہے ہیں۔ ان ہی کے ذریعے آپی اس موذی مرض کی مریضہ بنی ہیں بابا جان اور....."

"چٹاخ"

اسکی بات پر بابا جان نے اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ دے مارا۔

"کتنی دیر سے تمہیں خاموش رہنے کو کہہ رہا ہوں لیکن تم اس قدر نافرمان ہو کہ....."

"اگر اس کو نافرمانی کہتے ہیں تو میں نافرمان ہوں بابا جان۔ لیکن میری کہی باتوں کو ایک دفعہ سوچیے گا ضرور۔ کیونکہ ان کے بارے میں کہا گیا میرا ایک لفظ بھی غلط نہیں ہے۔" وہ ایک تیز نظر فرقان پر ڈالتا ہوا

کمرے سے باہر نکل گیا۔

"جانتا ہوں بابا جان آپ کو کبھی بھی میری باتوں پر یقین نہیں آئے گا۔" اس نے تاسف سے سوچا اور پھر ہاسپٹل کی طرف چل پڑا۔

----☆☆----

پورے گھر میں خوشی کا سماں تھا۔ روشین کی شادی میں محض ایک دن باقی تھا۔ ماما کا خوشی سے برا حال تھا۔ جبکہ سمیر اپنی ہی دنیا میں مگن تھا وہ گھر کے تمام معاملات سے بے نیاز تھا۔ وہ بے فکری سے فنکشنز اٹینڈ کرتا اور پھر رات بھر غائب رہتا۔

پاپا شادی کے انتظامات میں بری طرح مصروف تھے۔ وہ روشین کی شادی میں کسی قسم کی کسر چھوڑنا نہیں چاہتے تھے تاکہ روشین کو باپ کی کمی ہرگز محسوس نہ ہو سکے۔ روشین خود کو مطمئن اور خوش ظاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ روشین اندر سے بری طرح بکھری ہوئی ہے وہ محض ماما کی خوشی اور ان کے مان کی خاطر خود پر جبر کیے ہوئے ہے۔ وہ بھی خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ناکام ہی تھی۔

"ادیبہ۔"

وہ وارڈ روب سے کپڑے نکال کر دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی جب روشین کے پکارنے پر پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ جو زرد رنگ کے جوڑے میں بہت کملائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کی طرف بڑھ گئی۔

"میں اتنے دنوں سے تمہارے ساتھ ڈھیروں باتیں کرنا چاہ رہی ہوں مگر تم اتنی بزی ہو کہ بات ہی نہیں ہو پاتی۔" روشین نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پیار سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

جواباً وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"آؤ میرے پاس بیٹھو۔" روشین اسے لیے بیڈ پر آ بیٹھی۔

"میں جانتی ہوں تم خوش نہیں ہو ادیبہ لیکن تم یقین کرو میں بہت مطمئن اور پرسکون ہوں۔"

اس نے ایک نظر روشین کو دیکھا جس کے لہجے میں جھلکتی سچائی کو وہ ہرگز جھٹلا نہیں سکی تھی۔ وہ قدرے حیرانی سے روشین کو تک رہی تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں ادیبہ بلیوی اور میں تمہیں یہ سب اس لیے بتا رہی ہوں تاکہ تم بھی خوشی خوشی سارے فنکشنز اٹینڈ کرو۔ اپنے دماغ اور دل پر کوئی بوجھ مت رکھو پلیز۔" روشین نے کچھ اس انداز سے کہا کہ وہ کھل کر مسکرا دی۔

"ہاں اس طرح خوش رہو کیونکہ جو ہو رہا ہے اسے نہ تم روک سکتی ہو اور نہ کوئی اور پھر بہتر نہیں ہے کہ جو ہو رہا ہے اس کو انجوائے کیا جائے۔"

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ روشین اس کی اتری اتری سی شکل دیکھ کر اسے سمجھا رہی ہے۔ ویسے بھی اس کے اداس یا پریشان ہونے سے تو وہ سب نہیں ہو سکتا ہو ہم چاہتے ہیں۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو روشین لیکن تمہاری آنکھوں میں اترتا دکھ....."

"پلیز ادیبہ میں بالکل ٹھیک ہوں بس خود کو سمجھانے میں بھی تو تھوڑا وقت لگتا ہے ناں۔" روشین نے خود پر ضبط رکھتے ہوئے بس اتنا ہی کہا پھر اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے میں مصروف ہو گئی۔

----☆☆----

www.pkdigest.com

''کہاں تھے تم کل رات سے؟''

وہ لان میں موجود مہمانوں کو ریسیو کرنے کیلئے لاؤنج سے گذر رہی تھی جب سمیر کے کمرے سے آتی پاپا کی تیز آواز سن کر وہ بے اختیار وہیں رک گئی۔

''میں دوست کے گھر تھا پاپا، ہم لوگ کمبائن اسٹڈی کر رہے ہیں آجکل۔'' سمیر کی دھیمی مگر کمزور آواز بآسانی سنی جا سکتی تھی۔ وہ سمیر کے کمرے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔

''کس سے اجازت لے کر رات بھر دوستوں کے گھروں میں رہتے ہو تم بتاؤ مجھے۔''

پاپا خشمگیں نظروں سے سمیر کو دیکھ رہے تھے۔

''تم کیوں اس کے ساتھ بحث کر رہے ہو رضا یہ مجھے بتا کر جاتا ہے، مجھ سے پرمیشن لے کر جاتا ہے۔'' ماما نے بات ختم کرنیوالے انداز میں کہا۔

''تم چپ ہی کرو تو زیادہ بہتر ہے۔'' پاپا نے ماما کو سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں چپ کر جاؤں تا کہ تم زور زور سے بول کر گھر میں آئے مہمانوں کو تماشا دکھاؤ، ہے ناں۔'' ماما نے تنک کر کہا۔

''جس وقت میں اس سے بات کر رہا ہوتا ہوں تم مجھے نظر مت آیا کرو سمجھیں تم۔'' پاپا نے ماما کو متنبہ کرنا چاہا مگر وہ مزید بپھر گئیں۔

''تم سے تو میری خوشی دیکھی ہی نہیں جاتی رضا اپنے اندر کا غبار تم سمیر پر ناحق بول کر نکال رہے ہو جانتی ہوں میں لیکن یاد رکھو میں تمہیں تمہارے کسی مقصد میں کامیاب ہونے نہیں دوں گا۔'' ماما کی بات پاپا کو تپا گئی تھی وہ اونچی آواز میں گویا ہوئے۔

''تم بات کو غلط رخ کی طرف لے کر جا رہی ہو نائمہ میں اس وقت اسے اسکی ذمہ داریوں اور غلطیوں کا احساس دلانا چاہ رہا ہوں مگر تمہارے ہوتے ہوئے میں اس کو کبھی نہیں سمجھا سکتا۔'' پاپا ایک سخت نظر سمیر پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئے تو ماما فاتحانہ انداز میں دھیرے سے مسکرا دیں تو وہ تاسف سے سر ہلاتے ہوئے لان کی طرف چل پڑی۔

----☆☆----

''بابا جان پلیز بیٹی ہیں وہ آپ کی۔''

اس نے لجاجت بھرے انداز میں کہا مگر وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹے۔

''اس نے بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔ جانتے ہو تم کتنی ذلت اٹھانا پڑ رہی ہے۔ مجھے اپنے پورے حلقے کے علاوہ میڈیا میں بھی'' بابا جان اسے شدید غصے کی عالم میں گھورتے ہوئے مزید گویا ہوئے۔

''طرح طرح کی خبریں چھپ رہی ہیں اخباروں میں، مختلف طرح کے سوالات پوچھے جا رہے ہیں مجھ سے۔ بولو کیا جواب دوں میں دنیا کو کہ میری بیٹی کہاں سے اپنا منہ کالا.....''

''پلیز بابا جان، کچھ مت کہیے آپی کو۔'' وہ مزید ان کے منہ سے آپی کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کا متحمل نہیں تھا سو انتہائی عاجزی سے بولا

''وہ بہت معصوم اور پاکیزہ ہیں بابا جان یہ سب کچھ فرقان بھائی.....''

''اس کے خلاف ایک لفظ بھی مت کہنا سمجھے تم۔'' بابا جان وارننگ کرنے والے انداز میں بولے۔

''وہ جس قدر پرہیزگار اور دیندار ہے اگر میری اولاد میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہوتا تو میں خود کو دنیا کا خوش قسمت آدمی سمجھتا لیکن میری ایسی قسمت کہاں؟''

بابا جان کے لہجے میں شدید افسوس پنہاں تھا۔ وہ محض ایک نظر انہیں دیکھ کر رہ گیا پھر چند لمحوں بعد دوبارہ التجائیہ انداز میں ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''اس وقت آپی کو مدد کی شدید ضرورت ہے بابا جان پلیز ان کی مدد کر دیجئے۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں اگر ان کا علاج کسی بڑے اور اچھے ہاسپٹل سے نہ کرایا گیا تو وہ.....''

''میرے پاس اس کے لئے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے اور ویسے بھی ایسی اولاد کو تو بہت پہلے مر جانا چاہیے تھا۔'' انہوں نے انتہائی سفاکی سے کہا تو وہ ان کی بات سن کر تڑپ ہی گیا تھا۔

اور وہ کچھ بھی کہے سنے بغیر گھر سے باہر نکل آیا۔

''کہاں جاؤں کس سے مدد مانگوں کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔''

وہ اضطراری کیفیت میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو بالوں میں پھنسائے زیر لب بڑبڑایا۔ وہ پچھلے چند دنوں سے شدید پریشان تھا۔ ڈاکٹرز نے آپی کی حالت بہت سیریس بتائی تھی اور ان کا علاج کسی بڑے ہاسپٹل سے کرانے کا مشورہ بھی دیا تھا اور ایسا کرنے کے لیے بڑی رقم کی ضرورت تھی جبکہ وہ تو بالکل خالی ہاتھ تھا۔ فرقان بھائی نے تنزیلہ آپی سے مکمل لاتعلقی کا اظہار کر دیا تھا اور اب بابا جان نے بھی صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کے تمام دوست مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے والدین پر انحصار کرتے تھے ایسے میں وہ کسی کو بھی آزمائش میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

''کیا کروں؟'' اسی سوچ اور الجھن میں گرفتار وہ ہاسپٹل جا پہنچا۔

''کہاں تھیں تم اتنے دنوں سے، معلوم ہے تم مجھے کتنا یاد آ رہی تھیں؟''

وہ جیسے ہی آپی کے روم میں داخل ہوا آپی کی نقاہت بھری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے ایک نظر آپی کو دیکھا پھر انہیں سلام کرتا ہوا بیڈ کے دوسری طرف جا کھڑا ہوا اور ہاتھ میں پکڑے پھلوں کے شاپر سائیڈ ٹیبل پر ترتیب سے رکھنے لگ گیا۔

''میں نے بتایا تھا ناں آپ کو روشین کی شادی کے بارے میں بس اسی سلسلے میں بزی تھی اور آپکی کمی کو میں نے شدت سے محسوس کیا تھا۔'' اس نے پوری سچائی سے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

''کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟'' اس نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' آپی نے محبت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس نے بغور ان کی طرف دیکھا جو پہلے کی نسبت زیادہ کمزور اور بیمار دکھائی دے رہی تھیں۔

وہ اندر ہی اندر مزید تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ڈاکٹر سے ان کی رپورٹ معلوم کرنے کے لیے باہر نکل گیا۔

''ایکسکیوزمی۔''

آپی سو چکی تھیں، وہ روم سے باہر نکل آئی اور اسے کاریڈور میں ستون کے سہارے کھڑا دیکھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

اپنے قریب سے آتی اس کی آواز پر چونک کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے؟'' اس نے پوچھا۔

وہ ایک گہری سانس بھر کر اسے دیکھنے لگا پھر قدرے دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

''جلد سے جلد کسی بڑے ہاسپٹل میں شفٹ کرنے پر زور دے رہیں ہیں جہاں ایڈز کا علاج بہتر طریقے سے کیا جاتا ہے۔''

www.pkdigest.com

''یہ بات تو وہ کافی دنوں سے کہہ رہے ہیں پھر آپ اتنا لیٹ کیوں کر رہے ہیں؟'' اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس کی بات سن کر اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟''

اس کے اگلے سوال پر وہ تپ ہی گیا تھا۔ ''میں آپ سوالوں کے جواب دینے کا پابند ہوں کیا؟'' اس کا لہجہ کافی حد تک سخت تھا وہ قدرے حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

''میرا خیال ہے میں نے آپ کو ایسا کچھ نہیں کہا جس کی وجہ سے آپ مجھ سے اس لہجے میں بات کریں۔'' اس نے اسے اس کے سخت رویے کا احساس دلانا چاہا مگر وہ تو شاید اس کی آواز تک سننے کا خواہاں نہ تھا سو اس پر مزید برس پڑا۔

''تو میں نے آپ کو مجبور کیا ہے آپ مجھ سے بات کریں۔ آپ پلیز جائیں یہاں سے اور آئندہ مجھ سے پوچھ گچھ کرنے مت آیئے گا۔''

وہ سانس روکے اس کی بات سنتی رہی پھر اگلے ہی لمحے کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے پارکنگ کی طرف بڑھ گئی۔

وہ اسے جاتا دیکھتا رہا پھر شدید تاسف میں گھرا اس کے پیچھے چلا آیا۔

''ایکسکیوزمی۔''

وہ اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول رہی تھی جب اس نے اپنے پیچھے اس کی آواز سنی تو وہ نہ چاہنے کے باوجود رک گئی اور پلٹ کر سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

''سوری، ایکچوئیلی میں کچھ پریشان تھا اس لیے آپ سے ٹھیک طرح بات نہیں کر سکا۔'' وہ واقعی بہت الجھا الجھا سا دکھائی دے رہا تھا۔ چند لمحے وہ اسے دیکھتی رہی پھر عام سے انداز میں گویا ہوئی۔

''اِٹس اوکے میں سمجھ سکتی ہوں آپ کے پرابلم کو لیکن اس طرح کرنے سے تو مسئلے حل نہیں ہوتے۔''

وہ کچھ دیر بعد دوبارہ گویا ہوئی۔ ''کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟''

''دراصل دوسرے ہاسپٹل کے اخراجات بہت زیادہ ہیں جن کے لئے بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ جیسے ہی پیسوں کا بندوبست ہوا میں.....''

''ارے تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر نرم لہجے میں بولی۔ ''آپ کو پیسوں کی ضرورت ہے آپ مجھ سے لے لیجئے پھر.....''

''اسٹاپ اِٹ۔'' وہ اس کی پوری بات سنے بغیر زور سے بولا۔ ''کیا سمجھتی ہیں آپ خود کو، میں آپ کے پیچھے آپ سے اپنے رویے کیلئے معذرت کرنے آیا تھا آپ سے کوئی احسان نہیں مانگا تھا میں نے۔'' اس کی ہتک آمیز انداز پر وہ اندر تک جھلس گئی تھی۔ وہ مزید خود پر قابو نہ رکھ سکی اور پھٹ پڑی۔

''میں خود کو جو سمجھتی ہوں اس سے آپ کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے لیکن آپ خود کو جو سمجھتے ہیں ناں وہ دوسروں کو محض تکلیف ہی دے سکتا ہے۔ پریشانیاں سب پر آتی ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ دوسروں کی انسلٹ کریں، ان کے خلوص کا مذاق اڑائیں۔'' وہ اتنا کہہ کر گاڑی کی طرف مڑ گئی پھر کچھ سوچ کر دوبارہ پلٹی اور بدستور اسی لہجے میں گویا ہوئی۔

''اور ہاں کوشش کروں گی کہ آئندہ آپ سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہ کروں۔'' وہ مزید نہ رکی اور زن سے گاڑی آگے بڑھا لے گئی۔

نجانے کتنی ہی دیر تک وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا پھر سر جھٹک کر ہاسپٹل سے باہر نکل آیا۔

----☆☆----

روشین کی شادی کیا ہوئی تھی اسے لگتا تھا گھر بھر میں اداسی اتر آئی ہے۔ اسے یہ تو احساس تھا کہ روشین کے بغیر وہ تنہا ہو جاتی ہے مگر اس کے جانے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ وہ تو اس کے بغیر بالکل ادھوری ہے۔ روشین نے تو سب کی کمی کو پورا کیا ہوا تھا۔ وہ جب تک اپنی ہر بات روشین سے نہ کر لیتی اسے قرار نہ آتا اور اب.....

یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ سارا دن بے چین روح کی مانند ادھر سے ادھر ٹہل کر وقت گزارتی یا پھر نیٹ آن کر لیتی مگر کب تک؟ بالآخر تھک کر نوٹس بنانے میں مصروف ہو جاتی اور جب اس طرح بھی ٹائم پاس نہیں ہوتا تو وہ اکتا کر ٹیرس پر آ بیٹھتی اور کھلے آسمان کو تکتی رہتی۔

سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن تھے کوئی بھی تو نہیں تھا جس سے وہ اپنے دل کی باتیں کرتی، دن بھر کی روداد سناتی اور پھر خوب ہنستی۔

وہ پچھلے کئی دنوں سے تنزیلہ آپی سے ملنے ہاسپٹل جانا چاہتی تھی مگر اس شخص کی وہاں موجودگی کے خیال سے ہر بار اپنا ارادہ ملتوی کر جاتی۔ اس کا خیال آتے ہی وہ غیر ارادی طور پر اس کے بارے میں سوچنے لگی جو شروع سے ہی اسے بہت عجیب سا لگا تھا۔

''شاید گھر کے حالات یا ماحول کے باعث اس کی ذہنی حالت بکھری ہوئی تھی۔'' وہ اس کے بارے میں تجزیہ کرنے لگی۔ پھر ریلنگ پر کہنیاں ٹکائے آسمان سے برستی ہلکی ہلکی پھوار کو پلک ٹک دیکھنے میں محو ہو گئی۔

اس لمحے اس کا موبائل بج اٹھا تو وہ اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔

''ہیلو'' اس نے ریسیور کانوں سے لگا لیا۔

دوسری طرف گہری خاموشی تھی وہ دوسری بار ہیلو کہنے کا قصد کر ہی رہی تھی کہ کسی کے بولنے پر چپ ہو گئی۔

''السلام علیکم۔''

ایئر پیس سے ابھرتی اس کی بھاری آواز سن کر ایک لمحے کیلئے وہ کچھ نہ بول سکی بس خاموش ہی رہی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اس کا لہجہ انتہائی مدہم تھا۔

''ٹھیک۔'' اس کے استفسار پر وہ صرف اتنا ہی کہہ پائی اور چپ ہو گئی۔

وہ شاید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔ جبکہ وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

''سوری ادیبہ میں اس دن زیادہ بول گیا تھا لیکن میں نے آپ کو غلط نہیں سمجھا تھا میں، میں بہت شرمندہ ہوں۔''

اسے تو یقین ہی نہیں تھا کہ وہ کبھی اپنے رویے پر اس طرح ری ایکٹ کرے گا وہ حیران ہو رہی تھی۔ جواباً وہ کچھ نہ بول سکی۔

''آپی آپ کو بہت یاد کر رہی ہیں انہوں نے ہی مجھے آپ کو فون کر کے بلانے کو کہا تھا۔ آپ آئیں گی نا؟'' اس نے پوچھا۔

''جی میں آؤں گی۔'' اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور تیار ہونے لگی جس وقت وہ ہاسپٹل پہنچی بارش قدرے کے تیز ہو چکی تھی۔

وہ گاڑی پارک کر کے تیزی سے ہاسپٹل کے کاریڈور کی طرف بڑھ گئی۔ وہ سامنے ہی بینچ پر بیٹھا تھا

www.pkdigest.com

اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اس پر ایک نظر ڈال کر آگے کی جانب بڑھ گئی تو وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

''مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے اگر آپ کو برا نہ لگے تو پلیز۔'' وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا اور خاموش ہو گیا۔

اسکی بات سن کر وہ چلتے چلتے رک گئی اور پلٹ کر اسے دیکھنے لگی جو اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ وہ کافی حد تک شکستہ دکھائی دے رہا تھا۔

اس کے یوں دیکھنے پر اس نے چہرے کا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ شاید اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔ یقیناً وہ بہت مجبور ہو کر اس سے مدد کیلئے کہہ رہا تھا۔

''جتنی رقم چاہیں بتا دیں کل آپ کو مل جائے گی۔'' وہ نارمل انداز میں کہہ کر آپی کے روم کی طرف بڑھ گئی۔

انہیں بیڈ پر کسی بے جان شے کی مانند لیے دیکھ کر وہ اپنی جگہ پر جم سی گئی۔

تیزیلہ آپی کا زرد رنگ، پچکے گال اور نقاہت بھرا نحیف وجود اس کی آنکھیں بھگو گیا تھا۔ وہ بمشکل خود پر ضبط کرتی ان کے پاس بیڈ پر جا بیٹھی۔

اسے دیکھتے ہی ان کے چہرے پر رونق سی بکھر گئی تھی۔ وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں مگر شدید کمزوری اور نڈھال ہوتے جسم کے باعث وہ اپنی اس کوشش میں ناکام ہو گئیں۔

''آپ، آپ آرام کریں آپی، لیٹی رہیں پلیز۔'' وہ آگے بڑھ کر ان کو سہارا دیتے ہوئے لٹانے لگی۔

''پتہ نہیں میرے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور اور کیوں ہو رہا ہے؟ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی۔''

باتوں کے دوران اچانک آپی کا لہجہ آبدیدہ ہو گیا تھا۔ ان کی اس بات پر وہ ایک لمحے کیلئے پریشان ہو گئی پھر سنبھل کر بولی۔

''آپ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گی بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔''

اس نے دلاسہ دینا چاہا مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگیں۔

''نہیں مجھے لگتا ہے میں اب کبھی ٹھیک نہیں ہوں گی۔ آخر تم لوگ مجھے کیوں نہیں بتاتے کہ مجھے کیا بیماری ہے۔'' وہ بے چارگی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''آپ مایوس مت ہوں آپی میں نے کہا ناں آپ جلد ہی مکمل صحت یاب ہو کر گھر چلی جائیں گی۔'' وہ بمشکل مسکرا کر بولی۔

''پچھلے چند ہفتوں سے میں یہی سب سن رہی ہوں مگر میں جانتی ہوں میں اب کبھی گھر نہیں جا پاؤں گی۔'' ان کی آنکھوں سے گرتے آنسو اسے بے چین کر گئے تھے۔

''پلیز آپی ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ؟''

''میرے اندر سب کچھ ختم ہوتا جا رہا ہے ادیبہ، ایک عجیب سی تکلیف ہے جو میرے وجود کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔''

وہ جو مصروف سے انداز میں کمرے میں داخل ہو رہا تھا آپی کی آخری بات پر پژمردہ قدموں سے چلتا ہوا ان کے قریب چلا آیا۔

''آپ آئمہ اور امی سے ملنا چاہتی تھیں ناں۔'' اس نے سوالیہ انداز میں مسکرا کر ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں جلد ہی انہیں آپ سے ملوانے کیلئے لے آؤں گا اب آپ جوس پی لیجئے۔'' اس نے دائیں ہاتھ میں پکڑا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جو انہوں نے خاموشی سے تھام لیا پھر قدرے متفکرانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''لیکن بابا جان۔''

''آپ ان کی طرف سے پریشان مت ہوں، میں سنبھال لوں گا۔'' اس کے تسلی دینے پر وہ مطمئن دکھائی دینے لگی تھیں۔

''آپی میں اب چلتی ہوں۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے ان سے اجازت طلب کرنے لگی۔

''ہاں شام ہو رہی ہے تم اب جاؤ لیکن مجھ سے ملنے آتی رہنا ادیبہ۔'' انہوں نے دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے محبت سے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''میں ضرور آؤں گی آپ بے فکر رہیں۔''

''رائد تم اسے باہر تک چھوڑ آؤ۔'' ان کے کہنے پر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس کے پیچھے چل پڑا۔

----☆☆----

رات بھر ہونیوالی بارش کے باعث ہوا میں موجود خنکی مزید بڑھ گئی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر باہر کی جانب دیکھا دھلا دھلا شفاف ماحول بہت خوب صورت لگ رہا تھا وہ فوراً بستر سے نکل آئی اور ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی۔ فضا میں پھیلی مسحور کن خوشبو سانسوں کے ذریعے اندر تک اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ اتنا خوشگوار موسم اسے ذہنی سکون پہنچا رہا تھا۔ تیز چلتی سرد ہوائیں اسے بے حد مزا دے رہی تھی۔

''اگر روشین یہاں ہوتی تو اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں بند کر دیتی۔'' اس کا خیال آتے ہی وہ بے اختیار مسکرا دی اور کھلے آسمان کو دیکھنے لگی جو سیاہ بادلوں سے مکمل طور پر ڈھکا ہوا تھا۔ اتنا دلفریب موسم دیکھ کر اس کی ساری سستی دور ہو گئی تھی۔

وہ کھلے بادلوں کو کیچر میں قید کر کے یونیورسٹی جانے کی تیاری کرنے لگی۔

وہ جس وقت تیار ہو کر ڈائننگ روم میں آئی صبح کے نو بجے تھے۔

ڈائننگ چیئر پر ماما کو بیٹھے دیکھ کر وہ حیرت سے چلتی ہوئی ماما کے قریب رکھی چیئر پر آ بیٹھی۔

''خیریت تو ہے ماما آج آپ کالج نہیں گئیں؟'' اس نے بریڈ پر جام لگاتے ہوئے استفساریہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

اس کے سوال پر ماما چونک کر اسے دیکھنے لگیں پھر قدرے دھیمے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''ہاں بس یونہی۔'' انہوں نے شاید ٹالنا چاہا تھا۔

''لیکن ماما آپ تو کبھی کالج سے چھٹی نہیں کرتیں پھر آج۔'' ماما اس کی بات کاٹ کر قدرے تیز لہجے میں گویا ہوئیں۔

''کیا میں انسان نہیں ہوں، مجھے ریسٹ کی ضرورت نہیں ہو سکتی۔'' ان کی اسطرح جھڑکنے پر وہ ڈر سی گئی تھی۔ سو مزید کچھ نہ پوچھ سکی۔

''ماما میں نے آپ سے کچھ روپے مانگے تھے۔'' سمیر ڈائننگ روم میں داخل ہوتا ہوا ماما سے مخاطب ہوا اور چیئر پر آ بیٹھا۔ اس کے ہر انداز سے بے فکری نمایاں تھی۔

وہ ماما کے چہرے کے تناؤ میں ہوتے اضافے کی تشویش سے دیکھ رہی تھی۔ ان کی پریشانی کا اندازہ اسے اب بخوبی ہو چکا تھا۔

www.pkdigest.com

''سمیر میں نے منع کیا ناں کہ میں اب تمہیں ایک روپیہ بھی نہیں دوں گی پھر کیوں مانگ رہے ہو؟'' ماما نے غصے سے سمیر کو دیکھا جو انتہائی لاپرواہی سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھا۔ ان کی بات پر اس نے ہاتھ میں پکڑا بریڈ کا ٹکڑا زور سے پلیٹ میں پھینک دیا اور عجیب سے انداز میں ماما کو دیکھنے لگا۔

''آپ سے نہیں مانگوں گا تو اور کس سے اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے کہوں گا۔'' اس کا لہجہ انتہائی گستاخانہ تھا ماما ایک لمحے کیلئے خاموش ہو گئیں پھر خود پر کنٹرول کرتے ہوئے نسبتاً نرم لہجے میں گویا ہوئیں۔

''دیکھو سمیر میں نے تمہاری پاکٹ منی تین گنا بڑھا دی ہے اور اس کے علاوہ بھی تم مجھ سے پیسے لیتے رہتے ہو۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آخر تم کہاں اتنے روپے خرچ کرتے ہو؟''

''آپ میرے بارے میں سب کچھ تو جانتی ہیں پھر پیسے کہاں خرچ ہوتے ہیں یہ سوال بالکل بے معنی ہے۔'' سمیر نے بے خوفی سے کہا۔

''ہاں معلوم ہے مجھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اس کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔ میں نے تم پر آج تک کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی مگر تم نے تو اپنی حرکتوں کے باعث مجھے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔'' ماما کا انداز خاصا افسردہ تھا وہ تاسف سے ماما کو تکنے لگی جن کے بے جا حمایت اور آزادی نے خود انہیں پریشانی میں مبتلا کر ڈالا تھا۔

''اینی وے ماما مجھے دس ہزار روپے چاہئیں میں نے اپنے ایک دوست کو برتھ ڈے گفٹ پریزنٹ کرنا ہے۔'' سمیر نے بات ختم کرنیوالے انداز میں کہا اور نیپکن سے منہ صاف کرنے لگا۔

''کیا کرو گے تم اتنے زیادہ پیسوں کا جبکہ ابھی کچھ دنوں پہلے تم نے مجھ سے چھ ہزار روپے لئے تھے، کہاں ہیں وہ؟'' ماما نے سخت لہجے میں اس سے پوچھا جس کا اس پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا۔

''اوہ کم آن ماما وہ تو آٹھ دن پہلے کی بات ہے اور آٹھ دنوں میں بہت کچھ ہو جاتا ہے۔'' سمیر نے مسکرا کر کہا۔ ''پلیز جلدی دے دیجئے۔''

ماما چند لمحے اسے گھورتی رہیں مگر اسے پیسے دینے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ان کے پاس نہیں تھا سو مزید بحث کرنے کے بجائے خاموشی سے اس کے ہاتھ میں روپے تھما دیئے۔ جنہیں وصول کر کے وہ خوش ہو گیا۔

''اور ہاں ماما میں نے آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔'' اب کہ سمیر نے نسبتاً دھیمے لہجے میں ماما کی طرف دیکھ کر کہا۔ جبکہ وہ سوالیہ انداز میں اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

''ماما میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے لئے مجھے آپ کی ہیلپ کی ضرورت ہے۔'' اس کی بات سن کر جہاں وہ سن سی ہو گئی تھی وہیں ماما ہتھے سے اکھڑ گئی تھیں۔

''ہوش میں ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''جی ماما بالکل ہوش میں ہوں اور اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟'' وہ باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''اپنی عمر دیکھی ہے تم نے اور ابھی تمہاری اسٹڈیز بھی کمپلیٹ نہیں ہوئی اور چلے ہو شادی کرنے۔ میں آئندہ تمہارے منہ سے ایسی کوئی بات دوبارہ نہ سنوں سمیر ورنہ میں تم سے بہت برے طریقے سے پیش آؤں گی سمجھے تم۔'' ماما دھمکی آمیز انداز میں انتہائی کرخت لہجے میں بولیں مگر وہ اپنی جگہ سے انچ برابر بھی نہ سرکا۔

''کیا کر لیں گی آپ؟'' اس نے نہایت اطمینان سے ماما کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''مجھے گھر سے باہر نکال دیں گی، میری شکل دیکھنا گوارا نہیں کریں گی یا پھر اپنی جائیداد سے بے دخل کر دیں گی۔

www.pkdigest.com

آپ ایسا کچھ بھی نہیں کریں گی یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' وہ طنزیہ ہنستی ہنستا ہوا ڈائننگ روم سے باہر نکل رہا تھا پھر اچانک کسی خیال کے تحت پلٹا اور بڑے آرام سے بولا۔

''میں جس سے شادی کرنا چاہتا ہوں وہ آپ ہی کے کالج میں پڑھتی ہے اسی لیے آپ کی ہیلپ چاہ رہا ہوں اور اگر آپ کچھ نہیں کر سکتیں تو پھر میں خود ہی ہینڈل کر لوں گا۔'' اتنا کہہ کر وہ باہر نکل گیا اور ماما ایک بار پھر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

وہ تو جیسے اپنی جگہ پر جم سی گئی تھیں بے حس و حرکت بیٹھی ایک ہی نقطے پر نظریں مرکوز کیے سمیر کی باتوں اور اس کے انداز کو سوچنے لگی۔

ایسا کیا ہو گیا تھا جیسے وہ اتنا خود غرض بن گیا تھا کہ اسے اپنے علاوہ نہ تو کوئی دکھائی دیتا تھا اور نہ اسے کسی کی فکر تھی۔

''کیا ہو رہا ہے یہ سب؟'' وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

اس نے ایک نظر ماما کو دیکھا جو بدستور اسی انداز میں بیٹھی تھیں۔

''ماما'' اس نے آہستگی سے پکارا۔

اس کے پکارنے پر انہوں نے اس کی جانب دیکھا۔

''آپ پریشان مت ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے تسلی دینے والے انداز میں کہا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئیں۔

''میں سمیر سے بات کروں گی، اسے سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ بس آپ ٹینشن مت لیں پلیز۔'' اس سے ان کی ذرا سی پریشانی بھی برداشت نہیں ہوتی تھی اور اب تو وہ حقیقتاً بہت متفکر دکھائی دے رہی تھیں۔

''ماما ایک بات کہوں؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ جواباً انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں کہو۔''

''ماما آپ سمیر کے پرابلم کو پاپا سے ڈسکس کر کے دیکھیں اس طرح ہو سکتا ہے پاپا کوئی حل نکال لیں۔ ورنہ آپ اکیلی پریشان ہوتی رہیں گی۔'' پہلی بار اس کی بات پر ماما خاموش ہو گئی تھیں پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

''نہیں تمہارے پاپا اسے اس حرکت کے بعد گھر سے نکال باہر کریں گے اور سارا الزام مجھے دیں گے میری تربیت کو دیں گی۔ میں خود یہ پرابلم سولو کر لوں گی۔'' ماما اتنا کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ جوان کی خاموشی کو نیم رضامندی سمجھ رہی تھی ان کی بات سن کر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''پتہ نہیں کیوں ماما آپ خود اپنے ساتھ یہ ظلم کئے جا رہی ہیں؟'' اس نے ٹیبل پر رکھا اپنا فولڈر اٹھایا اور یونیورسٹی جانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے پاپا سے سمیر کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔'' ڈرائیونگ کے دوران وہ مسلسل سمیر کے بارے میں سوچ رہی تھی پھر پاپا سے بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس نے گاڑی کا رخ پاپا کے آفس کی طرف موڑ لیا۔

''ارے خیریت تو ہے بیٹا آج آپ ہمارے آفس میں کیسے آ گئیں؟'' پاپا حیرت اور خوشی سے ملے جلے تاثرات سمیت اس سے مخاطب ہوئے۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''بس یونہی پاپا اتنے دن ہو گئے تھے آپ سے بات ہی نہیں ہو پا رہی تھی تو میں نے سوچا آپ کے آفس ہی جانا چاہیے کیونکہ آپ رات کو بھی لیٹ ہی آتے ہیں آفس سے اور تب تک میں سو جاتی ہوں۔''
اس کے تفصیل سے بتانے پر پاپا زیر لب مسکرا دیئے۔
''ہوں بہت اچھا کیا اب کرو باتیں مجھ سے لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ جن کے علاج کے لئے تم نے مجھ سے پیسے لیئے تھے اب ان کی طبیعت کیسی ہے؟''
اچانک یاد آنے پر پاپا نے فوراً سوال کر ڈالا۔
''وہ بہت سیریس کنڈیشن میں ہیں پاپا ڈاکٹرز نے کہا ہے اب سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''
تنزیلہ آپی کے ذکر پر وہ بہت ملول سی ہو گئی تھی۔ وہ کافی دیر تک ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی پھر باتوں کے دوران اس نے سمیر کے ارادے کے بارے میں انہیں آگاہ کر دیا جسے سن کر وہ پہلے تو پریشان ہوئے مگر تھوڑی دیر بعد خاصے مطمئن سے انداز میں گویا ہوئے۔
''تم فکر مت کرو بیٹا میں خود بھی کئی دنوں سے سمیر سے علیحدگی میں بات کرنا چاہ رہا تھا اور اب تو اس سے بات کرنا زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔''
ان کا مثبت ردعمل دیکھ کر وہ پرسکون ہو گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب اس مسئلے کا حل ضرور نکل آئے گا۔
وہ جو صبح سے پریشان ہو رہی تھی پاپا سے بات کر کے ایک دم ہلکی پھلکی سی ہو گئی تھی۔ ان کے آفس سے نکل کر وہ یونیورسٹی کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔

----☆☆----

پورے گھر میں سوگ کی سی کیفیت طاری تھی۔ آئمہ کا اترا اترا چہرہ اور امی کے نہ تھمنے والے آنسوؤں نے گھر میں پھیلی اداسی کو مزید بڑھا دیا تھا۔ تنزیلہ آپی کی گرتی صحت اور زندگی کے کم ہوتے ہوئے دنوں نے سب کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔
وہ سب کو سنبھالتے سنبھالتے اپنے اندر کے ضبط کو مسلسل آزما رہا تھا۔ وہ ٹوٹنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اگر وہ ٹوٹ جاتا تو سب ہی زمین پر ڈھیر ہو جاتے اور وہ کسی کو بکھرتا ہوا کہاں دیکھ سکتا تھا سو خود کو پہلے سے زیادہ مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کرتا لیکن اسی کوشش میں وہ مزید کمزور ہوتا جا رہا تھا۔
امی اور آئمہ تنزیلہ آپی سے ملنے کو بہت بے تاب تھیں مگر بابا جان کے سختی سے منع کرنے پر وہ اندر ہی گھل رہی تھی۔
ایک بار مجھے اپنی بیٹی سے مل لینے دیں حسن صرف ایک بار۔'' امی بہتے آنسوؤں کے ساتھ کپکپاتے ہاتھوں کو آپس میں جوڑے ان سے التجاء کر رہی تھیں مگر بابا جان سخت پتھر کی مانند کھڑے ان کی بے بس ممتا کو تڑپتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ جبکہ دروازے میں کھڑی آئمہ آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اندر ہی اندر بلک رہی تھی۔
''ہرگز نہیں اگر کسی نے میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نکالا تو اس کا حشر بہت برا ہو گا۔'' بابا جان نے باری باری امی اور آئمہ کو دیکھ کر کرخت لہجے میں مزید کہا۔ ''گنہگار ہے وہ اور تم لوگ اس کی شکل دیکھنا چاہ رہے ہو۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا جس نے اپنے باپ کا سر جھکایا ہے۔ اور تم فاطمہ بیگم اگر تم نے اس گھر سے باہر قدم نکالا تو تمہیں طلاق دے دوں گا سمجھیں تم۔''
بابا جان سخت نظروں سے امی کو دھمکی دے کر کمرے سے باہر نکل گئے اور امی کا سانس حلق میں ہی اٹک کر رہ گیا۔

بابا جان کے جاتے ہی آئمہ تیزی سے امی کی طرف دوڑ پڑی اور ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
وہ جو تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو رہا تھا دونوں کو یوں زار و قطار روتا دیکھ کر پریشان سا آگے بڑھ گیا۔
''کیا ہو گیا ہے، آپ لوگ رو کیوں رہی ہیں؟'' اس نے تشویش کے عالم میں استفسار کیا تو آئمہ نے من و عن سب اس سے کہہ ڈالا۔
''اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے بابا جان کی تو عادت ہے یہ سب کہنے کی۔ چلیں امی جلدی سے تیار ہو جائیں اور آئمہ جاؤ تم بھی تیار ہو جاؤ۔''
اس کے کہنے پر آئمہ فوراً باہر نکل گئی۔
وہ امی کی طرف متوجہ ہوا جو بمشکل اپنے آنسو ضبط کیے ہوئے تھیں۔
''اٹھیں امی۔'' وہ نرمی سے مخاطب ہوا۔
''نہیں میں، میں نہیں جا سکتی۔'' امی نے پست آواز میں کہا تو وہ حیرت سے انہیں تکنے لگا جواب سے پہلے تنزیلہ آپی کو دیکھنے کیلئے تڑپ رہی تھیں۔
''امی آپ بابا جان کے منع کرنے پر رک رہی ہیں وہ جو خود ایک بار بھی آپی کو دیکھنے نہیں گئے ان کے کہنے پر آپ.....''
''بس میں نہیں جا سکتی بیٹا، مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' امی نے آنسوؤں کے درمیان اس سے التجائیہ انداز میں کہا تو وہ تڑپ ہی گیا۔
''نہیں امی کیسے اکیلا چھوڑ دوں آپ کو، نہیں چھوڑ سکتا میں۔ تنزیلہ آپی آپ کی بیٹی ہیں۔ بہت تھوڑا سا وقت ہے ان کے پاس پھر کبھی نہیں دیکھ سکیں گی آپ انہیں کبھی چھو نہیں سکیں گی آپ۔ وہ ترس رہی ہیں آپ کو دیکھنے کیلئے۔ پھر کیسے آپ کوئی امید رکھ سکتی ہیں کہ آج نہیں تو پھر کبھی ان سے مل لیں گی۔ آپ کبھی نہیں مل سکیں گی امی کبھی نہیں۔'' بولتے بولتے اس کا گلا بندھ گیا تھا اور آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی وہ مزید کچھ نہ بول سکا اور خود پر ضبط رکھتا ہوا سر جھکا گیا۔ جبکہ امی اب باآواز بلند رو رہی تھیں۔
''اٹھیے میں آپ کو ان سے ملوانے کیلئے لے جانا چاہتا ہوں۔'' تھوڑی دیر بعد اس نے نرمی سے امی کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ان کا حوصلہ بڑھانا چاہا مگر وہ شش و پنج کی سی کیفیت میں تھیں۔
''پلیز امی یہ موقع دوبارہ نہیں آئے گا۔ ساری زندگی آپ کو پچھتاوا ہو گا آپی کی۔ زندہ آنکھوں کو نہ دیکھنے کا، اٹھیے۔''
''تمہارے بابا مجھے طلاق دے دیں گے رائد میں اس عمر میں کہاں جاؤں گی؟'' وہ دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرتے ہوئے بے بسی سے بولیں تو وہ ان کے اس خوف پر تاسف سے سر ہلانے لگا۔
''میں آپ کا بیٹا ہوں امی اگر بابا جان نے ایسا کوئی قدم اٹھایا تو میں آپ کو دو وقت کی روٹی ضرور کھلا سکتا ہوں۔ صرف نام ہی تو ہے بابا جان کا آپ کے نام کے ساتھ۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا نام یا ربط آپ کے اور ان کے درمیان نہ تھا اور نہ ہے پھر کیوں ڈرتی ہیں آپ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ ایسا کچھ نہیں کریں گے کیونکہ انہیں اس پوری دنیا میں اپنے کمائے نام کے علاوہ کچھ عزیز نہیں ہے۔ انہوں نے اگر ایسا کر دیا تو وہ اپنے حلقے میں اپنی ساکھ کو گرتا ہوا محسوس کریں گے۔ لوگ ان کو اس فعل پر نادم کرنے کی کوشش کریں گے اور ابا جان..... وہ کبھی دوسرے کے منہ سے اپنے لیے نکلا ایک غلط لفظ بھی برداشت نہیں کر

www.pkdigest.com

بابا جان کے جاتے ہی آئمہ تیزی سے امی کی طرف دوڑ پڑی اور ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

وہ جو تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو رہا تھا دونوں کو یوں زار و قطار روتا دیکھ کر پریشان سا آگے بڑھ گیا۔

''کیا ہو گیا ہے، آپ لوگ رو کیوں رہی ہیں؟'' اس نے تشویش کے عالم میں استفسار کیا تو آئمہ نے من و عن سب اس سے کہہ ڈالا۔

''اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے بابا جان کی تو عادت ہے یہ سب کہنے کی۔ چلیں امی جلدی سے تیار ہو جائیں اور آئمہ جاؤ تم بھی تیار ہو جاؤ۔''

اس کے کہنے پر آئمہ فوراً باہر نکل گئی۔

وہ امی کی طرف متوجہ ہوا جو بمشکل اپنے آنسو ضبط کیے ہوئے تھیں۔

''اٹھیں امی۔'' وہ نرمی سے مخاطب ہوا۔

''نہیں میں، میں نہیں جا سکتی۔'' امی نے پست آواز میں کہا تو وہ حیرت سے انہیں تکنے لگا جواب سے پہلے تنزیلہ آپی کو دیکھنے کیلئے تڑپ رہی تھیں۔

''امی آپ بابا جان کے منع کرنے پر رک رہی ہیں وہ جو خود ایک بار بھی آپی کو دیکھنے نہیں گئے ان کے کہنے پر آپ.....''

''بس میں نہیں جا سکتی بیٹا، مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' امی نے آنسوؤں کے درمیان اس سے التجائیہ انداز میں کہا تو وہ تڑپ ہی گیا۔

''نہیں امی کیسے اکیلا چھوڑ دوں آپ کو، نہیں چھوڑ سکتا میں۔ تنزیلہ آپی آپ کی بیٹی ہیں۔ بہت تھوڑا سا وقت ہے ان کے پاس پھر کبھی نہیں دیکھ سکیں گی آپ انہیں کبھی چھو نہیں سکیں گی آپ۔ وہ ترس رہی ہیں آپ کو دیکھنے کیلئے۔ پھر کیسے آپ کوئی امید رکھ سکتی ہیں کہ آج نہیں تو پھر کبھی ان سے مل لیں گی۔ آپ کبھی نہیں مل سکیں گی امی کبھی نہیں۔'' بولتے بولتے اس کا گلا بندھ گیا تھا اور آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی وہ مزید کچھ نہ بول سکا اور خود پر ضبط رکھتا ہوا سر جھکا گیا۔ جبکہ امی اب باآواز بلند رو رہی تھیں۔

''اٹھیے میں آپ کو ان سے ملوانے کیلئے لے جانا چاہتا ہوں۔'' تھوڑی دیر بعد اس نے نرمی سے امی کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ان کا حوصلہ بڑھانا چاہا مگر وہ شش و پنج کی سی کیفیت میں تھیں۔

''پلیز امی یہ موقع دوبارہ نہیں آئے گا۔ ساری زندگی آپ کو پچھتاوا ہوگا آپی کی۔ زندہ آنکھوں کو نہ دیکھنے کا، اٹھیے۔''

''تمہارے بابا مجھے طلاق دے دیں گے رائد میں اس عمر میں کہاں جاؤں گی؟'' وہ دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرتے ہوئے بے بسی سے بولیں تو وہ ان کے اس خوف پر تاسف سے سر ہلانے لگا۔

''میں آپ کا بیٹا ہوں امی اگر بابا جان نے ایسا کوئی قدم اٹھایا تو میں آپ کو دو وقت کی روٹی ضرور کھلا سکتا ہوں۔ صرف نام ہی تو ہے بابا جان کا آپ کے نام کے ساتھ۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا نام یا ربط آپ کے اور ان کے درمیان نہ تھا اور نہ ہے پھر کیوں ڈرتی ہیں آپ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ ایسا کچھ نہیں کریں گے کیونکہ انہیں اس پوری دنیا میں اپنے کمائے نام کے علاوہ کچھ عزیز نہیں ہے۔ انہوں نے اگر ایسا کر دیا تو وہ اپنے حلقے میں اپنی ساکھ کو گرتا ہوا محسوس کریں گے۔ لوگ ان کو اس فعل پر نادم کرنے کی کوشش کریں گے اور ابا جان..... وہ کبھی دوسرے کے منہ سے اپنے لیے نکلا ایک غلط لفظ بھی برداشت نہیں کر

سکتے اس لیے آپ فکر مت کریں جیسا بابا جان نے کہا ہے وہ بالکل نہیں کریں گے۔ آپ کو مجھ پر بھروسہ ہونا چاہیے امی۔'' اس کی ساری باتیں سن کر وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئیں پھر اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہونے لگیں۔

انہیں جانے کے لیے راضی دیکھ کر وہ شکر کا سانس بھرنے لگا۔ ورنہ آج بھی تنزیلہ آپی سے امی اور آئمہ کے نہ آنے کا کیا بہانا بناتا جبکہ اب ان کی حالت پہلے زیادہ خراب ہوتی جا رہی تھی اور جوں جوں ان کی طبیعت بگڑتی وہ امی سے ملنے کیلئے بے چین ہو جاتی تھیں اور ان کو یہ بے چینی اس سے ہرگز دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ دوسری طرف جب امی کو تنزیلہ آپی کی بیماری کے بارے میں پتہ چلا تھا ان کی سنبھلتی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ وہ دونوں طرف سے الجھ کر رہ گیا تھا مگر اب شکر تھا کہ امی اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئی تھیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ انہیں لیے ہاسپٹل جا پہنچا۔

تنزیلہ آپی اور امی کو ایک دوسرے سے گلے مل کر روتے دیکھ کر وہ فوراً کمرے سے باہر نکل گیا اور ہاسپٹل کے لان میں رکھے سنگی بینچ پر جا بیٹھا۔

ایک ہی نقطے پر نظریں جمائے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ نجانے زندگی اس قدر مشکل گزار کیوں ہو رہی ہے؟ ہر وقت دل ڈرا ڈرا سا رہنے لگا ہے۔ پہلے بابا جان کے رویے کی طرف سے اور اب..... ہر وقت تنزیلہ آپی کی جانب سے کسی بڑی خبر کیلئے پریشان،

وہ ایک گہرا سانس بھر کر بینچ کی پشت پر سر گرائے کھلے آسمان کو تکنے لگا جو اس اپنی طرح خاموش اور ملول دکھائی دیا تھا۔ شاید ذہنوں پر چھایا غبار ہر شے کی خوبصورتی کو دھندلا دیتا ہے۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ ٹھہری۔ اس کے ساتھ بھی تو یہی سب کچھ ہوتا تھا جہاں چلا جاتا تھا اپنے گھر اور اپنے دل کی اداس اور اضطراری کیفیت کے آئینے میں اس جگہ کی خوبصورتی کو چاہتا تھا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ امی اور آئمہ کو لیے گھر واپس چلا آیا۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے۔ وہ شدید تھکان کے باوجود سو نہیں پا رہا تھا کیونکہ ابھی اس نے بابا جان کے کرخت لہجے اور سخت الفاظ کا سامنا کرنا تھا۔ اس نے دکھتے سر کو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے دبا کر خود کو پرسکون کرنا چاہا مگر ندارد۔

وہ اپنے ہر احساس کو وہم سمجھ کر سر جھٹک کر دور کرنے کی کوشش کرتا ہوا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دور تک پھیلا کشادہ صحن جس کا فرش سرخ مضبوط اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ جبکہ صحن کے تین اطراف میں بڑے بڑے برآمدے تھے جن میں متعدد چھوٹے چھوٹے کمروں میں بچوں کی بے شمار تعداد موجود تھی۔

''دیکھ رہے ہو یہ سب؟''

باقی اگلے ماہ

www.pkdigest.com

"سر!"

"آگے لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے روڈ بلاک ہے۔"

"اوہ نو۔" اس کے منہ سے ایکدم نکلا۔

"کلیرنس کا کوئی چانس ہے یار محمد؟" اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"نو سر، صبح تک نہیں، پارٹی مدد کے لئے اسکردو گئی ہوئی ہے اور کل سے پہلے روڈ کلیئر نہیں ہوگا۔"

"مائی گاڈ۔ اب کیا ہوگا!" اس نے انتہائی فکرمندی اور پریشانی سے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔

"اینی اور وے (کوئی دوسرا راستا نہیں)!"

"سر جیپ کا تو صرف یہی ایک راستا ہے، ہاں پیدل جایا جاسکتا ہے۔"

"اوہ شٹ۔" اس نے غصے سے اس کی تجویز کو رد کردیا۔ اب نئی نویلی دلہن اتنا بھاری بھرکم لباس اور ہائی ہیل سینڈل سمیت، پہاڑی راستے پر پیدل چلے گی۔

"سر پھر صبح تک صبر کیا جاسکتا ہے۔"

یار محمد اس کا اردلی بھی تھا اور ڈرائیور بھی، اسی لئے کچھ بے تکلفی سے کہہ گیا، اور وہ جواب میں ایک قہر آلود نگاہ ڈال کر نیچے اتر گیا۔ "اس مصیبت میں کم بخت کو مذاق سوجھ رہا ہے۔ رات یہاں جیپ میں بیٹھ کر گزارنا ناممکن۔"

اس نے خود آگے جاکر سڑک کا جائزہ لیا، بہت بڑا گلیشئر ٹوٹ کر سڑک پر آگیا تھا، اور تمام راستا بند ہوگیا تھا۔ اس علاقے میں ان سڑکوں پر تو یہ سب اکثر

ناولٹ

دیکھنے ممکن تھا زمیر اچھی طرح واقف تھا، مگر اس وقت اس کی جو پوزیشن تھی، اس کے پیش نظر دل چاہا کہ پورا زور لگا کر اس وزنی برفیلے پتھر کو نیچے ہزاروں فٹ گہرائی میں گرا کر راستا صاف کردے، مگر یہ ناممکن تھا۔

اس نے ایک طویل بے بس آہ بھری اور پلٹ کر بے بسی سے جیپ میں آبیٹھا۔

"سر پریشان نہ ہوں، اللہ بہتر کرے گا، میں پہاڑی پر سے چڑھ کر دیکھتا ہوں شاید کہیں کوئی ٹورسٹ پارٹی کا کیمپ لگا ہو، آج رات تو ہمیں بہرحال ادھر ہی گزارنی ہے۔"

یار محمد اپنے صاحب میجر زمیر خان کو حوصلہ دے رہا تھا، سمجھا رہا تھا، اور واقعی اسے بھی اس وقت ایسے ہی الفاظ سننے کی خواہش تھی، وہ فوجی بندہ ان تمام آزمائشوں سے گزرا ہوا تھا، ہزاروں دفعہ ایسی برفانی موسم میں کھلے آسمان تلے راتیں گزاری تھیں، یہ راستے، یہ موسم، ایسی انہونیاں تو زندگی کا حصہ تھیں۔

www.pkdigest.com

مگر جو چادر میں لپٹی سر جھکائے نہ جانے کتنی خوف زدہ سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کا کیا کرتا' اس کے لئے تو موسم ہی جان لیوا تھا' جیپ مکمل بند تھی' ہیٹر آن تھا اور بھاری بھرکم کوٹ اور شال لپیٹنے کے باوجود وہ کپکپا رہی تھی' زمیر کو اس آکورڈ صورتحال کے باوجود ہنسی آگئی۔

"ہاہ۔ کیا زندگی ہے یار فوجی کی بھی' کل شادی تھی' آج واپسی! ۔ پرسوں ڈیوٹی۔" اس نے خود پر ترس بھری نگاہ ڈالی۔

"مگر زمیر خان اس میں تمہارا زیادہ قصور ہے۔ تم کو کس نیم حکیم خطرہ جان نے شورہ دیا تھا کہ تم نئی نویلی دلہن کا گھونگھٹ بھی نہ اٹھاؤ' اور اسے لے کر بذریعہ جیپ اسکردو چل پڑو' بے صبرے بندوں کا یہی انجام ہوتا ہے' اب بھگت بچو' یہاں سہاگ رات منا دنیا کی انوکھی ترین سہاگ رات!" وہ خود بخود ہنس دیا۔

غلطی اسی کی تھی' سب نے منع کیا تھا کہ جب اسلام آباد سے بائی ایئر گلگت جا رہے ہو' تو سیدھے اسکردو ہی چلے جاؤ۔ مگر اسکردو آج کوئی بھی فلائیٹ نہیں جا رہی تھی۔ سو وہ گلگت ہی چلا آیا' یہاں پر یونٹ کی جیپ اور ڈرائیور موجود تھا۔ موسم اچھا تھا' راستے کے بارے میں بھی تمام اطلاعات مثبت تھیں' مگر برا ہو' لینڈ سلائیڈنگ نے سارے ایڈونچر کا بیڑہ غرق کر دیا تھا۔

"میرا خیال ہے اب پیچھے کی بھی خبر لے لو زمیر میاں۔"

وہ دروازہ کھول کر پیچھے کی طرف اس کی سمت کھلنے والے دروازے پر آگیا' اور جب وہ اس کے قریب بیٹھا تو ادینہ خود بخود سمٹ گئی' وہ سب کچھ سن رہی تھی' اور رات بھر جیپ میں بیٹھنے کے خیال نے ہی اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ ابھی تو دوپہر ہی تھی' اتنا وقت! جبکہ تھکن سے اس کا برا حال تھا۔

"آں۔۔۔ وہ! ادینہ راستا بلاک ہو گیا ہے' سلائیڈنگ کی وجہ سے' ہمیں کل تک ادھر ہی رہنا ہوگا' آپ پریشان نہ ہوں' یار محمد کیمپنگ ڈھونڈنے گیا ہے رہنے کا بندوبست ہو جائے گا۔ آپ ایزی ہو جائیں' بھوک لگی ہے!"

عجیب بے تکے انداز میں وہ پوچھ رہا تھا' رک رک کر' شرمندہ سا' اسے ہنسی آگئی' بھوک تو محسوس ہو رہی تھی' اگرچہ گلگت میں اس نے ناشتا کیا تھا' مگر باوجود زمیر کے دوست کرنل ظفر کی مسز کے اصرار کے بہت تھوڑا لیا تھا' انہوں نے تو اچھا خاصا کھانے پینے کا سامان ہمراہ بھی کر دیا تھا' اور یہ ہی غیبی امداد تھی' ورنہ اس پہاڑی ویرانے میں کھانا مشکل تھا' تو کھانے کا سامان کہاں سے آتا۔

وہ خاموش تھی' سر جھکائے ہوئے' زمیر نے بغور اس کے سفید' دودھیا خوبصورت سنہری ہاتھوں کو دیکھا چادر میں چہرے کو چھپائے وہ سمٹی بیٹھی تھی لہٰذا اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھ پایا تھا ٹھیک طرح سے اس نے نقاب سے سارا راستا چہرہ چھپائے رکھا تھا' اور وہ خود بھی اسے یوں دیکھ کر بے مزہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس چاند مکھڑے کی تعریفیں بہت سنی تھیں' اور وہ اسے بہت اطمینان سے دیکھنا چاہتا تھا۔

"چادر اتار دیں' یہ گرم مفلر لے لیں۔" اس نے آہستہ سے اس کے گرد لپٹی بھاری بھرکم چادر کو سرکایا' مگر وہ اتنی مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی کہ سرک ہی نہ سکی' اس نے معنی خیزی سے آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھا' پھر کچھ سوچ کر اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

آگے اس کا بریف کیس رکھا تھا' اسے کھول کر مخملیں ڈبیہ نکال کر جیکٹ کی جیب میں ڈالی اور پلٹ کر دوسری طرف سے گھوم کر اس کی سمت والے دروازے پر آگیا۔

وہ اس کا مضبوط' خوبصورت بڑھا ہوا ہاتھ دیکھ رہی تھی' دروازہ کھولے وہ اس کے اترنے کا منتظر یونہی ہاتھ بڑھائے جھکا ہوا تھا' اسے بہت عجیب سا محسوس ہوا' ٹوٹ کر آنے والی حیا سے بمشکل خود کو سنبھالتی اس نے دھیرے سے بھاری عروسی جوڑے کو سمیٹا اور اپنا حنائی ہاتھ اس کے پھیلے ہاتھ میں دے دیا۔

ایک تیز احساس اعصاب میں کرنٹ کی طرح لمس بن کر پھیل گیا' دل یوں دھڑکا' جیسے ابھی اچھل کر باہر آجائے گا' بے حد مضبوطی سے وہ اسے سنبھال کر کھڑا تھا' بیٹھے بیٹھے ٹانگیں اکڑ گئی تھیں' اور اب کپکپا بھی رہی تھیں۔

اس نے دوسرے ہاتھ سے مضبوطی سے جیپ کو تھام رکھا تھا۔ چادر بدستور چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھی۔

"آپ بہت تھک گئی ہوں گی' ادھر چلتے ہیں۔"

اس نے کچھ ہی دور ایک بہت بڑے چکنے مستطیل پتھر کی طرف اشارہ کیا ادینہ نے ہولے ہولے قدم اٹھائے' پتھروں پر ہیل جمانا بھی مشکل ہو رہا تھا' اس نے تقریباً" سارا بوجھ اس پر ڈالا ہوا تھا' اس وقت یہ سنہری خوبصورت سینڈل بہت بری لگ رہی تھی' بمشکل وہ چند قدم دور پڑے پتھر تک پہنچ سکی تھی۔

"ادینہ زندگی اتفاقات اور حادثات کا دوسرا نام ہے۔ آنے والے لمحوں کی خبر سوائے اس ذات باری تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتی' مجھے شدت سے احساس ہے کہ آپ اس وقت کیا سوچ رہی ہوں گی' لیکن انسان جو سوچتا ہے ہمیشہ وہی نہیں ہوتا۔ اب جیسے یہ سب صورتحال' ہم یہاں یوں بیٹھے ہیں' کتنا حیرت انگیز ہے' یہ ایڈونچر بھی۔۔۔ ہے نا!"

اس نے آہستہ سے اس کا اپنے ہاتھوں میں دبا اس کا ہاتھ دبایا' اس دفعہ مزاحمت بہت پست تھی' اور وہ تو گم سم آنکھوں میں بے انتہا وارفتگی اور ستائش لئے اسے ایک ٹک دیکھتا چلا گیا۔

اس خوبصورت جگہ کی دلکشی بڑھ گئی تھی' پہاڑوں پر پڑی سفید برف اس کی رنگت سے ہم آہنگ ہو کر دمکنے لگی تھی' کچھ لمحوں کے لئے سردی' موسم اور ویرانہ سب نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں خوبصورت رنگ پہنا کر وہ بمشکل خود کو کنٹرول کر سکا تھا' اب اپنی جلد بازی اور اس پچویشن پر سخت تاؤ آرہا تھا۔

"سر۔۔۔ سر! مبارک ہو سر جی' ادھر پہاڑی کی ڈھلوان کے ساتھ ایک صاف اور چوکور قطعہ پر بہت بڑا کیمپ انگریزوں کا لگا ہوا ہے' پاکستانی کوہ پیما بھی ہیں' ہمارا مسئلہ حل ہو گیا سر جی۔

یار محمد بہت پرجوش تھا' دور سے ہی چلاتا آرہا تھا' اور پھر اپنی بات مکمل کر کے اس نے ادینہ کو دیکھا' کچھ حیرانی اور کچھ شرمندگی سے گھبرا کر جھٹ سلام کر دیا۔

ادینہ نے ہولے سے مسکرا کر سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"یار محمد جیپ سے تو کھانے کا سامان' کوٹ اور سلیپنگ بیگ وغیرہ سب کچھ نکال لو' اور جیپ لاک کر دو۔"

"جی سر۔" وہ آگے بڑھ گیا' تو وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

وہ بہت اشتیاق اور والہانہ جوش سے بلند و بالا پہاڑیوں کو دیکھ رہی تھی' برفیلی چوٹیوں پر سورج کی شعاعیں بھی برف کے ذرات کی طرح ہی محسوس ہو رہی تھیں' یہ علاقہ بہت خوبصورت اور مسحور کن حسن سے مالا مال تھا' اور۔۔۔ وہ تو ہمیشہ سے ہی ایسے خوبصورت مناظر' پہاڑوں' برف اور جھیلوں چشموں کی دیوانی رہی تھی۔

اس وقت بھی اردگرد سے بے نیاز' اس کی موجودگی سے بھی بے خبر منہ اٹھائے پہاڑوں کے پھیلے ہوئے سلسلے کو دیکھ رہی تھی اس کا جی نہ چاہا کہ اس کی محویت میں مداخلت کرے' مگر یار محمد سامان اٹھا لایا تھا۔ اور اسے ساتھ جانا تھا۔

"اہم۔۔۔ اہم' بیگم صاحبہ ان خوبصورت نظاروں میں یہ خادم بھی موجود ہے۔"

اس کی شریر سی آواز سن کر وہ ایک دم چونک کر اس کی طرف پلٹی اور بے ساختہ نظر چرا گئی' اپنی محویت اور خود فراموشی پر بہت ندامت محسوس ہوئی' ایسے مناظر تو اس کی کمزوری تھے' مگر اب وہ شخص بھی ساتھ تھا'

اچھی باتیں

☆ عبادت جو مخلوق کے لیے کی جاتی ہے' زمین میں دھنسا دیتی ہے اور عبادت جو خالق کے لیے کی جاتی آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔

www.pkdigest.com

اسے ایسے خود فراموشی کی کیفیت میں ڈوبنا نہیں چاہیے۔"

"سی! آ۔۔۔"

وہ اپنے خیالات میں مگن تھی' ہاتھ بدستور زمیر نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا مگر برا ہو اتنی پتھریلی اونچی نیچی جگہ اور ہیل والی سینڈل کا یہ تو ہونا ناممکن نہ تھا پاؤں اتنی شدت سے مڑا تھا کہ وہ زور سے سی کر کے وہیں نیچے بیٹھ گئی' درد اور اذیت سے آنسو آنکھوں میں اتنی تیزی سے امڈے کہ نظر دھندلا سی گئی' اور زمیر جسے اسی بات کا خدشہ تھا' بے قراری سے اس پر جھکا' اس کا پاؤں سینڈل کی قید سے آزاد کر کے مل رہا تھا' پاؤں کی موچ تیزی سے درد کی اذیت بن کر پورے جسم میں پھیل کر اسے بے حال کئے دے رہی تھی' اس کے ملنے سے اور تکلیف ہو رہی تھی' اس نے زمیر کے ہاتھ جکڑ لئے۔

"نہیں' پلیز نہیں' ہاتھ نہیں لگائیں بہت درد ہو رہا ہے۔" بھیگا بھیگا لہجہ' گالوں پر لڑھکتے آنسو' زمیر اس وقت خود پر ضبط نہ کر سکا' دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا اور اوینہ کو یوں لگا جیسے ساری اذیت دکھ' تکلیف' دھواں بن کر اڑ گئی ہو۔

بمشکل وہ خود کو سمیٹ کر حواس میں آئی تھی' نظریں جھکائے' لب کاٹتی' وہ اس سے نظر چرا رہی تھی' اور زمیر مدہوشی کی سی کیفیت میں مسکرا اٹھا۔

"ایک حل ہو سکتا ہے اس پرابلم کا!" اس نے معنی خیزی سے مسکراہٹ چھپا کر بظاہر سنجیدہ لہجے میں کہا اوینہ کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔

"تمہیں میں اٹھا لوں اور کیمپنگ سائٹ تک لے چلوں! ٹھیک ہے نا۔۔۔"

"جی نہیں۔" اس نے تیزی سے سر ہلا کر کہا' اور زمیر کا قہقہہ اتنا بلند تھا کہ پہاڑوں میں کئی لمحوں تک بازگشت کی طرح آواز گونجتی رہی' اور اوینہ سر جھکائے کھسیاتی رہی تھی۔

"صاحب کیا ہوا خیریت بیگم صاحب کا۔۔۔"

یار محمد انہیں یوں بیٹھے دیکھ کر تیزی سے ان کی طرف بڑھا' وہ سامان کا ایک حصہ چھوڑ بھی آیا تھا۔

"یار تمہارا اندازہ کبھی غلط ہوا ہے جواب ہو گا۔" زمیر نے اس کے اندازہ کی تعریف کی۔

"تو پھر سر جی اب کیا ہو گا! یہ تو بڑا مسئلہ ہو گیا ہے" وہ واقعی پریشان ہو گیا تھا۔

"مسئلہ تو ہو گیا' اب آگے کی سوچو' تم یوں کرو' جیپ سے میرے شوز نکال لاؤ۔"

اس نے اپنے بھاری بھرکم بوٹ اتارنا شروع کر دیئے' اور حیرت زدہ اوینہ کی طرف فل بوٹ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"لیں بیگم صاحبہ' آپ یہ پہن لیں۔"

"یہ۔۔۔ یہ مگر۔۔۔!" وہ مارے حیرت کے انگلی سے یوں ان کی طرف اشارہ کر کے بولی' جیسے کوئی بہت خوفناک چیز ہوں۔

"جی یہ۔۔۔ اور یہ ہی مجبوری ہے' ننگے پاؤں چلنے کا اس پتھریلے راستے پر رسک نہیں لیا جا سکتا' اور ہائی ہیل کی یہ گولڈن سینڈل انتہائی تاریخی نوادرات میں شامل ہو چکی ہے' اب رہ گئے یہ میرے بوٹ' تو انہیں ہی پہن لیں' ویسے میں اس بدذوقی پر معذرت خواہ ہوں۔"

اس نے بمشکل اپنی ہنسی روکی' عروسی لباس کے نیچے بلیک فوجی بوٹ اوینہ نے پریشانی سے ان کا وزن تولا' اور بمشکل وہ بوٹ پہن لئے' جو سائز میں بھی خاصے بڑے تھے' اور جونہی وہ زمیر کے سہارے کھڑی ہوئی اپنے مضحکہ خیز حلیے پر نظر پڑتے ہی ہنسی چھوٹ گئی۔ زمیر بھی زور سے قہقہہ لگا کر اس کا ساتھ دینے لگا۔

"زبردست ایسی انوکھی دولہن' ایسا لباس عروسی اور یہ جوتے!"

"میں۔۔۔ میں اس حلیے میں نہیں جاؤں گی۔" اس کے کہنے پر وہ ایکدم رک گئی۔

"ارے یار' میں تو مذاق کر رہا تھا' آؤ تم میرا ہاتھ تھام لو' اور بہت آہستہ آہستہ' سنبھل سنبھل کر ڈھلوان اترو' کیمپنگ میں یقیناً" کوئی نہ کوئی ڈاکٹر ہو گا' بس وہاں تک جانے کا مسئلہ ہے۔"

وہ بہت آہستگی سے قدم اٹھا رہی تھی' بمشکل اذیت

برداشت کرتے ہوئے خود پر ضبط کے کڑے پہرے لگا کر' ورنہ اور کوئی جگہ ہوتی اور گھر والوں کا ساتھ ہوتا' تو چیخ چیخ کر آدھی دنیا کو بتا دیتی۔

وہ اتنی لاڈلی اور نازک تھی' بابا ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتے' اماں جانی رات کی نیند حرام کر لیتی تھیں' دونوں بھائیوں کی جان پر بن آتی تھی' اور اب اتنی تکلیف' اتنی اذیت کے باوجود وہ چل رہی تھی' وہ شخص اس کا سب کچھ تھا' اس کی حیات کا مالک' اس کا ہم راز' ہمدم' مگر فاصلوں میں قربت ابھی اتنی نہیں بڑھی تھی کہ وہ روایتی جھجک اور شرم سے خود کو آزاد کر سکتی۔

باوجود تکلیف کے اسے اپنے حلیے کو دیکھ کر اور صورتحال کا احساس کر کے خوب ہنسی آ رہی تھی لیکن بمشکل خود پر ضبط کئے ہوئے تھی۔

"ایک منٹ اوینہ' میں ابھی آیا' پلیز ذرا دیر ٹھہرو۔۔۔" وہ ایک دم اسے چھوڑ کر جیپ کی طرف دوڑ پڑا' اور وہ حیران و پریشان اسے مڑ کر دیکھنے لگی۔

"بھئی اس قدر تاریخی واقعے اور اتنا شاندار حلیہ' ریکارڈ نہ رکھنا زیادتی ہو گی' ذرا اسمائل دو۔"

وہ کیمرہ آن کئے اس سے کہہ رہا تھا' اسے بہت عجیب سا فیل ہوا' اپنی کیفیت پر اس کا مذاق اس کی پلکیں بھگو گیا' وہ تصویر کھینچ کر کیمرہ گلے میں لٹکا کر قریب آیا تو وہ حد درجہ سنجیدگی سے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔

"اوینہ!۔۔۔ کیا ہوا!" اس نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

"ارے۔۔۔ ارے یہ کیا اوینہ' ادھر دیکھو میری طرف' یار کیا ہوا!" وہ اس کے آنسوؤں سے بری طرح گھبرا کر پوچھنے لگا۔

"کچھ نہیں!" وہ جلدی سے اس کی وحشت سے گھبرا کر خود کو سنبھالنے لگی۔

"نہیں تم پہلے بتاؤ کیا میری بات بری لگی تمہیں!" وہ اسے روکے کھڑا تھا' اس نے ایک نظر اس کی خود پر مرکوز اور کھوجتی نگاہوں میں دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

"سوری اوینہ' میرا مطلب تمہارا دل دکھانا نہیں

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب	1[illegible]5/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	130/-
نگری نگری پھرا مسافر	[illegible]5/-
خط انشا جی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	[illegible]
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	[illegible]60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

www.pkdigest.com

تھا' میں تو صرف اس صورتحال میں تم کو ریلیکس کرنے کے لئے مذاق کر رہا تھا' سوری!"

اس کی سنجیدگی اور ناراضگی کے خوف سے اوینہ کا دل بری طرح سکڑ کر پھیلا۔

"یہ درست نہیں' نئی زندگی کی طرف بڑھتے قدم ان رنجشوں سے لڑکھڑا جاتے ہیں۔" چند گھنٹوں کا یہ سفر اور بدمزگی بھی ہو گئی تھی۔

زمیر نے رک کر اسے بدستور وہیں کھڑے دیکھا تو اس کے ہاتھ کو دبا کر پیار سے مسکرا کر آگے بڑھنے کو قدم اٹھایا' اور دوسرے ہی پل وہ حیرانی سے ششدر رہ گیا۔

اوینہ بری طرح اس کے کندھے سے لگی رو رہی تھی' اس کے یوں رونے سے وہ اور پریشان ہو گیا۔

"اوینہ! پلیز... پلیز مجھے بتاؤ' مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" اسے حقیقتاً" بہت الجھن اور پریشانی ہو رہی تھی۔

"سوری زمیر' مجھے کچھ نہیں ہوا' میں نے برا نہیں مانا' آپ پلیز میری طرف سے بدگمان نہ ہوں۔ زمیر میں!"

وہ اس کا کندھا مضبوطی سے جکڑے روتے ہوئے کہہ رہی تھی' زمیر کو خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا' بے اختیار اسے بانہوں کے گھیرے میں لے لیا' ٹوٹ کر پیار آیا تھا اس کی سادگی اور حساسیت پر۔

"ریلیکس میری جان' میں بالکل ناراض نہیں پلیز اب آنسو پونچھ لو' ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا' اور تم...!"

اس کی معنی خیز' والہانہ نگاہ میں جو جذبہ موجزن تھا' وہ بے اختیار خود میں سمٹ گئی' تیزی سے چلنے لگی' اور پھر جب وہ بمشکل رک رک کر' سنبھل سنبھل کر زمیر کے سہارے ڈھلوان کے ساتھ ساتھ نیچے اتر کر کیمپنگ سائیڈ میں پہنچی تو وہاں موجود آٹھوں افراد نے حیرانی اور اشتیاق سے انہیں دیکھ کر ویلکم کہا۔

"ارے یہ کیا ہوا بھائی' نیو برائڈ کو چوٹ بھی لگ گیا۔" ان میں ایک فربہی مائل خاتون نے مسکراتے ہوئے اوینہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

زمیر نے انہیں اپنی پرابلم بتائی' سب نے گرمجوشی سے ویلکم کہا' ان آٹھ افراد میں چار مرد اور چار عورتیں شامل تھیں' چاروں خواتین اور دو مرد فارنر تھے' انگلینڈ' جرمنی اور نیویارک سے آئے ہوئے' جبکہ دو پاکستانی کوہ پیما بھی گائیڈ کی حیثیت سے ساتھ تھے' وہ دنیا کی خوبصورت ترین' حسین دشوار گزار چوٹی نانگا پربت کو سر کرنے کے لئے آئے تھے' لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ یہاں ڈیرا ڈال لیا تھا' ایسے ہی ہوتے ہیں' سیاح لوگ' اور یونہی ہوتا ہے سیاحت کے جنون میں ہر جگہ اپنی' ہر قطعہ زمین اپنا گھر' درویشانہ زندگی۔

"ڈاکٹر ولیم پلیز آپ ذرا ان کا پیر چیک کر لیں' اور ڈریسنگ بھی کر دیں۔"

پاکستانی کوہ پیما رافع نے انگلش میں ڈاکٹر ولیم سے کہا' انہوں نے اس کا پیر دیکھا' پھر گرم پانی منگوا کر ٹکور کی اور ٹیوب لگا کر پٹی باندھ دی۔

"ٹھیک ہو جائے گا میم' مگر تم زیادہ چلنا پھرنا نہیں' زیادہ سے زیادہ ریسٹ کرو' جلدی آرام آ جائے گا۔"

"آپ میرے خیمے میں آ جائیں سر' ان کو ریسٹ کی ضرورت ہے۔" فواد نے اپنا اور رافع کا مشترکہ خیمہ ان کے لئے خالی کر دیا۔ وہ ان کے خلوص اور اپنائیت سے بہت متاثر ہوئی' بھاری بھرکم فوجی بوٹ پہن کر چلنے سے تو اس کی ٹانگوں میں شدید درد ہو گیا تھا' اس نے شکر کرتے ہوئے پاؤں ہاتھوں سے رگڑ کر دبائے اور ٹانگیں سیدھی کر کے لیٹ گئی۔

"ہیلو مے آئی کم ان۔" خوبصورت' اسمارٹ ینگ لیزا نے مسکراتے ہوئے پردہ اٹھا کر اندر جھانکتے ہوئے اجازت طلب کی۔

"اوہ شیور' پلیز کم ان۔" اس نے مسکرا کر خوش دلی سے کہا۔

"کتنا ٹائم ہوا' تمہاری ویڈنگ کو۔" وہ اس کے عروسی' دبکے کے کام والے انتہائی بھرے ہوئے خوبصورت سوٹ کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔ اسے اردو میں گفتگو کرتے سن کر اوینہ کو بہت خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

"آج دوسرا دن ہے' سیکنڈ ڈے۔"

"اوہ! تو ادھر" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میرے ہسبنڈ زمیر میجر ہیں' ان کی پوسٹنگ سیاچن ہو گئی ہے' سکردو میں فیملی اسٹے ہے' اسی لئے مجھے ساتھ لے جا رہے ہیں۔"

"بیوٹی فل کپل' تمہارا لو میرج ہے یا ارینج۔"

"ارینج' بٹ ناؤ لیس از لو میرج ٹو۔ (اب یہ لو میرج بھی ہے)"

"ویری اسٹرینج' اتنی جلدی لو ہو گیا!" وہ ہنس کر بولی۔

"لو بہت آفاقی اور لافانی جذبہ ہے' اس کے لئے وقت درکار نہیں ہوتا' صرف ایک نظر' ایک بات' ایک خوشبو کا جھونکا یا پھر لمحوں کی مسافت زندگی بھر کے لئے اسیر کر دیتی ہے۔" وہ جذب سے کہہ رہی تھی۔

"گڈ... ویری گڈ..." فربہی مائل عورت مارگریٹ نے اندر آتے ہوئے اس کی بات سن کر کہا۔

"بھئی آج ہمارا گیسٹ نیولی میرڈ کپل ہے' اس لئے میں نے ڈنر کا خاص اہتمام کیا ہے۔ بولو آپ کیا کھاؤ گی۔" وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"جو آپ پکائیں گی' مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے' آپ کو اپنی قومی زبان میں بات کرتے سن رہی ہوں۔"

"بھئی' میں اور میرا ہسبنڈ ہر سال ادھر آتا ہے۔ یہ علاقہ' یہ خوبصورت پلیس میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ اتنا نیچرل بیوٹی تو دنیا میں کہیں بھی نہیں دیکھا میں نے۔ پاکستان از ویری بیوٹی فل کنٹری۔"

اس کے منہ سے تعریفی کلمات سن کر اس کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

اس کے ملک کی خوبصورتی کو اس ملک کی عورت سراہ رہی تھی' جسے دنیا میں سپر پاور اور اکیسویں صدی کا شہر کہا جاتا تھا' مگر وہاں انسانوں کے بنائے نظارے تھے' جدید ترین سائنسی ٹیکنالوجی استعمال کر کے حیرت زدہ کر دینے والے نظاروں میں اور قدرت کے ان نظاروں میں یقیناً" بہت فرق تھا جو ہر سال لاکھوں کی تعداد میں سیاح حضرات' خواتین یہاں آتے تھے۔

"سنو ہم نے سنا ہے پاکستانی لڑکا لڑکی کی شادی میں اس کی پسند کو امپورٹینس نہیں دیتے ہیں' از اٹ رائٹ۔" لیزا نے پوچھا۔

"نہیں' یہ بات درست نہیں' ہمارا معاشرہ اور مذہب ہمیں آزادی کی وہ چھوٹ نہیں دیتا' جو آپ کو حاصل ہے' ہمارے ہاں شادیاں پیرنٹس کرتے ہیں۔ اپنے بچوں کی بہتری اور ان کے برائٹ فیوچر کے لئے' اور ہم ان پر ٹرسٹ کرتے ہیں' ان کا انتخاب غلط نہیں ہوتا۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔

"ہوتا ہے' اکثر ہوتا ہے۔" مارگریٹ نے زور دے کر کہا۔

"بہت کم' میں ایکسیپٹ کرتی ہوں' مگر ہمیشہ نہیں' لڑکی اور لڑکے کی پسند پوچھی جاتی ہے' فائنل تو انہوں نے ہی کرنا ہوتا ہے۔"

"تمہیں عجیب نہیں لگتا' ایک مین کو تم نے کبھی نہیں دیکھا' ملا نہیں' پتا نہیں وہ کیسا ہے۔ اس کی ہیبٹس' ہابیز کیسی ہیں' پھر بھی شادی کر لیتا لیزا خاصی حیران تھی۔

وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"ہاں یہی تو اس لائف کی بیوٹی ہے' ایک ان نون بندے کے ساتھ زندگی گزارنا کتنا ایڈونچر ز ہے۔ یہ درست ہے کہ پہلے سے واقف ہونے کی وجہ سے بہت سی پرابلم پیدا نہیں ہوتیں' مگر ایک گڈ گرل تو وہی ہے' جو اجنبی اور ان نون بندے کو تجھے' اسے انڈر اسٹینڈ کر لے اور بہترین لائف پارٹنر بن کر دکھائے۔"

اس نے فخر سے اپنی برادری کی حمایت کی۔

"کیا تم زمیر سے پہلے ملی تھیں!" لیزا نے پوچھا۔

"ہاں ایک بار اسے فنکشن میں دیکھا تھا' بات نہیں کی تھی۔" اس کی آنکھوں میں اس کے نام سے ستارے سے لہرا گئے تھے۔ جسے مارگریٹ نے بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"تو اب تم لو کرنے لگی ہو اس سے' ایک دن میں!" لیزا نے حیرت سے پوچھا تو وہ کھلکھلا دی۔

ہاں' لو' بہت ڈیپ' بہت اسٹرونگ۔" اس کا بے حد پراعتماد انداز تھا' اعتراف نے جیسے اسے گلنار کر دیا تھا۔

www.pkdigest.com

دونوں اس کے کھوئے کھوئے شرمیلے روپ کو دیکھ کر قہقہے لگانے لگیں۔ اسی وقت زمیر اندر داخل ہوا۔

"آؤ۔ آؤ بوائے کم آن۔ ہم تمہارا وائف سے باتیں کر رہا تھا' یہ تم سے بہت لو کرتی ہے' گاڈ تم دونوں کو خوش رکھے۔ ایسا پیاری' معصوم لڑکی کو کبھی سیڈ نہ کرنا۔" مارگریٹ کے کہنے پر زمیر نے مسکرا کر شرارت سے اسے دیکھا۔ اور وہ بری طرح شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

"توبہ ہے یہ انگریز بھی' بس' منہ پھٹ' نہ لحاظ نہ شرم' زمیر کو یہ سب بتانے کی ضرورت کیا تھی' اب!" ان کے جانے کے بعد وہ جس طرح اس کی طرف بڑھ رہا تھا' وہ بری طرح سٹپٹا گئی۔

"آئی لو یو میری جان۔" اس کی آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی' اور وہ اس کی قربت سے مدہوش ہوتی جا رہی تھی۔

*_*_*

صبح بہت روشن اور چمکدار دھوپ نکلی تھی' اس نے بمشکل اپنے بھاری پپوٹوں کو کھولا' ادھر ادھر دیکھا' زمیر موجود نہیں تھا' اور وہ خود سلیپنگ بیگ میں سو رہی تھی' اس نے حیرت سے سر جھٹکا۔

"وہ تو۔۔۔ پھر کیا بیگ میں اسے زمیر نے لٹایا تھا۔"

ایک حیا بار' اطمینان بخش احساس اس کے رگ و پے میں دوڑ گیا' اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹتے ہوئے اس نے قریب ہی رکھے اپنے کپڑوں والے بیگ کو دیکھا۔ زمیر نے نہ جانے کب جیپ سے یہ بیگ منگوایا تھا' اس نے شکر ادا کیا' اور ہلکا سا سادہ سوٹ نکال لیا۔ اس قدر بھاری جوڑے نے تو اسے تھکا دیا تھا۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ تمام چیزیں سمیٹ رہی تھی' جب وہ اندر چلا آیا۔

"صبح بخیر۔" اس کی دل آویز ہنسی کو زمیر نے نہایت وارفتگی سے محسوس کیا۔

"شکر ہے اٹھ گئیں آپ' کل شام سے سو رہی ہیں' کھانا بھی رات نہیں کھایا۔ سبھی اصرار کرتے رہے کہ تمہیں جگاؤں' مگر میں جانتا تھا' تم بہت تھک گئی ہو' سو ڈسٹرب نہیں کیا۔"

اس نے معنی خیزی سے تھکن پر زور دیا تو وہ بے اختیار نظر چرا کر رخ موڑ گئی۔ اور زمیر نے قہقہہ لگایا۔

"اٹھ گئیں آپ' کم آن ہری اپ ناشتا کرو' اور اپنی ڈریسنگ بھی دکھاؤ ڈاکٹر ولیم کو۔" مارگریٹ نے اندر آتے ہی شور مچا دیا۔

"اتنی جلدی سو گیا تم لوگ' ہم تو جشن منانا چاہتا تھا تمہارے لئے' مگر تم نے تو خود ہی۔۔۔"

اس نے معنی خیزی سے کہہ کر بات ادھوری چھوڑ دی اور اوینہ شرمندگی سے جھک کر بلاوجہ ہی کام میں مصروف ہو گئی' زمیر بھی مسکرا کر باہر نکل گیا۔

"آؤ اب۔ پوز مت کرو' ویسے تمہاری یہ شرم بہت پیاری ہوتی ہے۔ مشرقی بیوی۔" اس نے پیار سے گال چھوا۔

اور جب وہ خیمے سے باہر ڈاکٹر ولیم سے پاؤں کی ڈریسنگ چیک کروا رہی تھی تو مائیکل' لیزا گابوائے فرینڈ' بہت ہنس مکھ' اور پرجوش نوجوان تھا' تیز میوزک لگا کر ناچنے لگا' اور وہ حیرانی سے اس بے وقت' بے تکے' بے موقع ناچ گانے کو دیکھ کر ہنس دی۔

"چلو بیگ مین' اپنی ویڈنگ کی خوشی میں سونگ سناؤ۔"

مارگریٹ نے زمیر کو کہا تو سب نے زور زور سے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں۔

"بھئی مجھے گانا نہیں آتا۔" زمیر نے بہت ٹالنا چاہا۔

"جیسا بھی گائے گا ہم سن لے گا' چلو ون ٹو اسٹارٹ۔" مائیکل کچھ زیادہ ہی شوقین تھا۔

"اچھا تو سنیں' یہ گانا میری وائف کے نام۔"

"ہیئر ہیئر۔" زوردار نعرے لگے' اور وہ سب کی نظروں کا محور بننے پر شرما گئی' زمیر نے آہستہ سے گنگنانا شروع کیا۔

اتنا پیار تمہیں کرتے ہیں' آج ہمیں معلوم ہوا
جیتے تمہیں تم پر مرتے ہیں' آج ہمیں معلوم ہوا
اتنا پیار تمہیں کرتے ہیں' آج ہمیں معلوم ہوا

اس قدر محویت اور وارفتگی سے وہ اسے نظروں میں سموئے اپنی خوبصورت آواز میں گا رہا تھا' سبھی نے زوردار تالیاں بجائیں' اور اوینہ کے دل کی دھڑکنوں نے تو گویا طوفان مچا دیا تھا' نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے وہ میٹھی مسکان سے زمیر کو دیکھ کر نظریں جھکا لیتی تو وہ خود بھی جیسے نہال ہو جاتا۔

"اب مارگریٹ گائیں گی" لیزا نے باقاعدہ کھڑے ہو کر کمپیئرنگ کے انداز میں اعلان کیا۔ اور سبھی نے زور سے تالیاں بجائیں۔

"میں اردو سونگ سناؤں گی۔"

دل دل پاکستان' جان جان پاکستان
دل دل پاکستان' جان جان پاکستان

انگلش لہجے میں وہ اتنے خوبصورت انداز میں گا رہی تھی کہ سبھی نے زوردار تالیوں سے اس کا ساتھ دیا

بڑھتی رہے یہ روشنی' بڑھتا رہے یہ کارواں
دل دل پاکستان۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

رافع' فواد' مارگریٹ' ولیم' لیزا گا بھی رہے تھے' ناچ بھی رہے تھے' اس کا دل ناگہاں پیت سے بھی بڑا ہو گیا' اس کے وطن' دھرتی کے گیت غیر ممالک کے لوگ گا رہے تھے' ایسا خوبصورت' روح پرور نظارہ تھا' بے ساختہ اس نے اپنے ملک کی سلامتی' وقار اور خوبصورتی ہمیشہ قائم رہنے کی دعا کی۔

اور پھر انہوں نے اس خوبصورت جگہ کی ڈھیروں تصاویر بنائیں۔

اوینہ کے ساتھ مل کر سبھی نے تصاویر بنوائی تھیں' مارگریٹ تو اس سے بہت ہی زیادہ محبت کر رہی تھی' اس نے جب دل کی شکل کا خوبصورت نگوں سے مزین لاکٹ اس کو تحفہ دیا تو وہ اس کی محبت اور وابستگی سے بے حد متاثر ہوئی' بے اختیار اسے لگا کر چوم لیا۔

"گاڈ تمہیں خوش رکھے' تمہارا ہسبنڈ تم سے محبت کرتا رہے' بہت انوسینٹ ہو تم۔"

اس کی تعریف پر وہ شرمیلی مسکان ہنس دی' اور پھر اس نے اپنے بیگ سے خوبصورت شیشوں والا رنگ برنگ دھاگوں سے بنا ہوا پرانداہ اسے گفٹ میں دیا' اور وہ تو اسے دیکھ کر جیسے پاگل ہو گئی۔

"مائی گاڈ اتنا بیوٹی فل' میں نے یہ "ہیئر بینڈ" فلم میں دیکھا تھا' مجھے بہت پسند آیا' اوہ۔۔۔ اوینہ ڈارلنگ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم نے مجھے بہت قیمتی گفٹ دیا۔" وہ جو اس کے ہیئر بینڈ کہنے پر ہنس رہی تھی' مسکرا کر اسے بتانے لگی۔

"مارگریٹ اسے پرانداہ کہتے ہیں۔"

"پرانڈہ۔" وہ دوہرا کر بولی' زمیر بھی اس کی خوشی دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

"لاؤ میں تمہارے بالوں میں ڈال دوں۔" اوینہ نے اس کے بھورے شولڈر کٹ بالوں کو سمیٹ کر بمشکل پرانداہ ڈال کر پنوں سے مضبوط کیا' تاکہ نکل نہ سکے' اور وہ تو خوشی سے دیوانی ہر فرد کو دیکھ رہی تھی' جبکہ زمیر اور اس کا برا حال تھا' اتنا مضحکہ خیز حلیہ!

شارٹ پر کھلی سی ٹی شرٹ پہنے' جو گرباؤں میں اور سینے پر ڈالا ہوا پرانداہ واقعی خوب نظارہ تھا۔ سبھی خوب انجوائے کر رہے تھے۔

"سر' راستہ کلیئر ہو گیا ہے۔ آجائیں۔" یار محمد نے خوشی سے بھرپور چلا کر اطلاع دی' اوینہ کا دل ایک دم اداس ہو گیا۔ اتنے اچھے پرخلوص لوگوں کی محبت یوں اجنبی راہوں پر مل جائے' زندگی بھر نہیں بھولتے سر راہ ملنے والے' انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں دلوں میں۔

"بھئی ہم لوگ جاتے ہوئے اسکردو نہیں رکے گا' مگر واپسی پر ضرور تمہارے گھر تم سے ملنے آئے گا۔" مارگریٹ اس کے گلے لگ کر کہنے لگی۔

"ضرور' ضرور' میں تم سب لوگوں کا انتظار کروں گی' اور بہت مس کروں گی۔" سبھی نے انہیں بہت خوشی اور محبت سے رخصت کیا۔

"اوینہ یار کم آن' اتنی اداسی اتنی افسردہ تو تم گھر والوں سے بچھڑ کر بھی نہیں ہوئی تھیں۔"

واپسی کے سفر میں وہ اس کے ساتھ پچھلی نشست پر تھا۔ اس کی خاموشی اور اداسی کو محسوس کر کے بولا۔

www.pkdigest.com

اظہار کرتی اور جواب میں اظہار ہی سننے کی متمنی تھی۔
اسے امجد اسلام امجد کی پڑھی نظم کے یہ شعر یاد آگئے۔

تمہیں مجھ سے محبت ہے
محبت کی طبیعت میں
یہ کیسا بچپنا قدرت نے رکھا ہے
کہ یہ جتنی پرانی، جتنی مضبوط بھی ہو جائے
اسے تائید تازہ کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے
اسے اظہار کے لفظوں کی حاجت پھر بھی رہتی ہے

اور اس نے اظہار میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا تھا، وہ جتنا وقت آفس میں رہتا تھا، فون پر گفتگو کر لیتا تھا، گھر آکر مصروفیت کے باوجود اسے پورا وقت دیتا تھا، وہ آدھی آدھی رات کو گھبرا کر رونے بیٹھ جاتی تھی، اس سے باتیں کرتی تھیں تو وہی خدشے وسوسے دہراتی جو دن بھر اسے پریشان کرتے تھے یا جو وہ کہیں سے سن لیتی تھی۔

"بزدل۔" زمیر نے اسے کہا تھا، نہیں وہ بزدل نہیں تھی، بہت بہادر تھی، یہ تو اب اسے زمیر کی محبت نے بزدل بنا دیا تھا۔ شاید کسی جان سے پیارے بندے کے متعلق یونہی فکر مند ہونا بزدلی ہی تھا۔

"دیکھو ادینہ اللہ نے تمہاری صورت میں مجھے جنت کا تحفہ عطا کر دیا۔" وہ اکثر اسے بہت پریشان دیکھتا تو چھیڑتا، (اس کے نام کا مطلب جنت کا تحفہ تھا۔)

"جی ہاں، شکر کیا کریں، شاید کوئی نیکی کر لی ہوگی۔" وہ بھی اسے چڑاتی۔

"ہاں تم نے جو نیکیاں کیں، ان کے بدلے میں تمہیں مل گیا!" وہ کالر اکڑا کر کہتا۔ اور ادینہ ہنستے ہنستے اس کے سینے میں چھپ جاتی۔

*_*_*

"وسیع شہید ہو گیا!" وہ اس سے یہ خبر چھپانا چاہتا تھا، مگر اس طرح کی خبریں تو جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں، اسے کیسے خبر نہ ہوتی، اور وہ خوف زدہ سی نڈھال نڈھال ادینہ کو کیا تسلی دیتا، اس کا تو خود دل غم کی شدت سے پھٹنے والا تھا۔

وسیع بے حد خوبصورت نوجوان تھا، اس کی ٹھیک ایک ہفتے بعد شادی تھی، اور شادی کی چھٹیاں منظور کروا کر وہ واپس آرہا تھا، اس کی جگہ زمیر کو جانا تھا، اس کی روانگی سے چند گھنٹے قبل دشمن کی طرف سے اچانک گولہ باری شروع ہو گئی، اور وہ فوراً سینہ سپر ہو کر میدان میں آگیا، بہت بے جگری سے لڑ رہا تھا جب فائرنگ رینج میں لاتے ہوئے اسے دشمن کے ٹینک کے گولے لگ گئے۔ اور وہ شہادت کے عظیم درجے پر فائز ہو گیا تھا، اس کی بہادری کے عوض اسے ستارہ امتیاز دیا گیا تھا۔

اس کی جواں مرگ کا سبھی کو بے حد افسوس تھا، وہ جو چند دنوں بعد کسی کا نصیب بننے والا تھا، کسی کے دل کی دھڑکن تھا، اس کی دھڑکنوں کو دل میں بسائے ملک پر قربان ہو گیا تھا، زمیر اور ادینہ سے وہ ملا تھا، اور ادینہ کو خوبصورت، شرارتی سا وسیع اپنے بھائی مکرامہ کی طرح بہت پیارا لگا، زمیر کا تو گہرا دوست تھا۔

جب زمیر کو اس کی جگہ پر کال کیا گیا تو وہ ادینہ کے فکر مند ناراض ناراض چہرے کی طرف دیکھ کر بہت ہنسا تھا۔

"واہ بھابھی واہ، اب آیا لطف، بہت مزے کر لئے زمیر صاحب نے، اب ذرا ان دنوں کا لطف اٹھانے کا موقع کسی اور بھی کو دیں نا۔"

اس کا اشارہ سمجھ کر وہ تو شرما گئی تھی، زمیر نے برجستہ جواب دیا۔

"بچے صبر کر انگور کھٹے ہیں، نہ حسد کر، تجھے بھی مزا چکھا دیں گے۔"

دونوں دوست بہت دیر تک ایک دوسرے کو چھیڑتے رہے تھے، اس نے یہاں سے اپنی منگیتر اور خالہ زاد کو فون بھی کیا تھا۔ کتنی چاہت سے وہ باتیں کر رہا تھا، زمیر نے بتایا کہ وہ اس کی کزن بھی ہے، دونوں بچپن سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے گہری محبت کرتے ہیں۔

اور اب وہ محبت کرنے والا، چاہتوں بھرا دل لئے منوں مٹی تلے جا سویا تھا، اپنی محبت، اپنی بچپن کی منگیتر کو تنہا چھوڑ کر، زمیر دو دن بہت ڈسٹرب رہا تھا، ادینہ نے اس کا ایک لمحے کو بھی ساتھ نہیں چھوڑا، وہ دوست کی موت سے بہت غم زدہ حالت میں تھا، اور اسے فوراً اس کی جگہ جا کر رپورٹ کرنی تھی، یوں وہ دو دن پہلے ہی وقت مقررہ سے جانے کو تیار ہو گیا۔

"دیکھو ادینہ، زندگی موت خدا کے ہاتھ میں ہے، اور اس کے لئے وقت، جگہ اور گھر کوئی حیثیت نہیں رکھتے، سات پردوں اور بند دروازوں میں بھی موت آتی ہے کہ برحق ہے۔ تو پھر کیوں خوف زدہ ہوں ہم، بے جگری سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موت کا سامنا کرنے والا ہی محب وطن اور سچا سپاہی ہے۔"

اس نے کچھ لمحہ توقف کیا۔ وہ بغور اس کی سن رہی تھی، ورنہ تو رونے بیٹھ جاتی تھی۔

"سنو! اگر میں شہید ہو گیا تو تم رونا نہیں۔"

زمیر کی آواز سن کر اس کے دل کو جیسے کسی نے تیز دھار آلے سے چیر دیا تھا، کائنات کی گردش تھم سی گئی تھی، ہر چیز ساکت و جامد ہو کر نظروں میں ٹھہر گئی تھی، اس کی زرد رنگت اور ساکت آنکھوں کو دیکھ کر زمیر نے تیزی سے اس کا شانہ ہلایا۔

"ارے ادینہ، یار کم آن۔ کیا ہوا بھئی، ایسے پریشان، حواس باختہ ہو جاتی ہو۔ بی بریو ڈیئر۔ انسان کو ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہئے۔"

"ایسے مت کہیں زمیر، پلیز ایسے مت کہا کریں، میں۔ میرا دل برداشت نہیں کر سکتا، آپ کی جدائی میرے لئے سوہان روح ہے، میرا لمحہ لمحہ، پل پل ہجر کی آگ میں جل جاتا ہے۔ میں کیسے برداشت کروں گی آپ کی غیر موجودگی۔"

اس کے لہجے میں اتنی بے تابی، بے قراری اور تڑپ تھی کہ زمیر کچھ دیر کو خود بھی کھو سا گیا۔

"آپ مجھے روز فون کریں گے، روز خط لکھیں گے۔" وہ بچکانہ فرمائشیں کرتی، اور وہ بھی فوراً وعدہ کر لیتا، کسی بچے کی طرح ہی اسے بہلاتا تھا، جو وہ کہتی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا۔ اور لمحے گھڑیاں یوں تیزی سے بیتے کہ روانگی کا وقت آن پہنچا۔

بہت بھاری، بہت کرب انگیز تھا وقت جدائی، اس سے رخصت ہونا گویا جسم سے جان ہی نکل گئی تھی۔

زمیر بہت ضبط اور برداشت سے کام لے رہا تھا، بظاہر باہمت، باحوصلہ اور مسکراتا ہوا، مگر اندر سے بہت اداس، بے کل، اور ادینہ سے تو اپنا آپ، اپنے احساسات چھپائے ہی نہ جا سکے، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، بہت سمجھانے اور دلاسہ دینے کے باوجود جیسے آنکھیں سمندروں کی طرح بھری ہوئی تھیں، جوں جوں اس کی جیپ دور ہوتی جا رہی تھی، اس کے اندر سے روح بھی کھنچی جا رہی تھی۔

*_*_*

اور پھر جیسے اداسی اور بے چینی رگ رگ میں اتر گئی تھی، باوجود چاہنے کے وہ اپنا دھیان دوسری سرگرمیوں میں نہ لگا سکی۔ بس ہر وقت اسی کا خیال، اس کی باتوں کی بازگشت، اور اسی کی خوشبو میں وہ خود کو مقید سمجھتی تھی، بہت سے ملنے والے، زمیر کے دوست، ان کے گھر والے اس کا دل بہلانے کو آجاتے، اسے اپنے گھر بلاتے، مگر یہ سب وقتی بہلاوے تھے، رات کی تنہائی میں اسے کسی بھی ہمدردی اور چاہت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، وہ اس کی باتوں کو محسوس کرتی، اس کی یادوں سے دل بہلاتی، اب اسے احساس ہوا تھا کہ واقعی محبت انسان کو کس قدر جنونی اور تنہا بنا دیتی ہے۔

اس شخص کے ساتھ اس وادی کا سارا حسن اس کے پہاڑ، چشمے، خوبصورت مناظر، بہتی ندیاں، سب کچھ حسین اور دل ربا، خوش کن تھا، مگر اب اس کے بعد تو جیسے چراغوں میں روشنی ہی نہیں رہی تھی، یا اس کی آنکھوں میں وہ حسین رنگ ہی نہ موجود تھے کہ یہ سب پیارا لگتا۔

ملنے جلنے والے دوست احباب سبھی اسی طرح آتے، اس کا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھتے، زمیر کے دوست شفیع تو بہت ہی زیادہ فکر مند تھے، اس کے بارے میں، فون کر کے اس سے ضرورتوں کا پوچھتے، مگر وہ تشکر کے ساتھ انکار کر دیتی۔

خوبانیوں کے باغ میں جا کر بھی اب کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا تھا، ٹھنڈی ندی کے پانی کو دیکھ کر بھی وہ

www.pkdigest.com

فوراً" اس میں گھسنے پر خود کو آمادہ خود کو نہیں کرپاتی تھی' آج بھی بہت اداس' بے کل سی لان میں بیٹھی بلند برفیلی پہاڑیوں کو محویت سے تک رہی تھی' اس کا زمیر ان ہی سرد پہاڑیوں کے بہت پیچھے کہیں موجود تھا۔

اسے گئے دوسرا ہفتہ ہو رہا تھا' اور سوائے ایک کال کے کوئی اطلاع نہ تھی' وہاں سے موسم خراب ہونے کی وجہ سے بہت مشکل سے فون ملتا تھا' اور آواز بھی بہت آہستہ آتی تھی' شدید برفباری نے تمام راستے بلاک کر رکھے تھے' خط و کتابت بھی ناممکن تھی۔

وہ اب زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت اور قرآن پڑھنے میں لگاتی تھی۔ دل کے سکون کے لئے خدا سے رجوع کیا تھا' اور جیسے تڑپتے' سلگتے اس گوشت کے لوتھڑے کو قرار مل گیا تھا۔ اسے شدت سے احساس ہوتا تھا کہ اس کی تمام حیات بس زمیر سے ہی منسلک ہے اور محبت ویسے بھی انسان کو ایک مرکز کے گرد گھومنا سکھاتی ہے۔ وہی مرکز زندگی کا حاصل ہوتا ہے اس کے بغیر حیات کی کشتی ڈانواڈول رہتی ہے۔

عکرمہ بھائی کے آجانے سے بہت حد تک اس کی تنہائی میں کمی واقع ہوگئی تھی اس نے خود کو کافی سنبھال لیا تھا' اب بھائی کے سامنے لیلیٰ کی طرح پاگل ہونا بھی اچھا نہیں لگتا تھا' ویسے بھی اپنے ماں جائے کی موجودگی ہی بہت ڈھارس دیتی تھی۔

عکرمہ کو اس کی تنہائی کا احساس تھا' وہ اسے لے کر گھومنے پھرنے نکل جاتا' زیادہ سے زیادہ مصروف رکھتا' تاکہ وہ زمیر کے متعلق سوچ کر فکرمند نہ ہو' آج کل ویسے بھی سرحدوں پر حالات ٹھیک نہیں تھے' روزانہ ہی اخباروں میں ٹی وی پر دشمن ملک کی طرف سے بلاجواز فائرنگ کی اطلاعات آرہی تھیں' اور سیاچن پر تو خاص طور پر دشمن کی نگاہیں تھیں۔

جب سے کشمیری عوام نے اپنے حق اور آزادی کے لئے ہتھیار اٹھا کر دشمن کا مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے بے نقاب کیا تھا' دشمن اپنی ازلی کینہ پروری کے سبب اس کا بدلہ دوسرے محاذوں پر لے رہا تھا کہ پاکستان کشمیری مجاہدین کی بھرپور اخلاقی اور مالی امداد کر رہا تھا' بدلے میں کراچی اور دیگر شہروں کو بارود کے ڈھیر پر رکھ دیا گیا تھا' کشمیر اور سیاچن کے مسئلے کو خوامخواہ آپس میں الجھایا جا رہا تھا۔

عکرمہ اخبار کم ہی اس تک پہنچنے دیتا تھا' ایسی کسی بھی خبر پر نظر پڑ جاتی تو وہ بہت بے چین' مضطرب ہو جاتی تھی' اور اسے کسی پل چین نہیں آتا تھا۔

آج اسے نہ جانے کیوں مارگریٹ اور اس کے گروپ کے لوگ یاد آرہے تھے۔

"وہ لوگ پتا نہیں کہاں ہوں گے' شاید واپسی میں جاتے ہوئے ملنے آجائیں۔" وہ اتنی حساس ہو رہی تھی' بیٹھے بیٹھے تمام لوگ یاد آجاتے اور دراصل یہ بھی زمیر کی یاد کا ہی بہانہ تھا' وہ عکرمہ کو کسی کی بھی بات سناتی' فوراً" زمیر کے تعلق کا سہارا بھی وہاں نکل آتا' اور یوں بات کا رخ اس کی طرف ہو جاتا' کتنی اپنائیت محبت سے وہ اس کی باتیں کرتی تھی' جیسے دل کو ڈھیروں سکون مل رہا ہو' عکرمہ اس کا بھرپور ساتھ دیتا تھا جانتا تھا بہن کی تنہائی کو۔

آج انہوں نے دریا پر جانے کا پروگرام بنایا تھا' کھانے پینے کا کافی سامان اس نے ساتھ لے لیا' دوپہر کا کھانا وہاں ہی کھانے کا پروگرام تھا۔

وہ جلدی جلدی سارا سامان باسکٹ میں رکھ رہی تھی' عکرمہ گاڑی میں کچھ برتن رکھ آیا تھا' زمیر کے دوست کیپٹن عامر ملک بھی اپنی فیملی کے ساتھ ان کے ہمراہ ہی جا رہے تھے۔

"اوینہ تم فکر مت کرو' بس جلدی سے نکلنے کی کرو' عامر بھائی تو پہنچ بھی گئے ہوں گے' اتنا ہی کافی ہے یار' کیا پورا کچن لے کر جاؤ گی' بارات کا کھانا تیار کر لیا ہے تم نے۔" عکرمہ نے اتنے بڑے بڑے ڈونگوں میں بھرے سامان خورد و نوش پر نظر ڈال کر ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی پکنک پر کوئی نہ کوئی شخص مل جاتا ہے' دستر خوان پر کوئی اور بھی بیٹھ جائے تو کیا کھانا کم پڑنے کے باعث اسے اٹھا دیا جائے' اسی لئے ہمیشہ زیادہ رکھتی ہوں اشیاء' ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔" اس نے تفصیلاً" جواب دیا۔

"اچھا بابا اب آجاؤ۔" وہ ٹوکری اٹھا کر باہر چل دیا' اور وہ کچن میں آخری طائرانہ نگاہ ڈال کر جلدی سے باہر نکلے گئی تھی کہ فون کی بیل بج گئی۔

"بھابھی میں شفیع بول رہا ہوں۔" میجر شفیع کی آواز سن کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب تو فون کی ہر بیل پر اس کا دل دھڑک اٹھتا تھا۔

"جی بھائی' کیسے ہیں آپ!"

"بھابھی وہ۔ عکرمہ صاحب سے بات کرا دیں۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے تھے۔

"ہولڈ کریں۔ میں بلاتی ہوں۔ ویسے بھائی زمیر کی کوئی اطلاع وغیرہ نہیں آئی۔ آپ کے پاس۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ پوچھ بیٹھی' بعض اوقات شرمندگی بھی محسوس ہوتی تھی۔ کیا سوچتے ہوں گے زمیر کے دوست احباب' وہ اتنی بے قرار بے کل ہے۔

"بھائی عکرمہ نہیں آئے!" میجر شفیع نے اس کی باتوں کا جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کر دیا۔ اسے بہت فیل ہوا انہوں نے اس کی بات کا جواب تک نہیں دیا اسے اپنی تضحیک محسوس ہوئی' سو خاموشی سے عکرمہ کو ریسیور تھما کر باہر نکل آئی۔

کافی دیر بعد جب وہ اس کا انتظار کر کے اندر آئی کہ معلوم کر سکے' وہ کیا کر رہا ہے ایسی کون سی گفتگو ہے جو ختم ہونے میں نہیں آرہی۔

"عکرمہ کیا بات تھی کیا کہہ رہے تھے شفیع بھائی' اتنی دیر لگا دی تم نے جانا بھی ہے۔" اسے گم سم' بے حد سنجیدہ دیکھ کر کئی سوال ایک ساتھ کر دیئے۔ کئی لمحوں تک اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خالی خالی' کرب انگیز انداز میں اسے دیکھ رہا تھا' اسے ایک دم ہی کسی انہونی کے ہونے کا احساس جاگا' لاشعور میں جیسے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

"عکرمہ! عکرمہ بولا' بات کرو' بولو۔" وہ ایک دم اس کی طرف جھپٹنے کے سے انداز میں بڑھی' اور اس کا کندھا بری طرح جھنجھوڑ ڈالا' وہ ہنوز چپ تھا۔

"بولو' بولو۔ عکرمہ خدا کے لئے بتاؤ' ورنہ ورنہ۔" اس کا دل جیسے بند ہونے کو تھا' کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ وہ پاگل ہونے کی حد تک گھبراہٹ کا شکار ہوگئی تھی۔ عکرمہ نے اسے کندھوں سے پکڑ کر بری طرح جکڑ لیا۔

"ہوش میں آؤ اوینہ۔ ہوش کرو' سنبھالو خود کو۔"

"مجھے بتاتے کیوں نہیں ہو تم' شفیع بھائی نے کیا کہا ہے! کیوں تم یوں بیٹھے ہو زمیر کیسا ہے میرا زمیر۔" زمیر کے نام پر عکرمہ کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرا گیا تھا' اس نے بے دردی سے اپنا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"عکرمہ زمیر کو کیا ہوا ہے مجھے بتا دو' خدا کے لئے مجھے بتا دو۔" اب جنون اور وحشت کی جگہ وہ بے بسی اور لاچاری سے ہاتھ باندھے تڑپ تڑپ کر اس سے فریاد کناں تھی۔

"اوینہ۔ میری جان۔"

عکرمہ نے اسے کھینچ کر سینے میں چھپا لیا' خود وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا' ذرا بھی برداشت کا دامن ڈھیلا پڑ جاتا تو اوینہ نہ جانے کیا کر بیٹھتی۔ ابھی بھی وہ اسے فوراً" یہ نہ بتا سکا کہ اس کا زمیر شہید ہو گیا ہے' اتنی بڑی خبر اچانک اسے بتا دی جاتی تو شاید وہ مر ہی جاتی۔

"سنو اوینہ زمیر شدید زخمی ہے' فائرنگ کے دوران اسے کافی گولیاں لگی ہیں' تم خود کو سنبھالو۔" اسے فوری طور پر ذہنی لحاظ سے تیار کرنے کا یہی بہانہ سوجھا' بعد میں وہ اسے بتا دے گا۔ اور وہ تڑپ اٹھی۔

"اے خدا میری زندگی زمیر کو دے دے' میرے خدا اسے زندگی دے دے۔" وہ تڑپ تڑپ کر التجا کر رہی تھی' دعائیں مانگ رہی تھی' اور عکرمہ سے یہ اذیت ناک منظر برداشت نہ ہو سکا' فوراً" باہر نکل آیا' اور لان میں بیٹھ کر بری طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس کی پیاری بہن کا سہاگ' اس کا محبوب شوہر شہید ہو گیا تھا' صرف ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں وہ بیوہ ہو گئی تھی' ابھی تو کچھ دیکھا بھی نہیں تھا' ہاتھوں کی مہندی' ہار سنگھار بھی پھیکا نہیں پڑا تھا۔

عمر ہی کیا تھی اوینہ کی' اتنی طویل مسافت میں وہ کس کے سہارے زیست کا تپتا صحرا پار کرے گی' یہاں تو قدم اٹھانے پر بھی آبلہ پائی مقدر بن جایا کرتی ہے۔ اس کے لہولہان دل کو کون تسلی دے گا' اسے

www.pkdigest.com

زمیر سے شدید محبت تھی' اور نہ جانے کیسے کیسے سانحے سہنے اس نے اس شخص کے حوالے سے اس کی ہمراہی میں گزارنے کے دیکھے تھے۔

میجر شفیع' میجر عامر' کرنل رفیق بمعہ اپنی فیملیز کے فوراً" ہی پہنچ گئے تھے' کرنل رفیق نے کندھے تھپتھپا کر اسے حوصلہ دیا' اور وہ سب جب اندر ادینہ کے پاس پہنچے تو دل ضبط کی حدوں کو توڑتا محسوس ہوا' وہ جائے نماز پر با آواز بلند روتے ہوئے زمیر کی زندگی کی بھیک خدا سے مانگ رہی تھی' عنبرین بھابھی نے بمشکل خود کو سنبھالا' آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے پکڑ کر خود سے لگالیا۔

"بھابھی زمیر' وہ۔ بھابھی دعا کریں۔ دعا مانگیں زمیر کو کچھ نہ ہو۔ اسے میری بھی عمر لگ جائے۔ دعا مانگیں۔۔۔ آپ بھی شفیع بھائی' آپ بھی بھابھی۔۔۔ آئیں میرے ساتھ۔"

وہ ہوش خرد سے بیگانہ ایک ایک کو پکڑ کر کہہ رہی تھی' عنبرین نے بمشکل اسے سنبھال کر بیڈ پر بٹھایا۔

"بھائی آپ مجھے بتائیں' آپ اس کے سی او ہیں' زمیر کیسا ہے اب' وہ ٹھیک ہو جائے گا نا!" وہ کرنل رفیق کو دیکھتے ہی روتے ہوئے ان کی طرف بڑھی۔

"صبر بیٹا صبر رویا نہیں کرتے' شہید کبھی مرتے نہیں زندہ رہتے ہیں سدا' اور زندہ لوگوں کے لئے آنسو بہانا اچھی بات نہیں۔"

انہوں نے تحمل اور سنجیدگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اور وہ تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کا چہرہ یوں دیکھ رہی تھی جیسے سمجھ ہی نہ سکی ہو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

"بیٹا' یہ حقیقت بہت تلخ بہت اذیت ناک سہی' مگر اسے قبول کرنا ہے تمہیں' زمیر نے ملک کی خاطر جان قربان کی ہے' اس واسطے تم شہید کی بیوی ہو' واجب احترام ہو ہمارے لئے ہم تمہارے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔"

انہوں نے اس کی سسکتے کی سی کیفیت دیکھ کر اسے دوبارہ کہا۔ مگر وہ ہنوز بے خود' گم سم سی ہر ایک کا چہرہ دیکھ رہی تھی' جیسے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہو۔

یہ حالت عکرامہ کو ہلا گئی' وہ تڑپ کر آگے بڑھا' اسے اس وقت جھنجھوڑنا بہت ضروری تھا' ورنہ وہ شاید ساری عمر کے لئے بے حس اور بیگانہ ہو جائے گی۔

"ادینہ زمیر مر گیا ہے' تمہارا زمیر تمہیں چھوڑ کر چلا گیا' ہوش کرو ادینہ' رولو' پکارلو زمیر کو۔"

وہ اسے جھنجھوڑ رہا تھا' رو رہا تھا' چیخ چیخ کر دگا رہا تھا' کرنل رفیق' میجر شفیع' یہ صورتحال برداشت نہ کر سکے' فوراً" آنسو بھری آنکھیں لئے باہر نکل گئے۔

اور وہ جو اب تک زمیر کی زندگی کے لئے دعا کر رہی تھی' عکرامہ کے جھنجھوڑنے سے ہوش میں آگئی' دل بس ایک احساس سے ہی پاتال میں جا ڈوبا تھا کہ وہ اب دنیا میں نہیں رہا' اس کے سر کا سائیں' اس کا سائبان' وہ اس کی محبت سے محروم ہو گئی تھی' یہ جان لیوا احساس درد کی صورت سارے جسم میں پھیلا' اور دل اس کے درد کو برداشت نہ کر سکا' تو وہ لہرا کر عکرامہ کے بازوؤں میں ہی جھول گئی۔

*_*_*

ہوش اور بے ہوشی کے وقفے میں کتنا عرصہ بیتا' کیا ہوا' کچھ علم نہیں تھا' بس خالی خالی' ویران نگاہوں سے سب کو دیکھتی وہ چپ اور ساکت تھی۔

عکرامہ قریب ہی موجود تھا۔ اس نے بے حد اذیت سے اسے دیکھا۔

"عکرامہ زمیر کا وجود!" وہ بس اتنا ہی پوچھ سکی۔

"کچھ باقی نہیں بچا ادینہ' جس جگہ بم گرا وہ وہاں ہی موجود تھا۔ اسے شہادت کی بہت طلب تھی' وہ جسم کا رواں رواں اس سرزمین کے لئے قربان کرنا چاہتا تھا' خدا نے سن لی۔" اس نے کچھ لمحہ توقف کیا۔

"تم اگر بہتر سمجھتی ہو خود کو تو ہم کل صبح یہاں سے اسلام آباد روانہ ہو جائیں گے۔"

"اکیلے!" اس نے اتنی یاسیت سے سوال کیا تھا' اتنا کرب تھا لہجہ میں کہ عکرامہ کا دل رو پڑا۔

"ہاں اکیلے' یہ حقیقت ہے' اب اس سے فرار ممکن نہیں۔" اس نے اسے طفل تسلیاں دینے کی بجائے صاف کہا۔

"عکرامہ میں بائی روڈ واپس جاؤں گی۔" عجیب

خواہش تھی۔

"بائی روڈ بہت وقت لگے گا' اور راستا بھی خطرناک ہے' پھر وہاں سارا خاندان ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ بابا اور اماں جانی کی طبیعت بہتر نہیں وہ جلد از جلد تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو' میں ان راستوں کو' ان مناظر کو ایک بار پھر دیکھنا چاہتی ہوں جہاں میں نے زمیر کی شکست میں وقت گزارا' اس کی آنکھوں نے جن پھولوں کو دیکھا تھا' میں بھی انہیں دیکھنا چاہتی ہوں' پلیز عکرامہ مجھے مجبور نہ کرو' ورنہ میں شاید کبھی سکون نہ پاسکوں۔" اس نے روتے ہوئے شکستہ' اور گرفتہ لہجے میں کہا تو عکرامہ کو بھی مجبوراً" ماننا پڑا۔

اس کے ساتھ جو حادثہ بیت گیا تھا۔ اس کے پیش نظر اس کی خواہش کا احترام کرنا ضروری تھا۔ اگرچہ وہاں اسلام آباد میں سبھی لوگ بہت غم زدہ ان کی واپسی کے شدت سے منتظر تھے' اماں جانی اپنی لاڈلی بیٹی کو اپنے سینے سے لگانا چاہتی تھیں۔ بابا جانی اس کے اس المناک غم سے خود بھی بری طرح نڈھال ہو گئے تھے۔ جلد از جلد اپنی لاڈلی بیٹی کو سینے میں چھپا کر اس کے سارے دکھ' ساری اذیتیں' اور غم عمری کا یہ روگ سمیٹ لینا چاہتے تھے' مگر وہ بضد تھی' اور اس وقت اس کی ہر بات ماننا عکرامہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔

*_*_*

یہی راستے تھے' یہی موڑ تھے' یہی حسین مناظر تھے' برفانی چوٹیاں ان پر مدھم مدھم سورج' ٹھنڈے صاف برفیلے پانی کے چشمے' سبزہ' اونچی نیچی بل کھاتی سڑک' کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا' سوائے اس شخص کے جو جاتے ہوئے ساتھ تھا تو کائنات کی رنگینی قائم و دائم تھی' آنکھ میں حسن کی ستائش اور دل میں نئی امنگوں کے ولولے تھے' مگر اب!

اب۔۔۔ سب کچھ تھا' تو وہ شخص نہیں تھا' سارے مناظر دھندلا گئے تھے' سب کچھ ختم ہو گیا تھا' واپس کے اس تنہا سفر کی اذیت بس وہ ہی جانتی تھی۔

کھیل تو نہیں یارو راستے کی تنہائی
کوئی ہم کو دکھلائے چل کر دو قدم تنہا

وہ گم سم' باہر گھومتے لوگوں' بھاگتے مناظر کو دیکھ رہی تھی' عکرامہ نے اسے تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا' نہ جانے کرب کی کن منزلوں سے گزر رہی تھی وہ' کیسے کیسے خیالات' یادوں کے ناگ تھے' جو ڈس کر نس نس میں زہر پھیلا رہے تھے۔

"روکو عکرامہ گاڑی روکو۔" وہ ایک دم چیخ اٹھی تو اس نے گھبرا کر بریک پر پاؤں رکھ دیا۔

"کیا ہوا ادینہ۔۔۔!"

"وہ۔۔۔ وہ مارگریٹ' عکرامہ ان لوگوں کو روکو میں ملوں گی ان سے۔" وہ بے حد مضطرب اور پر تجسس تھی' عکرامہ نے حیرت سے ٹورسٹ پارٹی کو دیکھا' اور فوراً" گاڑی موڑ کر ان کے قریب چلا آیا۔

"مارگریٹ!" اس نے بے ساختہ پلٹ کر ادینہ کو دیکھا' شناسائی کی چمک آنکھوں میں لہرا گئی' اور پھر وہ بے حد اشتیاق سے اس کی طرف بڑھی' اور اسے گلے لگا لیا' دونوں یوں ملیں جیسے کئی برسوں کی واقفیت ہو' گہری دوستی ہو اور اس کو تو مارگریٹ سے ویسے بھی بہت قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔

"ارے مسز زمیر آپ! واہ کیا اتفاق ہے' جن راستوں پر ملے بچھڑے' وہیں دوبارہ مل گئے۔" فواد نے مسکراتے ہوئے کہا سبھی نے اسے بہت اپنائیت سے ویلکم کیا۔

"ادینہ! تمہارا ہسبنڈ کہاں ہے بھئی' وہ تمہیں اکیلا بھیجنے پر کیسے تیار ہو گیا!" وہی سوال جو سوئی کی نوک بن کر دل کو ادھیڑ رہا تھا' مگر انہیں کیا معلوم' وہ تو محبت میں ہی پوچھ رہی تھی۔

"ان کی ڈیتھ ہو گئی!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا!۔۔۔ واٹ!" مختلف آوازیں' حیرت زدہ' افسوس' دکھ' تاسف میں لپٹی ہوئی بلند ہوئیں۔

"مائی گاڈ' تم کیا بول رہی ہو' یہ ٹروتھ ہے!" مارگریٹ کو یقین نہیں آرہا تھا' عکرامہ سے پوچھا اور جواب میں اس کی ہاں سن کر وہ اس کی طرف پلٹی۔

"مائی سویٹ فرینڈ۔" اسے گلے لگا کر وہ بہت دیر اس کے دل کو حوصلہ دیتی رہی' جبکہ وہ بے آواز رو رہی تھی' آنسو بہتے جا رہے تھے' اب تو اس کا اختیار ہر شے

www.pkdigest.com

پر سے ختم ہو گیا تھا۔

عکرامہ نے انہیں تمام تفصیل بتا دی۔

"ہم تو تمہیں بہت یاد کر رہے تھے' بد قسمتی سے واپسی پر ہم تمہارے گھر نہیں آسکے' اب انہی راستوں پر تمہیں بہت مس کر رہی تھی میں۔"

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اس قدر رنگ ٹریجڈی میں ہو گی۔ بہت غم ہوا بہت سیڈ بات سنائی تم نے۔" وہ اسے بہت پیار سے بہلا رہی تھی' سبھی افسردہ سے خاموش تھے۔

فواد' وسیع اور سب کے اصرار پر وہ اور عکرامہ ان کے کیمپ میں کچھ دیر کو رک گئے' یہی لوگ تھے' ایسا ہی سماں تھا' جہاں وہ اور زمیر ایک دوسرے سے پہلی دفعہ دل و جان سے واقف ہوئے تھے' وہ ان لوگوں کو' اس خیمے کو کیسے بھول سکتی تھی' جہاں زندگی کی اولین رات اس نے زمیر کو اپنا آپ سونپا تھا' یہ پتھر' یہ پہاڑ سب ان کی چاہت اور محبت کے گواہ تھے' آنسو جیسے ہر پل بہنے کو تیار رہتے تھے' اتنا روتی تھی' پھر بھی آنکھیں اس کو آنسوؤں کا نذرانہ دینے کو تیار رہتی تھیں۔

یہ دن یہ رات یہ لمحے اپنے سے لگتے ہیں
تجھے سوچوں تو سارے سلسلے اچھے سے لگتے ہیں
ذرا سی دیر تو منظر سہانے لگتے ہیں
پھر اس کے بعد قید خانے سے لگتے ہیں

یہی تو اس کی بھی کیفیت تھی' ڈھلوان کے ساتھ ساتھ خیموں کے رنگے برنگے ٹینٹ بہت اچھے لگ رہے تھے' مگر اسے تو جیسے اب کوئی منظر کوئی نظارہ بھی متاثر نہیں کر رہا تھا۔ بے حس ہو گئی تھی وہ اپنے احساسات میں۔

مارگریٹ' لیزا' ڈاکٹر ولیم سب نے زبردستی اسے اپنے ساتھ تھوڑا سا کھانا کھلایا۔ سب اس کے اس طرح اجڑنے پر بہت دکھی تھے' اسے زمیر کے ہمراہ کتنا خوش مطمئن دیکھا تھا' اتنا خوبصورت جوڑا رشک آتا تھا دیکھ کر' اتنی جلد جدائی کا شکار ہو جائیں گے' کسے علم تھا' موت کا وقت تو صرف خدا کو معلوم ہے۔

آنے والے پل میں کون کہاں' کس کے ساتھ ہو' کوئی نہیں جان سکتا۔ وہ بے اختیار نیلے رنگ کے اس خیمے کی طرف کھنچی چلی گئی' جسے فواد اور وسیع نے اس کے لئے دیا تھا۔

فواد اسے دیکھ کر ایک دم اٹھ بیٹھا' اسے شرمندگی ہوئی' اپنے غم میں وہ حواس بھی کھوتی جا رہی تھی۔

"آئیں۔ آئیں اوپنہ رک کیوں گئیں' پلیز تشریف لائیں۔" وہ بہت عقیدت اور احترام سے اٹھ کر اسے ملا۔

"وہ۔ میں۔ میں یونہی پھرتے ہوئے ادھر آگئی' یہ خیمہ دیکھنے۔" وہ نہ بھی بتاتی تو وہ سمجھ گیا تھا' اس کی جذباتی وابستگی اور حسین یادیں تھیں اس کے خیمے سے

اسے دلی رنج ہوا' اتنی معصوم' اتنی خوبصورت' کم عمر لڑکی حالات کی بے رحمی کا شکار ہوئی تھی۔ صرف ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں اجڑ جانا معمولی بات نہ تھی' اتنے دنوں میں تو ہمسفر کی عادات ہی کو سمجھا جاتا ہے۔

"آپ اسلام آباد میں کہاں رہتی ہیں۔" اس نے بات کا بہانہ ڈھونڈا' اسے اس گم سم کیفیت سے نکالنے کو۔

"جی تین سیکٹر' بابا کے پاس جاؤں گی۔" وہ آہستہ سے جواب دے کر باہر نکل آئی۔ دل تو کہیں نہیں لگتا تھا' بس بے قرار' بے چین' بھٹکی ہوئی روح کی طرح وہ دل کے درد کے ہاتھوں کلبلاتی پھرتی تھی' ابھی بھی سبھی کے اصرار کے باوجود وہ عکرامہ کے ساتھ واپسی کے لئے چل دی' مارگریٹ کا خیال تھا وہ ان کے ساتھ ہی اسلام آباد جائے۔ مگر اسے اب اس فضا میں رہنا ایک پل بھی دشوار لگ رہا تھا۔

"مارگریٹ میں آپ کو کبھی نہیں بھول سکوں گی۔" وقت رخصت بہت افسردہ ماحول تھا' سبھی بہت خلوص اور اپنائیت سے تسلی دیتے رہے۔

"میں آؤں گا آپ کے گھر' آپ تو میرے شہر ہی ہیں۔" فواد نے جاتے سمے کہا' عکرامہ نے اس کے خیال کی بھرپور تائید کی۔

اور وہ وہاں سے چل دیئے۔ جتنا وہ واپسی کے سفر میں ان مناظر کو دیکھ کر مطمئن تھی' اب اتنا ہی بے چین ہو گئی تھی۔

"یہ۔ یہ وہ پہاڑ ہے جہاں اس نے مجھے دیکھا تھا' یہاں ہماری گاڑی لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے رک گئی تھی۔ وہ وہاں میرا پاؤں مڑا تھا۔" وہ ایک ایک جگہ اسے دکھا رہی تھی' پاگلوں کی طرح اس کا ہاتھ تھام کر کبھی یہاں بھاگتی' کبھی وہاں' کبھی ہنستی' کبھی روتی۔

اس کی کیفیت سے گھبرا کر عکرامہ نے جلد از جلد اس جگہ سے نکلنے کا فیصلہ کیا' اور انتہائی تیز رفتاری سے وہ ڈرائیونگ کرتا ہوا اگلے دن اسلام آباد پہنچا۔ سفر کی تھکان سے برا حال تھا' اتنی طویل ڈرائیونگ' حالانکہ انہوں نے ایک رات راستے میں قیام بھی کیا تھا' اس کے باوجود وہ بہت تھک گئے تھے۔

یہاں بابا اور اماں جانی نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ دکھ تو بہت گہرا تھا' مگر انہیں خود کو اور اسے سنبھالنا تھا' زمیر کی غائبانہ نماز جنازہ یہاں پڑھائی جا چکی تھی' افسوس کرنے والوں کا تانتا بندھا تھا' اس کے آنے سے گویا دوبارہ صف ماتم بچھی تھی' اور اس کی خستہ حالت کے پیش نظر اسے ڈاکٹرز نے نیند کا انجکشن لگا دیا تاکہ وہ پرسکون نیند لے لے' ورنہ تو اس کو نروس بریک ڈاؤن کا خطرہ تھا۔

*_*_*

دن گزر جاتے ہیں' گزر رہے تھے' وقت نہ کبھی تھما ہے نہ تھمے گا' اتنے زخم اور چرکے لگا کر بھی آگے ہی آگے بڑھتا جاتا ہے' غم کوئی آسان نہیں تھا بھلانا' نہ اپنے بس کی بات تھی' ایسا کاری وار یونہی تو نہیں سہہ سکتا کوئی' اس کی کیفیت دیکھ کر دن رات والدین غم میں گھل رہے تھے۔ اس کی ہنسی' اس کا سکھ چین سب لٹ گیا تھا' بس زندہ تھی' اور زندگی کی سانس رواں تھی۔

اسے اس اندوہناک کیفیت سے نکالنے کے لئے عکرامہ اور عمران دونوں دن رات اس کے ساتھ ساتھ رہتے' اس کا دل بہلاتے' حتی الامکان اسے کم سے کم اکیلا چھوڑتے' وہ ناراض ہوتی' غصہ کرتی' روٹھتی' تب بھی ساتھ ہی لگے رہتے' اور بالآخر چھ ماہ بعد وہ کچھ نہ کچھ سنبھل گئی کہ اب پہلے کی طرح راتوں کو اٹھ اٹھ کر زمیر زمیر کہتی باہر نہیں بھاگتی تھی' اس کی تصویر' اس کی ایک ایک چیز سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔

اس نے صبر کرنا سیکھ لیا تھا' ایک متانت اور سنجیدگی کی کیفیت اس پر اس طرح چھا گئی تھی کہ وہ بلند حوصلہ اور باہمت دکھائی دینے لگتی' اور یہ صرف اور صرف جرنل صاحب کے ان الفاظ سے ممکن ہوا تھا' جو انہوں نے زمیر کا ستارہ جرات کا امتیاز اسے دیتے ہوئے کہا تھا۔

"تم ایک شہید کی بیوہ ہو' اور شہید زندہ ہوتے ہیں' مرتے نہیں کبھی' زندوں کے لئے رونا عقل مندی نہیں' بہادر بنو بیٹی' ثابت کر دو کہ تم اس بہادر شہید کی بیوی ہو' جس نے اپنے آپ وطن پر قربان کر دیا۔"

اور اسے وہ تمغہ جرات حقیقتاً "جرات" عطا کر گیا تھا' اس کی بہتر حالت دیکھ کر ماں باپ نے بھی سکھ کی سانس لی تھی' بعد کی صورتحال بہت تشویش ناک سہی مگر ابھی تو اس کی طرف سے یہ اطمینان نصیب ہوا تھا کہ وہ پاگل پن کی حدود سے نکل آئی تھی۔

وہ اب زیادہ سے زیادہ عبادت میں وقت گزارتی تھی' اسے قرآن کی تلاوت بہت سکون پہنچاتی تھی۔

اسی طرح ململ کا سفید دوپٹہ اوڑھے وہ لان میں نکل آئی۔ دور کہیں سے نہایت دردناک آواز میں کوئی ماہیا گا رہا تھا۔

اللہ سائیں کوئی دور نہ جاوے
اللہ سائیں کوئی دور نہ جاوے
مولا سائیں اج کوئی یاد نہ آوے
یاد نہ آوے
اج جند نو کوئی روگ نہ لاوے
وچھوڑے دا درد کوئی نہ پاوے
اج کسے نوں رول نہ کوئی جاوے
رول نہ کوئی جاوے
اللہ سائیں کوئی دور نہ جاوے
مولا سائیں اج کوئی یاد نہ آوے
یاد نہ آوے۔ یاد نہ آوے

درد کی انتہا پر ضبط کی دیواریں اشکوں کے سیلاب میں بہہ جاتی تھیں۔ وہ روتی نہیں تھی کہ شہید زند

www.pkdigest.com

ہوتے ہیں۔ اور زندوں کے لئے رونا شیوہ انسانیت نہیں ہوتا دماغ کو تو سمجھایا جاسکتا تھا' مگر دل کے اس لوتھڑے کا کیا کرتی جو خدا نے محبت کے نرم و گداز جذبات سے بھر دیا تھا' کسی پل اس کی یاد سے غافل ہونا ممکن نہ تھا' محبت بھی تو خدا ہی دلوں میں اتارتا ہے۔

جو شخص لہو کی طرح جسم میں گردش کرتا ہو جس کا پیار' ہر مسام کی پکار ہو' وہ بھلایا جاسکتا ہے بھلا! ہرگز نہیں!

تو پھر کیسے اس کی محبت کو نظرانداز کرکے وہ اپنے خیالات کو دنیاداری کی طرف مبذول کرتی۔

سوچ میں گم بیٹھی تھی' جب عکرامہ نے آکر فواد کے آنے کی اطلاع دی' وہ دوبار پہلے بھی آچکا تھا' اماں جانی' بابا سے بھی ملا تھا' افسوس کے لئے بھی آیا تھا۔

"السلام علیکم" وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"وعلیکم السلام" انتہائی سنجیدگی سے کہہ کر وہ بیٹھ گئی' فواد نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا' ململ کے سفید دوپٹے کو اچھی طرح لپیٹے وہ بے حد مقدس لگ رہی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی۔" خاموشی آخر توڑنی تو تھی' وہ تو خود سے بولتی ہی نہیں تھی' اسی نے پوچھ لیا۔

"شکر ہے خدا کا بہتر ہوں۔"

"کیا مصروفیات ہیں آج کل۔"

"کچھ بھی نہیں' بس گھر کا کام ہی کرلیتی ہوں' تھوڑا بہت۔"

"ہم تو بہت کہتے ہیں کہ باہر کہیں گھومنے پھرنے جایا کریں' زندگی کی دیگر دلچسپیوں میں بھی حصہ لیں۔" امی چائے کی ٹرالی اندر لاتی ہوئی اس کی بات کا جواب دینے لگیں۔

"بالکل آنٹی۔ اور آج میں اسی لئے حاضر ہوا تھا کہ ہمارا گروپ آوٹ آف سٹی پیکنک کے لئے جارہا ہے' اگر اوینہ چاہیں تو۔" اس نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں فواد صاحب' سوری میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گی۔" اس نے سہولت سے انکار کردیا' اور فواد کے دل میں لمحہ بھر کو ہلچل سی مچ گئی۔ وہ ساتھ دینے سے انکاری تھی' وقتی ساتھ یا عمر بھر کا!

وہ تو کچھ اور ہی سوچ بیٹھا تھا۔ اور ابھی اس سے کچھ پوچھنا نہیں چاہتا تھا' وہ جن حالات سے دوچار رہی تھی' زمیر سے جذباتی اور دلی وابستگی' سب کچھ اتنی آسانی سے نہیں بھلایا جاسکتا تھا' اور اسے انتظار کرنا تھا' مناسب وقت کا۔

باوجود آنٹی کے کہنے کے وہ راضی نہیں ہوئی تھی۔ وہ کچھ شکستہ دل سا واپسی کے لئے پلٹا۔ وہ مایوس نہیں تھا' بس دل کی شدت کے ہاتھوں مجبور تھا' اس کا کم عمری میں ہی اتنا بڑا دکھ' صدمہ برداشت کرنا' وہ بہت متاثر ہوا تھا۔

وہ سب کچھ جانتا تھا' اس کے باوجود دل نے یہاں آکر ہی مات دی تھی' وہ بزنس مین کا بیٹا تھا' اور لاکھوں کی جائیداد کا تنہا وارث' سیاحت کا جنون کی حد تک شوق تھا' شوقیہ گائیڈ بن کر مختلف لوگوں کے ساتھ ملکوں ملکوں' شہروں شہروں گھومنے پھرنے نکل جاتا بہت دنیا دیکھی تھی' بہت گھوما تھا' طرح طرح کے لوگوں سے ملا تھا' ہزاروں لڑکیوں کا اس کی طرف جھکاؤ ہوا تھا' وہ خاصا پرکشش اور اسمارٹ جوان تھا' مگر آوارہ گردی کے جنون میں کسی کی طرف توجہ دینے کی مہلت ہی نہ مل سکی' اور دل خانہ خراب نے دھایا بھی تو کس مقام پر۔

وہ خود کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا' اس کا حصول بہت مشکل تھا' مگر نہ دل ہی مانتا تھا اور نہ محبت ہی ہارنے کو تیار تھی' سو ہتھیار ڈال کر میدان میں اتر آیا' کوشش تو بہرحال کی جاسکتی تھی' نتیجہ جو بھی ہوتا۔

"چلی جاتیں نا بیٹا' اتنا اچھا لڑکا ہے' تم جانتی بھی ہو اسے' دل بہل جاتا۔"

"نہیں امی۔ مجھے دل بہلانے کو کسی وقتی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اب کوئی بھی منظر' کوئی نظارہ بھی متاثر نہیں کرسکتا۔" وہ بے حد آزردگی سے کہہ کر باہر چل دی۔

اور اماں جانی گہری سوچ میں گم اسے جاتا دیکھ رہی تھیں' فواد کے آنے سے انہیں بھی اوینہ کی بہتری کی

امید ہو چلی تھی' اچھا لڑکا تھا' پرخلوص سلجھا ہوا' اگر۔۔۔۔

اور اس اگر سے آگے وہ زیادہ پرامید نہ تھیں' فواد سے امید تھی کہ وہ باہمت رہا' متواتر آتا رہا تو شاید اس پتھر میں بھی دراڑ پڑ جائے۔

*_*_*

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ فواد صاحب۔"

حیرانی سے اس نے پوچھا تھا' اور فواد آج طے کرکے آیا تھا کہ اس سے بات ضرور کرے گا' کئی دفعہ آیا تھا' اور ہر دفعہ ہی وہ ہمت ہار جاتا تھا' اگرچہ گھر والوں کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اور اس کی والدہ کا سلوک تو بہت ہی اچھا اور بامعنی ہوتا جارہا تھا' وہ شاید ابھی خود کو اس کے سامنے واضح نہ کرتا مگر آنٹی کی باتوں نے عملی قدم اٹھانے پر مجبور کردیا تھا۔

انہوں نے کتنی امید سے کہا تھا۔

"بیٹا تم تمام حالات جانتے ہو' اوینہ کی ذہنی و جذباتی کیفیت بھی سمجھتے ہو' میں اس کی تنہائی برداشت نہیں کرسکتی' اس کی اتنی لمبی زندگی یوں نہیں کٹ سکتی' وہ خواہ کتنا انکار کرے' مگر میں ہاں ہوں' میں اس کو زمیر کے سحر سے نکال کر دوبارہ حقیقی زندگی کی طرف لوٹانا چاہتی ہوں' اور تم یہ کام کرسکتے ہو' تمہارا خلوص' بے ریا محبت اور حوصلہ' مجھے امیدوں کا مرکز تم ہی لگتے ہو' قدم بڑھاؤ بیٹا ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

اور اس نے اتنی بڑی سفارش کے بل پر ہی خود کو اس مرحلے کے لئے تیار کرلیا۔ کم از کم ایک محاذ پر تو وہ اکیلا نہیں تھا۔

"میں بہت خلوص اور۔۔۔!" اس نے کہنا چاہا مگر اس نے درمیان ہی بات کاٹ دی۔

"اور ہمدردی' رحم کی وجہ سے نا' آپ مجھ بیوہ کی اداسی دور کرنے کو اپنی زندگی کی قربانی دینے پر تیار ہوگئے ہیں۔" بہت گہرا طنزیہ لہجہ تھا' وہ بمشکل دل سنبھال سکا۔

"نہیں اوینہ' بالکل غلط سوچ ہے آپ کی۔ ہمدردی ترحم' ترس یہ سب باتیں تو غیروں والی ہیں' ان سب کے علاوہ بھی ایک آفاقی اور لافانی جذبہ ہوتا ہے' اور آپ جانتی ہیں اچھی طرح اسے۔" اس نے برا مانے بغیر بے حد تحمل سے کہا۔

"آپ جانتے ہیں سب کچھ' پھر بھی!" اس نے استہزائیہ سوال کیا۔

"جی جانتا ہوں تبھی حوصلہ کرپایا ہوں' اجنبی لوگ اتنے دعوے کے ساتھ کسی کا ساتھ نہیں مانگ سکتے۔"

"سوری فواد صاحب' زمیر کے بعد اب کوئی دوسرا شخص میری زندگی میں' دل میں جگہ نہیں پاسکتا۔" وہ بے حد سفاکی سے کہہ کر باہر نکل گئی' اور فواد احمد سختی سے دانتوں کو جمائے بیٹھا سوچتا رہا۔

یہ سب کچھ اتنا آسان نہ تھا' اور نہ ہی وہ لاعلم تھا' اسی لئے نئے سرے سے ہمت باندھے دوبارہ حاضر ہوگیا تھا۔

"فواد صاحب خدا کے لئے' زندگی میرے لئے پہلے ہی بہت سہل نہیں ہے' آپ کیوں مجھے چین نہیں لینے دیتے' کیوں میرے پیچھے پڑ کر میرا سکون' اطمینان سب چھین لینا چاہتے ہیں' کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا' کیوں مجھے چین نہیں لینے دیتے آپ لوگ۔"

وہ کچھ اس طرح تڑپ تڑپ کر چیخی تھی کہ فواد کا دل بری طرح کانپ اٹھا' لمحوں میں آندھیاں سی چل گئیں دل کی بستی میں۔ وہ عزیز ہستی اسے اور اس کے خلوص کو غلط سمجھ رہی تھی' اسے مورد الزام ٹھہرا رہی تھی' وہ خود اس کی ہستی کے سارے دکھ غم اور راہوں کے کانٹے چننا چاہتا تھا۔ وہ اسی سے بیزار تھی' گریزاں تھیں۔

مگر وہ بھی ہمت ہارنے والا نہیں تھا' عہد کرلیا تھا دل میں اس کی نفرت کے باوجود وہ اسے محبت کا احساس دلائے گا' زندگی کی مسکراہٹوں کی طرف متوجہ کرے گا۔ مگر یہ سب وہ جتنا ممکن سمجھتا تھا' اتنا ہی مشکل ثابت ہو رہا تھا' وہ اس سے ملنے سے انکاری تھی' اس کی بات سننے کی روادار نہ تھی' اور وہ ہر دفعہ ہی شکست خوردہ' بکھرا وجود ٹوٹا دل لئے مایوس لوٹ آتا۔

وہ پتا نہیں اتنی بے رحم کیسے ہوگئی تھی' اس نے کبھی ضد نہیں کی تھی' کبھی اپنے والدین کا کہا یوں بے

www.pkdigest.com

دردی سے نہیں ٹھکرایا تھا' پھر اب۔۔۔ اب سب کے سمجھانے کے باوجود' اماں جانی کی التجاؤں کو بھی نظر انداز کر رہی تھی' وہ ماں تھیں' یہ موقع کیسے جانے دیتیں جبکہ فواد خود طلبگار تھا' اور اب اس کی زندگی میں وہ پہلے والا معاملہ تو نہیں تھا کہ رشتوں کی لائن لگ جاتی۔ فواد ہر لحاظ سے انہیں مناسب لگتا تھا' مگر باوجود سمجھانے کے وہ قطعی انکاری تھی۔

اسے شدید غصہ آتا تھا' پتا نہیں یہ سب لوگ میرے ہی پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں' اماں' بابا کو وہ صاف کہہ چکی تھی کہ اگر وہ اتنی ہی بھاری ہے تو وہ نوکری کرے گی' وہ تو اولاد کو سمجھتے تھے' سو چپ ہو رہے' کیا جواب دیتے مگر فواد تو جیسے ضد باندھ کر میدان میں اترا تھا۔

"فواد صاحب' آج تو آپ سارے دعوے کر رہے ہیں کہ میں یہ کروں گا' وہ کروں گا' مگر کل جب میں آپ کے نام سے منسوب ہو گئی تو آپ میری سوچوں پر بھی پابندیاں لگانے کی کوشش کریں گے' میں زمیر کو نہیں بھول سکتی' وہ میرے دل میں ہے اور ہمیشہ رہے گا' آپ سے برداشت ہو گا' میرے دل میں دوسرے کی محبت کا زندہ رہنا!"

وہ سوال کر رہی تھی' یہ جانے بغیر کہ مقابل سے اس قسم کے سوال کر کے وہ اسے اذیت کے کن صحراؤں میں دھکیل دیتی تھی' جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اسے' وہ جو صبر و ضبط کا دامن تھامے ہوا تھا' چیخ اٹھا۔

"ہاں میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں' صرف تم اپنے ذہن و دل کو صاف کر لو۔ مجھے آزما کر دیکھو اوینہ' کبھی بھی اگر میں نے تمہیں زمیر کے حوالے سے یا اس کی محبت کو زیر بحث لا کر تمہاری تذلیل کی تو مجھے جو سزا چاہو سنا دینا۔ مگر خدا کے لئے میرا ضبط یوں نہ آزماؤ' یوں برداشت کا امتحان نہ لو' میرے دل کے درد کا اندازہ نہیں کر سکتی ہو تم' جو اذیت مجھے ہوتی ہے' تمہاری باتوں سے' خدارا تم تو خود محبت بھرا دل رکھتی ہو' پھر اتنا ظالم انداز' اتنا کرخت' اجنبی لہجہ کیوں۔۔۔ کیوں!"

اس نے اتنے کرب اور یاس سے کہا تھا کہ پل بھر کو وہ بھی چپ ہو گئی تھی۔

وہ چلا گیا تھا' بہت دلگرفتہ' اداس' ہارے ہوئے جواری کی طرح' اسے سوچوں کے صحرا میں چھوڑ کر' رشتے تو ایک دو اور بھی آئے تھے' وہ خوبصورت پڑھی لکھی دولت مند باپ کی اکلوتی بیٹی تھی' اور امیدوار سارے ادھیڑ عمر رنڈوے' دوسری شادی کے خواہاں' اولاد کے لئے چاہت رکھنے والے لوگ تھے' اماں جانی بابا اسی معاشرے میں رہتے تھے' ان ہی لوگوں سے میل ملاپ تھا' وہ کیسے خود کو ان زہریلی باتوں' طنزیہ مشوروں سے بچا سکتے تھے' جو لوگ اوینہ کے حوالے سے دے جاتے تھے۔

زندگی اس معاشرے میں تنہا کاٹنا' مرد کے بغیر' کس قدر مشکل تھا' قدم قدم پر لوگوں کی ہوس بھری نگاہیں تھیں' طنز و تحقیر کے فقرے تھے' گندی ذہنیت کے مظاہرے تھے' اسے منحوس تک کے الفاظ سننے پڑے تھے' کہ وہ صرف ایک ماہ بعد ہی بیوہ ہو کر گھر آ گئی تھی۔

سسرال میں سے بھی تو کوئی نہیں آیا تھا' صرف اس کے سسر ہی حیات تھے' وہ بھی دو ماہ بعد ہی چل دیئے' وہ اکیلا تھا' شادی بھی ماموں نے کی تھی اور انہوں نے ہی بیٹا بنا کر تمام کام سرانجام دیئے تھے' اور اب اس کا تمام انحصار والدین پر ہی تھا' وہ نوکری کرنا چاہتی تھی' دل کے بہلانے کو' غلط سلط' کربناک سوچوں سے نکلنے کا واحد حل یہی تھا' مگر اماں اور ابا اس بات کے لئے قطعی تیار نہ تھے' وہ دنیا کی مزید زہریلی باتیں اور طعنے برداشت نہیں کر سکتے تھے' سو وہ بھی گھر ہی پر قید کی صورت زندگی کاٹ رہی تھی۔

اس وقت بھی کچھ ایسی ہی سوچوں میں گم تھی کہ بابا آ گئے۔

وہ تیزی سے اٹھ کر انہیں ملی' بہت حساس ہو گئی تھی وہ۔

"بیٹا میں تم سے التجا کرتا ہوں' ہماری بات مان لو۔" بابا ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بالآخر موضوع پر آ گئے تھے۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"ایسا مت کہیں' خدارا مجھے گنہگار نہ کریں۔"

"تو بیٹا تم مان لو' یہ جان لو کہ ہم تمہارے بھلے کو ہی

کہہ رہے ہیں۔"

"میں نے کبھی آپ کا حکم نہیں ٹالا' ہمیشہ ہاں ہی کہا ہے' مگر اب مجھے مجبور نہ کریں' میں۔۔۔ میرا دل نہیں مانتا' بابا پلیز' میں آپ کو کبھی تنگ نہیں کروں گی۔ کبھی فرمائش نہیں کروں گی' خدارا بابا مجھے خود سے الگ نہ کریں۔"

وہ بابا کے سینے سے لگی بلک بلک کر یوں روئی کہ انہیں لگا جیسے اس کا وجود آنسوؤں میں ڈوب جائے گا۔ بہت دیر تک خود کو سنبھال کر وہ اسے تسلی دیتے رہے اور پھر واپس آ گئے۔

انہوں نے سوچ لیا تھا کہ دوبارہ اسے اس بات کے لئے مجبور نہیں کریں گے۔ وہ ان کی بیٹی تھی' وہی فیصلے سے انکاری تھی' تو کیوں زور دیتے' اس کی بھلائی کے لئے زور دیتے تھے۔ مگر اسے اذیت ہوتی تھی تو کیوں دکھ تکلیف کا سلسلہ دراز کرتے۔ انہوں نے اماں کو بھی منع کر دیا تھا۔ اور فواد بھی اس دن کے بعد نظر نہیں آیا۔

آج کل وہ بے حد تنہائی محسوس کر رہی تھی' سعد اللہ شاہ کی کتاب رفعت نے اسے دی تھی' "تشنگی باقی رہے گی۔" اس کے خیال میں اس کی سوچوں کی مرکزیت بدلنے کے لئے مطالعہ ضروری تھا' وہ کتابوں سے اپنا غم کچھ دیر کو بھول جاتی تھی' مگر جب کتابوں میں بھی وہی لفظ' وہی درد و کرب کا اظہار ہوتا تھا' تو دوبارہ بکھرنے لگتی تھی۔

اس کی خاطر آنکھ میری دن رات روتی ہے کیوں

یہ جدائی اس قدر تکلیف دہ ہوتی ہے کیوں!
کیوں تعلق کٹ چکا ہے میرا ہر انسان سے!
سوچ میرے ذہن میں خدشات ہی بوتی ہے کیوں

......*

وہ گھر بیٹھے بیٹھے تنگ آ گئی تھی۔ لہٰذا آج اس نے باہر نکلنے اور شاپنگ کا پروگرام بنایا تھا۔ شاید اسی طرح ذہنی سوچوں اور ٹینشن سے نجات مل جاتی۔ مختلف ضروری اور غیر ضروری اشیاء دیکھنے اور خریدنے میں اتنی دیر لگ گئی کہ وہ اندھیرا پھیلتے دیکھ کر جلدی سے مارکیٹ سے نکل آئی' ٹیکسی کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑائیں' ایک مارگلہ اس کے بے حد قریب آ کر رکی چونک کر دیکھا عظیم صاحب ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھے۔

"مس اوینہ' میں ڈراپ کر دوں۔" ان کی پیش کش پر وہ کچھ ہچکچائی مگر وہ منتظر تھے' ویسے بھی وہ بابا کے دوست تھے' شادی سے پہلے تک تو وہ انہیں انکل ہی کہتی تھی' بیوی فوت ہو چکی تھیں' دو بچے تھے جوان جو پڑھ رہے تھے۔ خود وہ بزنس کرتے تھے۔

"کیا کرتی رہتی ہو اوینہ سارا دن۔" انہوں نے گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھایا۔

"کچھ نہیں' بس ایسے ہی وقت گزر جاتا ہے۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"تنہائی بہت جان لیوا ہوتی ہے' کسی ہمدرد' چاہنے والے ہم سفر کے بغیر دن صحرا اور راتیں کانٹوں کی سیج بن جایا کرتی ہیں' میں جانتا ہوں اس تنہائی کو۔" انہوں نے آہ بھر کر کہا۔

وہ صحیح کہہ رہے تھے' اوینہ کے زخم بے دردی سے ادھیڑ دیئے تھے انہوں نے بے خبری میں۔

"اوینہ اتنی ساری دولت کے باوجود میں بے سکون ہوں' اولاد کے ہوتے ہوئے تنہا ہوں' اب تو یہ تنہائی بہت محسوس ہوتی ہے' کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے' درویش بن کر جنگلوں میں نکل جاؤں' کیا فائدہ اس دولت کا' جو کام نہ آئے' سکھ اور راحت نہ دے۔"

اوینہ خاموش تھی اور وہ بولے جا رہے تھے' اپنا آپ نہ جانے کیا سمجھ کر اس کے سامنے عیاں کر رہے تھے۔

"اوینہ جو خود دکھی ہو' دوسرے کے دکھ کو بہتر سمجھتا ہے' جس نے تنہائی کا زہر پیا ہو وہ اس کی کڑواہٹ سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے' تم ابھی کم عمر ہو' بہت لمبی زندگی یوں نہیں کٹ سکتی' میری باتوں پر غور کرنا' اپنا سمجھ کر۔" انہوں نے اترنے سے پہلے لمبی چوڑی تمہید کے بعد آخری فقرہ خاصے معنی خیز انداز میں کہا تو وہ پاؤں نیچے رکھتے ہوئے ساکت سی رہ گئی' حیرانی اور دکھ

www.pkdigest.com

سے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

آنکھوں میں امید، خواہش اور چاہت کے رنگ لئے وہ اسے دیکھ رہے تھے، اسے کرنٹ سا لگا، فوراً نیچے اتر کر بھاگتی ہوئی گیٹ پار کر گئی، پلٹ کر دیکھا تک نہیں کہ وہ ہنوز اسے مرکز نگاہ بنائے ہوئے تھے۔

"میرے خدا، عظیم صاحب کی یہ جرات، وہ بوڑھا، جوان بچوں کا باپ، اور ایسی باتیں۔!" غصے، اذیت اور صدمے سے اس کی رگیں تن گئیں، دماغ سوچ سوچ کر پھٹنے لگا تھا۔

"تو اب یہ کچھ بھی سننا پڑے گا۔" اس نے دکھتے سر کو تھام لیا، اس کے باوجود وہ ضبط کر گئی تھی، کسی کو کچھ نہیں بتایا، خود ہی سب برداشت کر لیا تھا۔ مگر یہ سب برداشت کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ عظیم صاحب اگلے ہفتے ہی گھر آ گئے تھے، اتفاقاً" وہ لان میں اکیلی ہی بیٹھی تھی، اسے دیکھ کر ان کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ سیدھے وہیں آ گئے، دلی مراد پوری ہوئی تھی۔

"آپ۔" وہ فوراً" سیدھی ہو بیٹھی، خطرے کا سائرن اندر بج گیا تھا۔

"السلام علیکم اوینہ، کیسی ہو۔" انہوں نے بے حد اپنائیت سے سلام کر کے پوچھا۔ اور سامنے کرسی پر براجمان ہو گئے۔ اس نے بے بسی سے اندر دیکھا، اماں جانی سو رہی تھیں، بابا کہیں گئے ہوئے تھے۔

"آپ بیٹھیں، میں چائے لاتی ہوں۔" جان چھڑانے کا بہترین حل سوجھا تھا۔

"ارے نہیں نہیں، اوینہ پلیز یہ چائے وغیرہ کی زحمت نہ کرو، میں نے تم سے بات کرنی ہے، بیٹھو۔" اور وہ بے بسی سے بیٹھ گئی۔

"ہاں تو تم نے کیا سوچا، میری بات پر غور بھی کیا یا نہیں۔" وہ جلد ہی مطلب کی بات پر آ گئے۔

"عظیم صاحب، آپ میرے بزرگ ہیں، میرے لئے قابل احترام ہیں، میں کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتی کہ آپ کو دکھ پہنچے یا میں گستاخ، بدتمیز گردانی جاؤں۔" اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"اوہو بھئی، تم تو خوامخواہ جذباتی ہو رہی ہو، دیکھو میں تو تمہاری تنہائی اور دکھ۔۔۔"

"میری تنہائی اور دکھ میرے اپنے ہیں، میں کسی کو بھی انہیں شیئر کرنے کی اجازت نہیں دوں گی، آپ کو اس طرح کی بات سوچنی بھی نہیں چاہئے تھی۔" اس نے بمشکل غصہ ضبط کیا۔

"اوہ تو یہ کہو، میرے یہ کہنے پر اعتراض ہے تمہیں، بھئی سچی بات ہے کہ اب تمہیں خوش فہمی اور خوابوں کی دنیا سے باہر آ جانا چاہئے۔" انہوں نے طنزیہ اور تمسخرانہ انداز میں کہا۔ اس کے تن بدن میں شعلے دہک گئے۔

"عظیم صاحب، آپ حد سے بڑھ رہے ہیں، بہتر ہے فوراً" یہاں سے چلے جائیں، ورنہ میں۔۔۔"

"ورنہ کیا! کیا کر لو گی تم، مجھے ایسا ویسا گرا پڑا سمجھ رکھا ہے۔۔۔ مجھے تو صرف تمہارے ابا کی دوستی کی وجہ سے تمہارے ساتھ ہمدردی ہوئی تھی، مجھے کیا علم کہ تم ابھی تک خود کو کنواری دوشیزہ سمجھ رہی ہو، ہوں۔۔۔ بیوہ عورت ایک رات کی ہو یا ایک سال کی، ہوتی بیوہ ہی ہے۔ کوئی کنوارا جوان تو ملنے سے رہا۔"

وہ زہریلے تیر اس کی سماعتوں کے ذریعے دل میں اتار کر چلے گئے تھے، اور اوینہ کو لگا اسے سر بازار ننگے سر کر دیا گیا تھا، وہ ظالم، بے رحم، ہوس پرست شخص کیا کہہ گیا تھا اسے۔

اب راہ چلتے، گھٹیا لوگ بھی اپنی حیثیت اور عمر بھول کر اسے شادی کی پیشکش کرنے لگے تھے، یہ حالات آ گئے تھے اب، وہ تمام رات اس نے روتے ہوئے، زمیر کو یاد کر کے تڑپ تڑپ کر گزار دی تھی، اور نتیجتاً" صبح تیز بخار میں جل رہی تھی۔

سارا گھر پریشان تھا، سبھی اس کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھے تھے، بابا جانی حد درجے پریشان تھے، اور فکر مند تھے، اماں جانی نے جائے نماز سنبھال کر تسبیح پکڑ لی تھی، دونوں بھائی رات دن کا چین سکون بھلائے ہوئے تھے، ڈاکٹرز کی رائے تھی کہ کسی گہرے صدمے کے زیر اثر وہ شدید ذہنی اور اعصابی دباؤ کا شکار ہوئی تھی، شکر تھا کہ نروس بریک ڈاؤن نہیں ہوا تھا، مگر بخار بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

تمام دن وہ بے سدھ بے ہوش رہی تھی، اور ان

چاروں کی جان بھی سولی پر اٹکی رہی تھی، رات کو اس کا بخار کم ہوا تو ہوش آیا، مگر جلد ہی وہ پھر غافل ہو گئی، عکرامہ نے اطمینان دلاتے ہوئے اماں اور بابا دونوں کو عمران کے ساتھ گھر بھیج دیا تھا، تاکہ وہ کچھ آرام کر لیں، بہت پریشان اور حد درجے بے آرام رہے تھے سب۔

عکرامہ بغور اس کے چہرے کی زرد رنگت اور کمزور مضمحل چہرے کو دیکھ رہا تھا، اور پھر وہ بھی کچھ دیر بعد اونگھنے لگا، رات بھر کا تھکا ہوا تھا۔

*_*_*

"زمیر۔۔۔ زمیر۔۔۔" وہ زمیر کو دیکھتے ہی اس کے پیچھے بھاگی، وہ جانے کیوں اس سے دور ہوتا جا رہا تھا، اور وہ چیختی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھی آوازیں دے رہی، پھر ایک دم ہی اس کے سامنے ایک بہت بڑا دریا آ گیا، بہت بڑا، شوریدہ لہروں سے بھرا ہوا، زمیر اس کے دوسری طرف تھا، اور وہ اس کنارے سے چیخ رہی تھی، پھر ایک دم ہی اس نے دیکھا کہ فواد ایک کشتی میں بیٹھا اس کی طرف آ رہا ہے، وہ جلدی سے اس کی کشتی میں بیٹھ گئی، اور دونوں زمیر کی طرف بڑھنے لگے۔ اور پھر اس نے حیرت انگیز منظر دیکھا، زمیر جو اس سے ناراض ناراض دور ہی جا رہا تھا، دونوں کو دیکھ کر مسکراتا ہوا ان کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ بے تابی سے کشتی کے کنارے لگتے ہی اتر کر اس کی طرف بھاگی۔

"زمیر۔۔۔ تم، تم آ گئے، کہاں چلے گئے تھے، مجھے اکیلا چھوڑ کر، میں تمہارے بنا اکیلی ہوں، بہت اداس ہوں، میں روتی رہتی ہوں زمیر۔" وہ اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بتانے لگی۔

"بری بات اور تم مجھے یاد کر کے روتی ہو، دیکھو فواد کتنا اچھا ہے، تمہیں یہاں تک بھی لے آیا، تمہارا بہت خیال رکھتا ہے۔ جاؤ اس کے ساتھ واپس چلی جاؤ، مجھے تو اور آگے جانا ہے۔" وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھا رہا تھا۔

"نہیں میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ کبھی نہیں، مجھے فواد اچھا نہیں لگتا، میں نہیں جاؤں گی۔" وہ اس سے لپٹ کر انکار کرنے لگی۔

"دیکھو تم مجھے تکلیف دینا چاہتی ہو، میرا کہنا نہیں مانو گی تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں زمیر، مجھ سے ناراض نہ ہونا، مجھ سے ناراض نہ ہونا۔" وہ اس کی دھمکی سے تڑپ اٹھی۔

"تو پھر جاؤ، فواد کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر ادھر چلی جاؤ، میں کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔" اس نے پیار سے سمجھایا تو وہ آہستہ سے اسے دیکھتی ہوئی فواد کی کشتی میں بیٹھ گئی۔ اور زمیر نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا، وہ تڑپ کر اسے روکنے کو بڑھی اور دریا میں گرنے ہی لگی تھی کہ فواد نے مضبوطی سے تھام لیا۔

وہ بری طرح چیختی ہوئی بیدار ہوئی تھی۔

عکرامہ فوراً" اچھل کر سیدھا ہوتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

"کیا ہوا! کیا ہوا اوینہ، کیا کوئی خواب دیکھ لیا۔" وہ اس کا سر پیار سے سہلاتا ہوا آہستہ آہستہ جگانے لگا، اور اوینہ بھی ایک دم مکمل ہوش میں آ گئی۔

"عکرامہ۔" اس نے چاروں طرف حیرت سے دیکھا۔

"ہاں اوینہ، بولو۔" وہ اسے پسینے سے تربتر پریشان دیکھ کر پیار سے پوچھ رہا تھا۔

"عکرامہ، وہ زمیر، زمیر کو میں نے دیکھا تھا۔ میں فواد کے ساتھ اس کے پاس گئی تھی، مگر وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا، مجھے فواد کے ساتھ واپس بھیج دیا۔" اور عکرامہ فواد کا نام سن کر بری طرح چونک اٹھا۔ بے ربط انداز میں وہ بتا رہی تھی۔

"فواد کے ساتھ واپس بھیج دیا! اوینہ تم نے جو خواب دیکھا ہے۔ اس پر غور کرنا، اس میں بھی ایک بہت بڑا راز چھپا ہے۔ زمیر کی خوشی اور فواد کے ساتھ جانے کی اجازت دینا، اس کا مطلب تو بہت واضح ہے، پلیز اوینہ غور کرو۔"

عکرامہ نے تمام خواب سن کر بے چینی سے کہا، اور مضطرب تو وہ بھی کم نہ تھی، عجیب خواب تھا، زمیر کو بہت اچھی حالت میں دیکھا تھا، خوبصورت لباس پہنے خوشبو لگائے وہ کھڑا تھا، اور اس نے کتنی نرمی سے اسے سمجھا کر فواد کے ساتھ واپس بھیج دیا تھا۔

www.pkdigest.com

فواد!
تو کیا اس شخص کی محبت کا علم زمیر کو بھی ہو گیا ہے۔ یا وہ ہی دن بھر کی سوچوں کو مجسم حقیقت بنے خواب میں دیکھ رہی تھی' ذہن بری طرح الجھ گیا تھا۔ بخار تو کم تھا' مگر ٹینشن ہنوز قائم تھی' اسے خود سے الجھا ہوا' اور پریشان دیکھ کر عکرامہ کو اور تو کچھ نہ سوجھا' وہ فواد کے پاس پہنچ گیا۔

*_*_*

وہ خاموش' سوچ میں گم بیٹھی تھی' جب فواد نے آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر جھانکا' اور اسے گم سم دیکھ کر کھنکار کر متوجہ کیا۔

وہ اسے یوں اچانک سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ اس کے متعلق تو وہ سوچ رہی تھی' رات کو دیکھنے والے خواب کو سوچ سوچ کر الجھ گئی تھی۔

"السلام علیکم' کیسی ہیں آپ! کیسی طبیعت ہے۔" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"آپ کو کس نے بتایا!" حد درجے حیرانی سے دریافت کیا۔

"مجھے رات کو خواب میں پتا چلا تھا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"خواب! کیسا خواب؟ کیا دیکھا آپ نے!" وہ بری طرح چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"بس خواب میں زمیر کو دیکھا کہ وہ مجھے بتا رہے ہیں کہ اوینہ بیمار ہے' اور تم اسے دیکھنے بھی نہیں گئے۔ صبح آنکھ کھلی' بہت سوچا اس خواب کے متعلق' پھر حوصلہ کر کے یہاں آگیا کہ میں کسی شہید کی روح کو بے قرار نہیں دیکھ سکتا' وہ آپ سے بہت محبت کرتے تھے' اور آپ سے وابستہ' آپ سے مخلص ہر شخص کا علم ہے انہیں۔" وہ منہ کھولے فواد کا خواب سن رہی تھی۔

"تو کیا زمیر کی بھی یہ خواہش ہے!" اس نے دل میں سوچا۔

"اوکے اوینہ' میں چلتا ہوں آپ کو دیکھ لیا تسلی ہو گئی اور اب اگر زمیر خواب میں آیا تو بتا دوں گا کہ آپ ٹھیک ہیں۔" اس نے دوبارہ سنجیدگی سے کہا اسے بہت عجیب لگا۔

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"نہیں' بخدا نہیں اگر زمیر آپ کے خواب میں آسکتے ہیں تو میرے کیوں نہیں!"

"ہیں! آپ کو میرے خواب کا کیسے علم ہوا!" اب اور حیرانی سے پوچھا گیا۔

"محبت کرنے والے چاہے بظاہر دوسروں کے رویے سے دلبرداشتہ ہو کر دنیاوی رابطے منقطع کر لیں۔ مگر دلی رابطے کبھی نہیں ٹوٹتے' میرا دل اور ذہن دونوں آپ کی سوچوں اور دھڑکنوں سے واقف ہیں۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہا تو وہ بے اختیار نظر چرا گئی۔

اور اگلے کئی روز تک وہ اسی الجھن اور کشمکش کا شکار رہی۔ اس نے خواب کی تعبیر بھی معلوم کرائی تھی' اور یہی پتا چلا تھا کہ فواد کو زمیر نے اس کے حوالے سے قبول کر کے پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ اور وہ اس دن بہت روئی تھی۔ کھوئی کھوئی کیفیت میں اماں جانی نے آکر ہلچل مچا دی۔

"بیٹا فواد ایک بار پھر طلبگار بن کر ہمارے در پر آیا ہے' اور اس دفعہ اسے مایوس خالی ہاتھ لوٹانا میرے لئے بہت مشکل ہے' تم خوب سوچ کر جواب دینا۔ اپنے خواب کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا۔"

وہ اسے سمجھا کر چلی گئیں' اور وہ فیصلے کی صلیب پر لٹک گئی' بہت سوچا' بہت غور کیا جو کچھ دن میں سوچتی رات کو خواب میں دیکھ لیتی' کبھی فواد زمیر کے ساتھ ہوتا' اور کبھی اس کے ساتھ' وہ اس صورتحال سے تنگ تھی' بے انتہا پریشان' تھک گئی تھی وہ دو کشتیوں میں سوار ہو کر کسی پل چین نہ تھا' دل کو قرار نہ تھا۔

لان میں بیٹھی وہ ایک ٹک سفیدے کے اونچے درخت کو دیکھ رہی تھی' جب فواد چلا آیا۔

"ہیلو اوینہ' ہاؤ آر یو!"

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا' خواب والی بات کے بعد تو وہ اکثر آنے لگا تھا' وہ منع بھی نہیں کر سکتی تھی کہ زمیر کی ناراضگی کا خوف تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اداسی سے کہا تو وہ چونک گیا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں۔" اس کے دل میں دراڑیں سی پڑنے لگتی تھیں اسے یوں پریشان حال' خود سے بیگانہ الجھا ہوا دیکھ کر۔

"جی۔" مختصر ترین جواب تھا' وہ تو زیادہ بات بھی نہیں کرتی تھی۔

"اوینہ میں آپ کا جواب سننے کا متمنی ہوں۔" بالآخر وہ اصل مدعا بیان کر ہی گیا۔ اور اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی' جب اس نے ناراضگی غصہ کرنے کی بجائے خاموشی سے اسے دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

"زمیر نے خواب میں آپ سے مجھے خوش رکھنے کو کہا تھا!" وہ اس کا سوال سن کر چونکا۔

"ہاں' ہاں!" وہ جلدی سے کہہ اٹھا۔

"تو آپ اس کی خواہش کے مطابق مجھے خوش رکھنے کو یہ ساتھ چاہتے ہیں!"

اس کے لہجے میں نہ طنز تھا نہ جستجو' بس اک بے نام سا ملال' افسوس' تشنگی سی محسوس ہوئی۔

"ہاں اس شخص کی خواہش کے ساتھ ساتھ یہ میری طلب کا بھی سوال ہے۔" اس نے سچے دل سے کہا وہ خاموش بیٹھی رہی' پھر ایک طویل آہ بھر کر بولی۔

"ٹھیک ہے' فواد' آپ اماں سے بات کر لیں۔" وہ کہہ کر رکی نہیں اندر چلی گئی۔ اور فواد سکتے کی حالت میں بہت دیر بیٹھا رہا' یقین و گمان کے بیچ لٹکا' اور جب ادراک ہوا' ہوش آیا کہ وہ کیا سندیسہ جاں فزا دے گئی ہے تو چیخ اٹھا' بے تحاشا بھاگا' عکرامہ نے بمشکل گرنے سے بچایا۔

"بھائی صبر صبر' کیسی کیا افتاد ٹوٹ پڑی' خیریت!"

"عکرامہ وہ۔۔۔ وہ مان گئی' اوینہ مان گئی۔" وہ خوشی سے بے قابو بے ربط الفاظ بول رہا تھا' عکرامہ کو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی۔

"اس کا مطلب ہے' اپنا منصوبہ کامیاب رہا۔" اس نے معنی خیزی سے کہا۔

"ہاں تم نے جو بتایا میں نے کہا' اور نتیجہ مثبت ہے بس اللہ سے جھوٹ کی معافی مانگ لیں گے۔"

"جو جھوٹ کسی کی زندگی بچانے اور سنوارنے' اصلاح کرنے کی خاطر بولا جائے' وہ قابل گرفت نہیں ہوتا' اوینہ نے جو خواب دیکھا' اس کو بیس بنا کر ہم نے اس پر کام شروع کر دیا' اور آج کامیاب ہیں۔" عکرامہ نے خوشی سے کہا۔

"ہاں مگر اسے کبھی یہ خبر نہ ہونے پائے۔"

"ہرگز نہیں ہوگی ڈونٹ وری۔" عکرامہ نے یقین دلایا۔

"اور عکرامہ آج اس کے لہجے میں ایک عجیب سا تاثر تھا' تشنگی تھی' جب اس نے مجھ سے سوال کیا تھا' اور میرا جواب سن کر اس کی آنکھوں میں جو اطمینان بخش احساس جاگا تھا' وہ مجھ سے چھپا نہیں رہا' مجھے یقین ہے میں اپنی محبت سے اسے جلد ہی اس کیفیت سے باہر نکال لاؤں گا۔"

"فواد' زمیر بھائی کی محبت سے کبھی حسد نہ کیجئے گا۔" اس نے التجا کی۔

"ارے نہیں عکرامہ' کبھی نہیں' وہ مخلص شخص میرا دوست تھا' میں اس سے حسد نہیں کروں گا' کبھی نہیں' ہاں اپنی محبت کے اس مقام تک ضرور لے جاؤں گا جہاں وہ خود میرے وجود کا' میرے پیار کا اعتراف کرے گی۔ اور مجھے اس سلسلے میں پوری امید ہے میں مایوس نہیں ہوں' آئندہ میں کبھی جھوٹ کا سہارا نہیں لوں گا' اسے سچی کھری محبت سے لبریز زندگی دوں گا' یہ میرا وعدہ ہے۔"

اس نے عکرامہ کا ہاتھ تھام کر کہا' تو وہ بھی ہنس کر اس کے گلے لگ گیا' یہ شخص واقعی عظیم تھا' دل جیتنے کا فن جانتا تھا' اور اب اوینہ کی زندگی میں پھر سے روشنیوں کا دور دورہ ہوگا' اسے یقین تھا۔

☆.....☆.....☆

www.pkdigest.com

فرزانہ سلیم

حاصلِ مطالعہ

القرآن

○ ''اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو کافر ہیں۔'' (سورۃ المائدہ:۴۴)

○ ''بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر اللہ اپنی روزی بند کرے۔'' (سورۃ الملک:۲۱)

○ ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' (ال عمران:۸۵)

○ ''لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔'' (سورۃ البقرہ:۱۷۷)

علینہ طارق' لاہور

احادیث

☆ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس کی عصر کی ایک نماز جاتی رہی (اس کا اس قدر نقصان ہوا کہ) جیسے اس کے اہل واولاد اور سارا مال ختم ہوگیا۔''

☆ ہر فرض نماز کے بعد جو شخص آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے اس کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ ''ایسے شخص کو جنت میں داخل ہونے سے صرف موت ہی روکے ہوئے ہے۔''

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان نمازوں کا وضو اچھی طرح کیا اور ان کو بروقت پڑھا اور رکوع وسجود پوری طرح ادا کیے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور اس کا عہد ہے کہ اللہ اس کو بخش دے گا اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے ذمے کوئی عہد (بخشش کا) نہیں' چاہے بخش دے' چاہے عذاب دے۔

فرح راؤ' کینٹ لاہور

سنہرے موتی

○ مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ (البیرونی)

○ کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دل آزاری ہے۔ (حضرت مجدد الف ثانیؒ)

○ محبت اور عداوت کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ (محمود غزنوی)

○ ہزار دوستوں کی دوستی ایک شخص کی عداوت کے بدلے نہ خریدو۔ (امام شافعیؒ)

صغریٰ غزل' مظفر گڑھ

عزت کا درجہ

خلیفہ ہارون الرشید نے دیکھا کہ اس کا بیٹا اپنے استاد کو وضو کروا رہا ہے۔ اور لوٹے سے اپنے استاد محترم کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ ہارون الرشید یہ دیکھ کر بہت برہم ہوئے اور اپنے بیٹے کو خوب ڈانٹا۔

استاد نے کہا۔ ''نماز کا وقت جا رہا تھا اس لیے میں نے شہزادے کو زحمت دی۔''

خلیفہ نے کہا۔ ''میں تو ناراض اس لیے ہو رہا ہوں کہ شہزادے کا ایک ہاتھ خالی تھا۔ وہ اس ہاتھ سے آپ کے پاؤں کیوں نہیں دھوتا۔''

مینا توحید خان' جھنگ صدر

بکھرے موتی

☆ آنکھیں اندر کی بھیدی ہوتی ہیں بشرطیکہ کسی کو پڑھنے کا فن آتا ہو۔

☆ ذوق بھی موڈ اور پچویشن کے تابع ہوا کرتا ہے۔

☆ جن افراد کی آنکھوں میں ہنستے وقت آنسو آ جائیں وہ سچے ہوتے ہیں اور پرخلوص بھی۔

☆ ہر دل تخت کی مانند ہوتا ہے اس کے حکمران بدلتے رہتے ہیں۔

☆ نفرت اور ضد آکاس بیل کی طرح انسان کے وجود کو بنجر کر دیتے ہیں۔

☆ عشق جن کی رگوں میں سرایت کر جاتا ہے وہ ظاہری زندگی گزارنے کے قابل کہاں رہتے ہیں۔

☆ ہر انسان اپنے ظرف کے مطابق دوسروں سے پیش آتا ہے۔

☆ سچی محبت کا جذبہ دل میں وحی کی طرح اترتا ہے اور پھر رگ رگ میں پھیل جاتا ہے۔

شیبا صابر بٹ' اوکاڑہ

معلومات

۱۔ دنیا کا سب سے بڑا اور گہرا سمندر بحرالکاہل ہے۔

۲۔ دنیا کا سب سے گرم سمندر بحیرہ قلزم ہے۔

۳۔ چاند پر اب تک بارہ افراد جا چکے ہیں۔

۴۔ سب سے طویل دن سیارہ زہرہ پر ہوتا ہے۔

۵۔ برطانیہ کے معمار گلبرٹ اسکاٹ نے سب سے زیادہ عمارات تعمیر کی ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی' کراچی

رشتہ داروں سے سلوک

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے فرماتے سنا۔

''جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کا رزق کشادہ ہو اور اس کی عمر لمبی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔''

شہر بانو' مظفر گڑھ

کبھی سوچا ہے تم نے

○ ہم باتیں اس وقت کرتے ہیں جب ہمارے خیالات میں سکون باقی نہیں رہتا اور جب ہم اپنے دل کی تنہائی میں بسر نہیں کر سکتے۔ تب ہم اپنے ہونٹوں پر بسر کرتے ہیں۔ آواز سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ تفریح کا وسیلہ بنتی ہے۔

○ بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائیں تو قہقہوں میں شدتیں آ جاتی ہیں' کبھی شعوری طور پر کبھی لاشعوری طور پر۔

○ من موجی وہ لوگ ہیں جنھیں ٹھکرائے جانے یا نظرانداز کیے جانے کی پروا نہیں ہوتی اور جن کے پاؤں تلے زمین ہو نہ ہو وہ خود کو کس طرح بہلاتے ہیں یہ آپ نہیں جان سکتے۔

حنا محمد حنیف' کراچی

محبت

☆ محبت دل میں ہوتی ہے دل چیر کے دکھایا نہیں جاتا۔

☆ محبت ایک گھنٹہ سو برس کی بے محبت زندگی سے بہتر ہے۔

☆ کسی کے پیار کا مذاق نہ سمجھنا شاید کوئی آپ کے پیار کو مذاق سمجھے۔

☆ اعتماد محبت کی پہلی سیڑھی ہے۔

☆ کسی کا دل مت دکھاؤ کیونکہ اس میں محبت رہتی اور دکھی دل کی فریاد آسمان کا سینہ چیرتی ہے۔

☆ کسی سے محبت کرو تو سچے دل سے کرو مرتے دم تک کرو۔

☆ کسی کو جب حد سے زیادہ چاہو تو وہ مغرور ہو

www.pkdigest.com

☆ مسکراہٹ ایسا فن ہے جو آپ کی مقبولیت میں اضافہ کرتا ہے۔
☆ خواب ضرور دیکھو مگر تعبیر کی خواہش مت رکھو۔
☆ خیالوں کی دنیا میں دور نکل جاؤ تو پلٹنے کے بعد یہ ضرور دیکھنا کہ کتنا وقت برباد ہوا۔
☆ رشتے تب تک اہم نہیں ہوتے جب تک ہم انھیں اہم نہ سمجھیں۔
☆ مشاہدہ تجربے سے زیادہ موثر نہیں ہوتا۔

ثمن حنا' کوٹ عبدالمالک

عام آدمی

ایک دوست نے دوسرے سے پوچھا۔
''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''
دوسرے دوست نے اپنی طبیعت کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔
''جب میں ہسپتال پہنچا تو وہاں دو دروازے تھے۔ ایک پر لکھا تھا طب' اور دوسرے پر لکھا تھا جراحت۔ مجھے آپریشن تو کروانا نہیں تھا اس لیے طب والے دروازے سے اندر چلا گیا۔ وہاں بھی دو دروازے تھے۔ ایک پر لکھا تھا معمولی بیماری' دوسرے پر لکھا تھا شدید بیماری۔ چونکہ میں معمولی بیمار تھا اس لیے میں معمولی بیماری والے دروازے میں داخل ہو گیا۔ وہاں پھر دو دروازے تھے ایک پر لکھا تھا' وی آئی پی' اور دوسرے پر لکھا تھا عام آدمی۔ چونکہ میں غریب آدمی تھا اس لیے میں عام آدمی والے دروازے کے اندر چلا گیا۔ لیکن جب میں نے دروازہ کھولا تو دیکھتا ہوں کہ میں ہسپتال سے باہر کھڑا ہوں۔''

فرح راؤ' کینٹ

پچھتاوا

بچپن میں شیخ سعدی شیرازیؒ اپنے والد کی انگلی پکڑے ہوئے کسی میلے میں جا رہے تھے۔ راستے میں کسی جگہ بندر' بندریا کا کھیل دیکھنے میں ایسے لگے کہ والد کی انگلی چھوٹ گئی۔ والد تو اپنے دوستوں کے ساتھ آگے نکل گئے اور سعدی تماشا دیکھتے رہے۔ کھیل ختم ہوا تو والد کو سامنے نہ پا کر بے اختیار رونے لگے۔ آخر خدا خدا کر کے والد بھی انھیں ڈھونڈتے ہوئے آ نکلے۔ سعدی کو روتا دیکھ کر ان کے سر پر ہلکا سا چپت ماری اور کہا۔
''نادان بچے وہ بے وقوف جو بزرگوں کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح روتے ہیں۔''
سعدی کہتے ہیں کہ میں نے سوچا تو دنیا کو ایسا ہی پایا' ایک میلے کی طرح۔ آدمی اس میلے میں مجھ جیسے نادان بچوں کی طرح ان بزرگوں کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے' جو اچھے اخلاق سکھاتے اور دین کی باتیں بتاتے ہیں۔ تب اچانک اسے دھیان آتا ہے کہ زندگی غفلت میں گزر گئی' پھر روتا ہے اور پچھتاتا ہے۔''

پلوشہ خان' چارسدہ

خوبصورت باتیں

○ کسی کو فریب نہیں دینا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور دعا کرے کہ اے خدا رزق دے۔ خدا آسمان سے سیم و زر کی بارش نہیں کرتا۔ (حضرت عمرؓ)
○ یہ ضروری نہیں کہ جو خوبصورت ہو' نیک سیرت بھی ہو' کام کی چیز اندر ہوتی ہے باہر نہیں۔ (شیخ سعدیؒ)
○ نصیحت ایک ایسی چیز ہے جس کی عقلمندوں کو ضرورت نہیں اور بیوقوف اسے قبول نہیں کرتے۔ (عربی کہاوت)
○ بچھو کی دم میں زہر ہے سانپ کے دانپ میں اور مچھر کے سر میں لیکن برے آدمی کے پورے وجود میں زہر ہوتا ہے۔
(سری لنکا کی کہاوت)

نبیلہ نعمان' لاہور

☆☆☆

میری ڈائری سے

فریدہ خانم: کی ڈائری سے ایک نظم

ادھوری محبتوں کے دکھ

کچھ محبتیں
مکمل ہوتے ہوئے بھی
ادھوری رہ جاتی ہیں
دل میں پلتے ہوئے جذبے
آنکھوں میں رہ جاتے ہیں
اس تک پہنچنے کی راہ میں
یونہی رل جاتی ہیں
اشک بن کر
بہہ جاتی ہیں
گھن بن کر
ارماں کھا جاتی ہیں
روں میں دیمک بن جاتی ہیں
آکاس بیل کی طرح
لپٹ جاتی ہیں
ادھوری محبتوں کے دکھ
جانے کتنوں کو نگل جاتے ہیں
لیکن یہی محبتیں
نامکمل ہو کر بھی
مکمل ہوتی ہیں
جنھیں کوئی نہیں جان پاتا
کبھی نہیں جان پاتا

میاں منیر احمد انجم: کی ڈائری سے ایک نظم

محبت تو ایک دکھ ہے

محبت ہم نے بھی کر کے دیکھی ہے
محبت تو ایک دکھ ہے
بے وفا ہیں سبھی یہاں پر
کب کون کسی کا ہوتا ہے
جو بھی محبت کرتا ہے
عمر بھر وہ روتا ہے
رہتا ہے وہی خوش انجم
جو دور محبت سے ہوتا ہے

فریدہ جاوید فری: کی ڈائری سے ایک نظم

گفتگو اس سے جو کل ہو جاتی
مجھ سے اک آدھ غزل ہو جاتی
اس نے توڑے ہیں ارادے میرے
مگر ہر بات اٹل ہو جاتی
سانس میں نرمی مہکی تھی ورنہ
سانس پیغام اجل بھی ہو جاتی
چاند چہرہ تھا جو اس کا کچھ
چاندنی اس کا بدل ہو جاتی

آمنہ کاظمی: کی ڈائری سے وصی شاہ ایک نظم

سانجھ

پہلی بار جب اس نے میری ماں کو امی جان کہا تو
مجھ کو یوں محسوس ہوا تھا
اپنا سب کچھ چھوڑ کے جیسے
اک لمحے میں
میرا سب کچھ اس نے اپنا مان لیا ہے
مجھ کو سب کچھ جان لیا ہے

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک غزل

یہ کس کے حسن کا اس قدر شہرہ ہوا
کہ چاند بھی ہے دید کو کھڑا ہوا
نہ پوچھو وہ انقلاب اچھا تھا کہ برا

www.pkdigest.com

جب بھی جا رہا تھا سرہا ہوا
تقدیر کب طنابیں اسیر گردش دوراں
اور کاتب بھی تھا مجھ سے روٹھا ہوا
ہر چہرے پر رقم تھی ایک ہی کہانی
اور ہر کہانی پر تیرا ہی نام لکھا ہوا
آنکھوں کی قید سے خواب آزاد ہوئے
پلکوں پہ رہ گیا اک آنسو اٹکا ہوا
وہ آغاز سفر میں ہی بچھڑ گیا مجھ سے
غزل یہ بھی برا نہ ہوا اچھا ہوا

محمد ظفر اللہ ضیا: کی ڈائری سے ایک غزل

قبولیت کی گھڑی جب مجھے پکارتی ہے
میری زبان پہ صرف دعا اتارتی ہے
وہ کوئی اور ہیں جو زندگی گزارتے ہیں
وہ لوگ ہم میں جنھیں زندگی گزارتی ہے
بس اتنا عرض ہے کہ ہم سے رسم و روا نہ رکھ
تعلقات کی دنیا بڑی تجارتی ہے
یہ جل بھی سکتا ہے گر کر بکھر بھی سکتا ہے
سارے جسم کا سامان بھی تجارتی ہے
بکھر جاتے ہیں سفاک روز و شب تو ہمیں
دل و نگاہ کی آب و ہوا سنوارتی ہے
چراغ فتح و ظفر قبروں پہ روشن ہیں
سپاہ جیتی ہوئی جنگ یوں بھی ہارتی ہے

ثمن حنا: کی ڈائری سے پروین شاکر کی نظم

ہونٹ بے بات ہنسے
زلف بے وجہ کھلی
خواب دکھلا کے مجھے
نیند کس سمت چلی
خوشبو لہرائی مرے کان میں سرگوشی کی
اپنی شرمیلی ہنسی میں نے سنی
اور پھر جان گئی
میری آنکھوں میں ترے
نام کا تارہ چمکا

محمود سجاد پرنس ناز: کی ڈائری سے جاوید اختر کی غزل

دل کی وحشت نے عجب شور مچا رکھا ہے
اس نے وعدے کو قیامت پہ اٹھا رکھا ہے
حسرت دل کو بھی دل میں ہی چھپا رکھا ہے
اس کی یادوں نے بھی کچھ ہی بھلا رکھا ہے
حسن مغرور کو آنکھوں میں بسا رکھا ہے
اگر میں تیری محبت کا سزاوار نہیں
کیوں میرا جینا دشوار بنا رکھا ہے
وہ کرے پیار یا نفرت سے نوازے ہم کو
اس کی یادوں کا دیا ہم نے جلا رکھا ہے
وہ ستم ڈھائیں محبت کے گنہگاروں پر
یہ بھی انداز انھیں ہم نے لکھا رکھا ہے
جو کہیں لوگ وہی کہتے ہیں ہم بھی پرنس
ہم نے انداز مگر سب سے جدا رکھا ہے

سباس گل: کی ڈائری سے ایک غزل

دیواروں پہ یادیں لکھوں
اس کی ساری باتیں لکھوں
اس کی دلکش آنکھوں کو
جھیل سی گہری آنکھیں لکھوں
ہجر کے سوکھے لمحوں میں
وصل کی ہری شاخیں لکھوں
نفرت کے ماحول میں رہ کر
پیار بھری آوازیں لکھوں
ہے آس کا دامن اتنا روشن
کہ راتوں کو بھی صبحیں لکھوں
سامنے اس کے کہہ نہ پاؤں
کاغذ پہ ساری سوچیں لکھوں
دل کہتا ہے نام اس کے
گل اپنی ساری غزلیں لکھوں

امان اللہ انجم: کی ڈائری سے قتیل شفائی کی

خوصورت غزل

وہ دل ہی کیا ترے ملنے کی جو دعا نہ کرے
میں تجھ کو بھول کے زندہ رہوں خدا نہ کرے
رہے گا ساتھ ترا پیار زندگی بن کر
یہ اور بات مری زندگی وفا نہ کرے
یہ ٹھیک ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں
خدا کسی سے کسی کو مگر جدا نہ کرے
سنا ہے اس کو محبت دعائیں دیتی ہے
جو دل پہ چوٹ تو کھائے مگر گلہ نہ کرے
بجھا دیا ہے نصیبوں نے میرے پیار کا چاند
کوئی دیا مری پلکوں پہ اب جلا نہ کرے
زمانہ دیکھ چکا ہے پرکھ چکا ہے اسے
قتیل جان سے جائے پر التجا نہ کرے

عینا سحر: کی ڈائری سے ایک خوبصورت غزل

بڑا کٹھن ہے راستہ جو آ سکو تو ساتھ دو
یہ زندگی کا فاصلہ مٹا سکو تو ساتھ دو
بڑے فریب کھاؤ گے بڑے ستم اٹھاؤ گے
یہ عمر بھر کا ساتھ ہے نبھا سکو تو ساتھ دو
جو تم کہو یہ دل تو کیا میں جان بھی فدا کروں
جو میں کہوں بس اک نظر اٹھا سکو تو ساتھ دو
ہزار امتحان ہیں ہزار آزمائشیں
ہزار دکھ ہزار غم اٹھا سکو تو ساتھ دو
یہ زندگی یہاں خوشی غموں کے ساتھ ہے
دلا سکو تو ساتھ دو نبھا سکو تو ساتھ دو

فرحین ملک: کی ڈائری سے قتیل شفائی کی غزل

جس کی جھنکار میں دل کا آرام تھا وہ تیرا نام تھا
میرے ہونٹوں پہ رقصاں جو اک نام تھا وہ تیرا نام تھا
مہمتیں مجھ پہ آتی رہیں ہیں کئی ایک سے ایک نئی
خوصورت مگر جو اک الزام تھا وہ تیرا نام تھا
دوست جتنے تھے ناآشنا ہوگئے پارسا ہوگئے
جو میرے ساتھ رسوا سرعام تھا وہ تیرا نام تھا
صبح سے شام تک جو میرے پاس تھی وہ تیری آس تھی
شام کے بعد جو کچھ لب بام تھا وہ تیرا نام تھا

بشریٰ علوی: کی ڈائری سے سے ایف شاکر کی خوبصورت نظم

جدائی

یاد ہے آج بھی
بچھڑنے کا وہ منظر
دور افق پر
سورج جب ڈوب گیا
کائنات پہ بیکراں اداسی
چھا گئی
میری خاموش التجاؤں نے
تجھے کس طرح پکارا
آنچل تیرا ہاتھوں سے
میرے سرک گیا
لمحہ وصل کا کس طرح
اچانک گزر گیا
آنکھوں سے آنسو
آب رواں کی صورت بہہ نکلے

نیما گل: کی ڈائری سے فرحت عباس شاہ کی نظم

تلاش

میں تمھارے اندر محبت تلاش کرتا رہا ہوں
اور تم میرے اندر برداشت
میں تمھارے اندر دل تلاش کرتا رہا ہوں
اور تم میرے اندر لفظ
میں تمھارے اندر سمندر تلاش کرتا رہا ہوں
اور تم میرے اندر ابر
میں تمھارے اندر سورج تلاش کرتا رہا ہوں
اور تم میرے اندر چنگاری
میں تمھارے اندر آسمان تلاش کرتا رہا ہوں

☆☆☆

www.pkdigest.com

دنگ چٹا

شرارتی توانائی

استاد شاگرد سے:
"گھڑی کا چلنا کون سی توانائی ہے؟"
شاگرد: "حرکی توانائی۔"
استاد: "جانوروں کا حرکت کرنا کون سی توانائی ہے؟"
شاگرد: "حیوانی توانائی۔"
استاد: (خوش ہوکر) "شاباش! اچھا اب یہ بتاؤ عمر کا سکول بے بھاگنا کون سی توانائی ہے؟"
شاگرد: (معصومیت سے) "جناب شرارتی توانائی۔"

ایماندار آدمی

پولیس افسر: (ملزم سے) تم نے اتنی چوریاں کیں ہیں مگر کسی کو آج تک ساتھی نہیں بنایا؟"
ملزم: "آپ تو جانتے ہیں انسپکٹر صاحب آج کل ایماندار آدمی ملتے ہی کہاں ہیں۔"
فرحین ملک، ہوریہ

کولسٹرول فری

ایک دن سردار جی دوکان میں خریداری کر رہے تھے کہ تیل کا ڈبہ اٹھا کر دوکاندار سے پوچھنے لگے۔
"اس تیل کے ساتھ میرا مفت گفٹ کدھر ہے؟"
دوکاندار نے کہا۔
"اس کے ساتھ کوئی گفٹ نہیں ہے بھائی صاحب۔"
سردار منہ بسور کر بولے۔
"اوئے اس پر لکھا ہے کولسٹرول فری۔"
محمد ظفر اللہ ضیاء، کمالیہ

دل کے مریض

سنا ہے دل کے مریضوں پہ سیر لازم ہے
سو اس کے شہر میں پیدل ہی چل کر دیکھئے
بلوسم فیاض، ملتان

ورزش

ایک شادی شدہ فلمی ہیروئن اپنی اکلوتی فلم کی کامیابی کی دعا کے لیے نماز پڑھ رہی تھی۔ اداکارہ کے پانچ سالہ بچے نے ماں کو پہلی مرتبہ نماز پڑھتے دیکھا تو گھبرا کے باپ کے پاس گیا اور بولا۔
"ڈیڈی! آئیں ذرا دیکھیں ممتا آج بالکل نئی ورزش کر رہی ہیں۔"
فریدہ جاوید فری، لاہور

چنگیز خان

ایک دفعہ کسی شخص نے چنگیز خان سے پوچھا۔
"کیا کبھی تمہیں کسی پر ترس آیا ہے؟"
چنگیز خان نے کچھ دیر سوچا پھر کہنے لگا۔
"ہاں ایک دفعہ میں نہر کے کنارے سے گزر رہا تھا کہ ایک شیر خوار بچہ نہر میں گر پڑا میں نے اپنا نیزہ بچے کے پیٹ میں پیوست کیا اور بچہ عورت کو دے دیا۔ بس یہی ایک رحم یاد ہے۔"
کوکب رفیق، لاہور

دل

دل چھوٹی سی چیز ہونے کے باوجود بہت

بڑی چیز ہے۔ یہ دل عمر بھر ٹوٹتا اور جڑتا ہے زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اتنا ٹوٹ جائے کہ پھر مزید ٹوٹنے میں کچھ باقی نہ رہے۔ آنکھوں کی جوت بجھنے لگے، جسم مرجھانے لگے مگر گوشت کا ٹکڑا ہمیشہ برقرار رہتا ہے اور اپنی پوری قوت سے دھڑکتا ہے لیکن کبھی زندگی میں ایسا لمحہ بھی آتا ہے دل مرجھا جاتا ہے۔ دل کی موت بھی کس قدر کربناک ہوتی ہے کسی کو دھوکا نہ دو کیونکہ دل پر لگا ہوا زخم مشکل سے ہی بھرتا ہے کبھی خواب نہ دیکھوں خواب حقیقت سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتے ہیں تو پھر دل ٹوٹ جاتا ہے۔
محمود سجاد پرنس ناز، چانوٹ پاکپتن

مچھر کا الٹی میٹم

بلدیہ والے سے بحث میں کیا سر ماریے
بلدیہ والے یہ کہتے ہیں کہ مچھر ماریے
کہتا مچھر مجھے مار کر تو دیکھ تو
میرے طوفان ہم یہ ہم دریا یہ دریا، جو یہ جو
دیکھ اے نادان یوں مجھ پر نہ ڈی ڈی ٹی چھڑک
تیرا یہ غازہ میرے چہرے کو دے دے گا چمک
تیرا ٹائی فون مجھے ختم کر سکتا نہیں
میں تو ایک فنکار ہوں فنکار مر سکتا نہیں
مجھ سے کیوں ڈرتا ہے میرے ہاتھ میں خنجر نہیں
قاتل انسان تو خود انسان ہے مچھر نہیں
سیٹھ جی تیرا لہو چوسے تو خوش ہوتا ہے تو
میں بھی چکھ لیتا ہوں تھوڑا سا تو کیوں روتا ہے تو
بلال فیاض، ملتان

معذرت

دو بادشاہوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ یہ جھگڑا بڑھتا ہی چلا گیا۔ پہلے بادشاہ نے اپنے وزیر کو طلب کیا اور حکم دیا کہ دوسرے بادشاہ کے پاس جائے اور اسے کھری کھری سنا کر آئے۔
وزیر نے اس کام سے معذرت چاہی اور کہا۔
"وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"
بادشاہ نے اسے یقین دلایا۔
"اگر اس نے تمہیں کوئی تکلیف پہنچائی تو میں اس کے نام درباریوں کے سر قلم کر دوں گا۔"
وزیر نے دست بستہ عرض کیا۔
"جہاں پناہ! آپ جتنے بھی سر کاٹیں گے ان میں سے کوئی میری گردن پر فٹ نہیں آئے گا۔"
کاشف شاہ، مظفر گڑھ

کم بخت

ایک آدمی کا بازو ٹوٹ گیا۔ اس نے دلبرداشتہ ہو کر خودکشی کی ٹھان لی۔ چنانچہ وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور نیچے چھلانگ لگانے ہی والا تھا کہ اس کی نظر نیچے ایک آدمی پر پڑی جس کے دونوں بازو ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ خوشی سے ناچ رہا تھا۔ وہ حیران ہو کر پہاڑی سے نیچے اترا اور اس آدمی کے پاس جا کر کہنے لگا۔
"میرا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے اور میں اتنا دلبرداشتہ ہوا کہ خودکشی کرنے لگا تھا اور تم عجیب آدمی ہو دونوں بازو ٹوٹے ہوئے ہیں اور خوشی سے ناچ رہے ہو۔"
دوسرا آدمی بولا۔
"کون کم بخت ناچ رہا ہے۔ میرے تو جسم پر خارش ہو رہی ہے۔"

ہوٹل

گاؤں کا ایک شخص عدالت کو ہوٹل سمجھ کر اندر داخل ہو گیا۔ وہاں جج صاحب فیصلہ سناتے ہوئے کہہ رہے تھے۔
"آرڈر..... آرڈر..... آرڈر۔"
دیہاتی زور سے بولا۔
"ایک پلیٹ دال اور چار روٹیاں۔"

سڑک پار

www.pkdigest.com

ایک بچہ دوسرے سے۔
''میرے ابو سڑک پار کرتے ہوئے بہت ڈرتے ہیں۔''
دوسرا بولا۔
''آپ کو کس طرح پتہ چلا؟''
پہلا۔
''وہ سڑک کراس کرتے وقت میرا ہاتھ جو پکڑ لیتے ہیں''

امان اللہ انجم' چناب نگر

گزارش

تم جب میرے ساتھ ہوتے ہو
تو پلیز
میرے ساتھ رہا کرو

(فرحت عباس شاہ)

صغریٰ غزل' مظفر گڑھ

یوں بھی ہوتا ہے

فرسٹ ایئر کی طلبہ و طالبات کو انگلش کے ٹیچر لیکچر دیتے ہوئے کہنے لگے۔
''تم میں سے جو بھی ایک لفظ کو دس مرتبہ دہرائے گا تو وہ لفظ ہمیشہ کے لیے تمہارا ہو جائے گا۔''
پہلی لائن میں کھڑی خوبصورت لڑکی نے فوراً بولنا شروع کر دیا۔
''ناصر.....ناصر.....ناصر۔''

خالدہ ناہید' لاہور

سر پر

علی: طلحہ سے میرے ابا جان بہت طاقتور ہیں۔
طلحہ: وہ کیسے؟
علی: دادی امی کہتی ہیں کہ بچپن میں جب وہ روتے تھے تو سارا گھر سر پر اٹھا لیتے تھے۔''

چچی

ایک دوست دوسرے سے۔
''آج تم آفس نہ جاؤ۔ تم درخواست پر لکھ دو کہ تمہاری چچی فوت ہو گئی۔''
دوسرا دوست۔
''لیکن یار میں تو اپنے چچا کے آفس میں کام کرتا ہوں۔''

ثمن حنا' کوٹ عبدالمالک

نمائش

نمائش میں ایک اسٹال پر ایک خاتون خریدو فروخت میں مصروف تھی کہ ایک شخص ہانپتا ہوا آیا اور خاتون سے مخاطب ہوا۔
''معاف کیجیے میں تھوڑی دیر کے لیے آپ سے گفتگو کر سکتا۔''
''بہت اچھا۔''
خاتون نے حیرانی سے جواب دیا۔
''آپ مجھ سے کیوں گفتگو کرنا چاہتے ہیں؟''
''دراصل بات یہ ہے کہ میری بیوی اس بھیڑ میں کھو گئی ہے وہ مجھے آپ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھے گی تو گولی کی طرح یہاں پہنچ جائے گی۔''

مظہر احمد' لاہور

ناپسندیدگی

ایک امریکی خاتون اپنے بچے کی پیدائش کا اندارج کرانے سٹی ہال پہنچیں۔ کلرک بولا۔
''اس شخص سے یہ آپ کا تیسرا بچہ ہے۔ آپ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟''
''اپنا مشورہ اپنے پاس ہی رکھو۔'' وہ خاتون ناک چڑھا کر بولی۔
''جو شخص مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا..... تم چاہتے ہو میں اس سے شادی کر لوں؟''

آسیہ ناز' لاہور

☆☆☆

بیاضیں

فریدہ جاوید فری ---- لاہور

اچانک تیرے آنے کی خوشی کچھ اور ہوتی ہے
مجھے بادِ صبا کی مخبری اچھی نہیں لگتی

محمد ظفر اللہ ضیاء ---- کمالیہ

اب بات دوستی کی نہیں حوصلے کی ہے
لازم نہیں کہ تو بھی میرا ہم خیال ہو
میری ضرورتوں سے زیادہ کرم نہ کر
ایسا سلوک کر کہ میرے حسب حال ہو

.....

ملا تھا راہ میں اک آنسوؤں کا سوداگر
ان کی آنکھ کے موتی خرید لائے بہت
وہ روز روز جو بچھڑے تو کون یاد کرے
وہ ایک روز نہ آئے تو یاد آئے بہت

محمود سجاد پرنس ---- چانوٹ پاکپتن

ہے چاند کیوں اترا اترا
تاروں نے چمکنا چھوڑ دیا
جس دن سے جدا وہ ہم سے ہوئے
اسی دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا

فرحین ملک ---- دہوریہ

وقت ہر چیز کی تقدیر بدل دیتا ہے
میں نے دیکھا ہے محبت کا فنا ہو جانا

.....

خدا نصیب کرے ان کو دائمی خوشیاں
عدم وہ لوگ جو ہم کو اداس رکھتے ہیں

.....

یہ خدا کی دین بھی عجیب ہے کہ اسی کا نام نصیب ہے
جسے تو نے چاہا مل گیا جسے میں نے چاہا ملا نہیں
اسی شہر میں کئی سال سے میرے کچھ قریبی عزیز ہیں
انھیں میری کوئی خبر نہیں مجھے ان کا کوئی پتہ نہیں

نیا گل ---- حیدر آباد

میری محبت کے دونوں عالم تمام روشن تمام محکم
میں یاد کرنا بھی جانتا ہوں میں یاد آنا بھی جانتا ہوں
نظر نظر میں ہے کامرانی قدم قدم پر ہے کامیابی
مگر کوئی مسکرا کے دیکھے تو ہار جانا بھی جانتا ہوں

امان اللہ انجم ---- چناب نگر

تمھاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمھیں یاد کرنے لگتے ہیں
ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے
جواب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں

.....

میں تجھ کو بھول چکا تھا لیکن اک عمر کے بعد
ترا خیال کیا تھا کہ چوٹ ابھر آئی

آمنہ کاظمی ---- حافظ آباد

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کر ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

.....

موجیں ہوں پرسکون تو گہرائیوں میں جھانک
طوفاں بدل کے آتے ہیں صورت کبھی کبھی

.....

ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے اکثر
لوگ بے درد ہیں پھولوں کو مسل دیتے ہیں

ثمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک

دل کی ہر دھڑکن سے تم کو بھی یاد کروں گی
جب میں اپنی چاہت کا اظہار کروں گی

زاہد انجم سٹھو ---- ملتان

میں خود کو کسی آگ میں جلنے نہیں دیتا
اور دل میں کوئی روگ بھی پلنے نہیں دیتا
گردش سے نکلنا تو بہت سہل ہے لیکن

www.pkdigest.com

اک لطف ہے جو اس سے نکلنے نہیں دیتا

.....

تیرے خیال سے دامن بچا کے دیکھا ہے
دل و نظر کو بہت آزما کے دیکھا ہے
نشاط جاں کی قسم تو نہیں تو کچھ بھی نہیں
بہت دنوں تجھے ہم نے بھلا کے دیکھا ہے
محمد بلال فیاض ---- ملتان

کل کی بارش سے پرندے کہاں سوئے ہوں گے
آج کی دھوپ اس شرم سے دھندلائی ہے

.....

مزہ برسات کا چاہو تو ان آنکھوں میں آ بیٹھو
وہ برسوں میں برستا ہے یہ برسوں سے برستی ہیں
عینا سحر ---- جہلم

حیات و مرگ کے پر پیچ راہ گزاروں پر
کوئی ہوا کوئی آندھی تجھے نگل نہ سکی
کسی طرح نہ خریدا گیا خلوص تیرا
چٹان جھوم کے ٹوٹی مگر پگھل نہ سکی

.....

جو گزر رہی ہے گزار دو
نہ برا کہو نہ گلہ کرو
جو تمہارا حال ہے دوستو
وہی سارے شہر کا حال ہے

.....

جتنی چاہت سے تجھ کو دیکھا ہے
اتنی چاہت سے کچھ نہیں دیکھا
اپنی آنکھوں میں دیکھ لینے دو
ایک مدت سے کچھ نہیں دیکھا
فوزیہ غزل ---- رسالہ شیخوپورہ

جہاں تیرا نقش قائم ہو وہیں زمیں آسماں ملیں
گزرو جدھر سے تم دیکھیں زمانے ٹھہر ٹھہر کے تجھے
شہرتیں ملیں تجھے دائمی نہ حسن کو تیرے زوال ہو
دولت سیرت ملے بے بہا ہمسفر ملیں عمر بھر کے تجھے

.....

وہ کہکشاں گئی وہ ستارے چلے گئے
تم کیا گئے کہ شب کے نظارے چلے گئے
ایسے ہوئے وہ گم کہ صدا تک نہ سن سکے
ہم دشت غم میں ان کو پکارے چلے گئے

.....

درو دیوار پر سناٹے کا منظر دیکھو
دشت غم دیکھنا چاہو تو میرا گھر دیکھو
نازیہ عمر ---- پشاور

یہ معجزہ بھی محبت کبھی دکھائے مجھے
کہ سنگ تجھے پر گرے اور زخم آئے مجھے
میں اپنی ذات میں نیلام ہو رہا ہوں قتیل
غم حیات سے کہہ دو خرید لائے مجھے

.....

کتنا معصوم بنا دیتا ہے انساں کو خلوص
دشمنوں پر بھی محبت کا گماں ہوتا ہے

.....

غم جاناں ہجر کی راتوں کو سونے نہیں دیتا
لیکن ضبط میرا دامن مجھے بھگونے نہیں دیتا
عجیب بات ہے کہ دکھ بھی دیتا ہے مگر
وہ شخص مجھے کھل کر کبھی رونے نہیں دیتا
علینہ طارق ---- لاہور

خواہشوں کا اگر غلام نہ ہو
دل وہی سرفراز رہتا ہے
ہاتھ ایک بار پھیل جائے اگر
زندگی بھر دراز رہتا ہے

.....

ان میں لہو جلا ہو ہمارا کہ جان و دل
محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں

.....

جل رہی ہیں آگ میں سارے دلوں کی بستیاں
مستقل موسم یہاں پہ بارشوں کا چاہیے
دوستو تیرہ شبوں کو زیر کرنے کے لیے
شہر میں لشکر کوئی تو جگنوؤں کا چاہیے
شہریب احسن ---- سرگودھا

☆☆☆

حنا کی محفل

شمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک

س: سب سے بڑا جھوٹ؟
ج: مجھے تم سے محبت ہے۔
س: ع غ جی کیا رومینٹک لوگ اسپیشل ہوتے ہیں؟
ج: میرا خیال ہے نہیں ویسے اسپیشل لوگ رومینٹک ہو سکتے ہیں۔
س: بتایئے پہلی اپریل کو میں نے کس کو بے وقوف بنایا تھا؟
ج: آئینے کو۔
س: ہونٹوں پر کبھی ان کے.....؟
ج: میرا نام بھی آئے
س: اس سال میرا یہ اعلان ہے کہ؟
ج: جھوٹ نہیں بولوں گی۔
س: کس دن کا انتظار سب سے زیادہ ہوتا ہے؟
ج: لڑکی کو تو شادی کے دن کا۔

مینا توحید خان ---- جھنگ صدر

س: عینا جی میں آسمان کے چاند کو زمین میں لانا چاہتی ہوں کوئی آسان طریقہ بتا دیں؟
ج: چاند کو آئینہ دکھا دیں۔
س: عینا جی لال بتی اور لال جوڑے میں کیا فرق ہے؟
ج: کوئی خاص نہیں بس لال بتی تھوڑی دیر کے بعد بجھ جاتی ہے۔
س: میں جب بھی ان کے گھر جاتی ہوں وہ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگتے ہیں۔ بھلا کیوں؟
ج: گھبراؤ نہیں ان کو ڈاکٹر نے کہا ہے کہ غصہ آئے تو ہنسنا شروع کر دو۔
س: بے چین میرا یہ دل ہے میرے چین کا وہ قاتل ہے۔ بھلا کون؟
ج: جو تمہیں دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیتا ہے۔
س: یہ ہر کہانی کا ہیرو جب ہیروئن پر برہم ہوتا ہے تو اسے چھٹانک بھر کی لڑکی کیوں کہتا ہے؟
ج: جب میں ناراض ہونگا تو تمہیں کلو بھر کی لڑکی کہوں گا۔

شہریانو ---- مظفر گڑھ

س: کسی کے دل میں جانے کے لیے دستک دینی چاہیے؟
ج: یہ دروازہ بغیر دستک کے ہی کھل جاتا ہے۔

حنا محمد حنیف ---- کراچی

س: ع غ جی ہم تین ماہ سے غائب ہیں۔ کہیے یاد کیا تھا ہمیں یا نہیں؟
ج: کہاں غائب تھی؟
س: آپ کی ملاقات اگر شہزاد رائے سے ہو جائے تو کیا کریں گے؟
ج: گانے کی فرمائش۔
س: لاہور کا موسم آج کل کیسا ہے بتایئے عین غین بھیا جی؟
ج: گرم ہے مگر کراچی جیسا نہیں۔

محمد سجاد پرنس ---- چانوٹ پاکپتن

س: غینی جی اگر آپ کو برا نہ لگے تو ایک بات کہوں؟
ج: کیوں.....؟
س: آپ آج کل پریشان کیوں رہتے ہو؟
ج: حالات کی وجہ سے۔
س: پیار محبت پر آپ یقین رکھتے ہیں؟
ج: کیوں آپ نہیں رکھتے؟

www.pkdigest.com

معلوم ---- مقام

س: میں بھی خریدار ہوں میں بھی خریدوں گی؟
ج: بک سٹال پر۔
س: آپ کی محفل میں سر کے بل آؤں یا پاؤں گے؟
ج: جس طرح دل چاہے آؤ۔
بیٹھے ہیں ہم دیدہ دل فراش راہ کیے
س: اس کی آنکھیں بتاؤ کیسی ہیں؟
ج: کس کی؟
س: وہ لڑکی بہت یاد آتی ہے۔ بھلا کیوں؟
ج: کون سی لڑکی؟

ستاز ناز ---- پنڈ دادنخان

س: مری انگلیاں بھی جلا گیا لکھا جو ترا نام
بھلا سوچو تو کیا ہوگا حال مرے دل کا
ج: غم بھی کم ظرف ملا' ظرف کا غم کیا کرنا
مستقل زخم کی ٹیسوں کو رقم کیا کرنا
س: کبھی دکھوں کے سائے میں بیٹھ کر سوچنا
ہم غمزدہ دل کے بارے میں بھی کبھی تم
خوشیوں کی چھاؤں میں بھلا کہاں پتہ چلتا ہے
درد سینے میں کہاں تک اتر جاتا ہے
ج: عشق وہ کس کام کا جس کا نشان امتیاز
داغ دل' زخم جگر اور آبلہ پائی نہ ہو

شیبا صابر بٹ ---- اوکاڑہ سٹی

س: شاعر لوگ اتنے حساس کیوں ہوتے ہیں؟
ج: شاعری حساس لوگوں کا کام ہے۔
س: حسین لوگ مغرور کیوں ہوتے ہیں؟
ج: خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔
س: انسان اتنا ہوس پرست کیوں ہے؟
ج: کتنا ہوس پرست؟
س: دنیا والے اتنے بے مروت کیوں ہیں؟
ج: کتنے بے مروت؟ اپنے تجربے سے بتاؤ۔
س: دنیا کی سب سے بڑی آبی طاقت کون سی ہے؟
ج: آب۔
س: نظر اور نذر میں کیا فرق ہے؟
ج: جب نظر لگ جائے تو اکثر لوگ نذر مانتے ہیں۔

علی ناصر ---- حافظ آباد

س: عین غین تھوڑی سی غیر حاضری کے بعد حاضر خدمت ہوں کیسے ہو؟
ج: تھوڑی سی غیر حاضری؟
س: سنا ہے تم گرمی سے بچنے کے لیے برف کے گولے کھاتے ہو کیا واقعی؟
ج: سنا کہاں سے برف کے گولے تم ہی تو بیچتے ہو۔
س: دیکھو اتنی شدید گرمی میں گرما گرم جواب نہ دیا کرو میری بات مان لو ناں؟
ج: اب تم غیر حاضر تھے اور برف کے گولے مل نہیں رہے تھے تو جواب تو گرم سے لگیں گے نا۔
س: تم نے کبھی خود بھی کچھ لکھا ہے یا؟
ج: تمہارے سوال کا جواب۔
س: کوئی مقابلے کا رقیب نہ ملے تو کیا کرنا چاہیے؟ تجربے کی روشنی میں بتانا؟
ج: ڈھونڈ لو۔
س: وہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا تو نے منہ پھیر کے جس شخص کو دیکھا بھی نہیں
ج: واہ صدیوں کے ربط سے تم تو ایک پل میں مکر گئے جاناں
س: گرمی بہت ہے جھلس جاؤ گے اپنا خیال بھی رکھتے ہو کہ نہیں؟
ج: اتنی گرمی نہیں ہے یہ لاہور ہے حافظ آباد نہیں۔
س: اگر کوئی چھوڑ دینے کا کہے تو کیا کرنا چاہیے؟ پلیز بتا دو ناں؟
ج: کیا چھوڑنے کو کہے؟ ذرا وضاحت کرو۔

☆☆☆

حنا کا دستر خوان

تمینہ احتشام

بیسن کی روٹی

اشیاء
بیسن — ایک پاؤ
آٹا — ایک پاؤ
کوکنگ آئل — آدھا کپ
دہی — ایک پاؤ
نمک — حسب ذائقہ
ادرک لہسن — ایک چمچہ (پسا ہوا)
سفید زیرہ — ایک چائے کا چمچ
اجوائن — ایک چٹکی
پیاز — ایک عدد
ہرا دھنیا — چند پتے
ہرا پودینہ — چند پتے
ہری مرچ — تین عدد
سرخ مرچ — آدھا چائے کا چمچ

ترکیب

پیاز' ہرا دھنیا' پودینہ اور ہری مرچ دھو کر پیس لیں۔ آٹا اور بیسن میں دو چمچے کھانے کے کوکنگ آئل ملا لیں۔ اب آٹے میں پسا ہوا مسالا ڈالیں۔ اب اس میں نمک' سرخ مرچ سفید زیرہ' اور اجوائن ڈال کر دہی سے گوندھیں۔ پانی بالکل نہ ڈالیں دہی کم پڑنے کی صورت میں دودھ ڈالیں۔ اب پیڑے بنا کر بیل لیں اور توے پر ڈال دیں پکنے پر ہلکا سا کوکنگ آئل لگا کر اتار لیجیے بیسن کی روٹی تیار رہے۔

اروی کے پتے

اشیاء
اروی کے پتے — دو عدد
رائی دانہ — ایک چمچ
لال مرچ — آدھا چمچ
سفید زیرہ (پسا ہوا) — ایک چمچ (بھنا ہوا)
کوکنگ آئل — دو کپ

ترکیب

پہلے بیسن کو تھوڑے سے پانی سے گاڑھا کر لیں پھر تمام مسالے ڈال دیں پھر پتوں کو دھو کر خشک کریں پھر اسے بچھا کر تمام مسالا لگا دیں۔ پھر اس کا رول بنا لیں۔
تیز چھری کی مدد سے اس کے اس طرح پیس کریں کہ سرکل کی صورت بن جائیں۔ پھر گرم تیل میں ڈیپ فرائی کر لیں۔

آلو کے قیمہ بھرے کباب

اشیاء
قیمہ باریک — ایک پاؤ
آلو — آدھا کلو
کوکنگ آئل — تلنے کے لیے
بیسن — ایک کپ
پیاز — آدھا پاؤ
لہسن — چھ جوے
ادرک — آدھی چھٹانک
گرم مصالحہ — ایک بڑا چمچ
زیرہ سفید — ایک چائے کا چمچ
دھنیا — ایک چائے کا چمچ
نمک — حسب ذائقہ
مرچ — ایضاً
ہرا مصالحہ — حسب ضرورت
انڈے — دو عدد

☆☆☆

www.pkdigest.com

ترکیب

پہلے گھی میں پیاز سرخ کر کے نکال لیں، لہسن ادرک، پیس لیں اب اسی ڈالڈا کوکنگ آئل میں قیمہ ڈال کر بھونیں، بھوننے پر لہسن، ادرک، نمک، مرچ اور گرم مسالا ڈالیں، تھوڑا سا بھوننے کے بعد ذرا سا پانی ڈال کر دم دے دیں، اور خشک ہونے پر اتار لیں، اب اس میں تلی ہوئی پیاز ملا کر اسے باریک پیس لیں۔ اس میں ہرا مسالا بھی کاٹ کر ملا دیں، اور اس مرکب کو علیحدہ رکھ لیں۔

آلو ابال کر انھیں پیس لیں، بیسن بھون کر ملا دیں، نمک، مرچ بھی ملا دیں اب آلو کی ٹکیاں بنائیں اور اس میں قیمہ بھر دیں۔ فرائی پین میں کوکنگ آئل گرم کریں، ٹکیوں پر انڈہ لگا کر تل لیں، سرخ ہونے پر اتار لیں۔

آم کا اسکوائش

اشیاء

آم کا رس	ڈیڑھ لیٹر
پانی	ایک لیٹر
چینی	ایک کلو گرام
کھانے کا زرد رنگ	2 کلو
ٹارٹرک ایسڈ	30 گرام

ترکیب

اچھی قسم کے نرم آم لے کر اچھی طرح دھو لیں۔ پھر صاف ہاتھوں سے دبا کر رس نکال لیں۔ پھر اس کو پانچ منٹ تک پکائیں۔ ایک کھلے منہ کے برتن میں پانی میں چینی حل کر لیں۔ ساتھ ہی ٹارٹرک ایسڈ بھی ملا دیجئے اور پھر پکا لیں۔ جب شیرہ اچھی طرح تیار ہو جائے تو اسے ٹھنڈا کر کے ململ کے کپڑے سے چھان لیں اور پھر آم کا رس اور کھانے کا زرد رنگ شامل کر دیں۔ تمام اجزاء کو اچھی طرح حل کر کے صاف بوتلوں میں بھر لیں آم کا اسکائش تیار ہے۔

لیے۔

بیسن کو چھان لیں، پھر اس میں تمام مسالے ڈال دیں۔ بیسن گھول لیں۔ کڑاہی میں ڈالڈا کوکنگ آئل ڈال کر خوب گرم کریں، پھر آنچ ہلکی کریں اور چمچے سے پکوڑوں کا آمیزہ فاصلے سے ڈالتی جائیں تاکہ وہ آپس میں نہ ملیں، ہلکے براؤن ہونے پر نکال لیں۔ ٹماٹو کیچپ یا انار دانے کی چٹنی کے ساتھ نوش فرمائیں۔

پنیر کی بریانی

اشیاء

چاول	ایک کلو
گوشت	ایک کلو
پنیر	ایک پاؤ
لونگ	چھ سات عدد
زعفران	دو چٹکی
پیاز	آدھا پاؤ
ادرک	ایک چھٹانک
میدہ	آدھا پاؤ
نمک	حسب ذائقہ
دہی	ایک کپ
گھی	ڈیڑھ پاؤ

ترکیب

پنیر کے ٹکڑے کر لیں۔ میدہ پانی میں گھول کر اسے سخت کرنے کے بعد پنیر کے ٹکڑوں پر لپیٹیے اور تھوڑے سے گھی میں بھون کر نکال لیں۔

پھر گوشت کے پارچے بھی تھوڑے گھی میں بھون کر نکال لیں۔ اب الائچی، زعفران اور دہی ملا کر گوشت کے پارچوں پر اچھی طرح لگا دیں۔

ایک دیگچی میں چاول ابال لیں۔ اب ایک دیگچی میں گوشت کے پارچے رکھیں۔

ان کے اوپر پنیر کے ٹکڑے رکھئے، پھر پیاز کے لچھے، ادرک، لونگیں اور تھوڑا سا گھی ڈالیں اور چاولوں کی تہہ ان سب چیزوں کے اوپر بچھا دیں،

عبداللہ

خبرنامہ

اُمید کی کرن

کہتے ہیں کہ گھپ اندھیرا ہو جائے، تو روشنی کی ایک کرن بھی بہت بھلی لگتی ہے، لولی وڈ کے آسمان پر سیاہ بادل تو ایک عرصے سے منڈلا رہے ہیں، روشنی کی کرن دُور دور دکھائی نہیں دیتی، یہی وجہ ہے کہ گزرا برس پچھلے کئی سالوں کے مقابلے میں انڈسٹری کے لیے بھیانک ثابت ہوا، لیکن اب فلم انڈسٹری کی بحالی کے لیے متعلقہ لوگوں کے ساتھ، ساتھ گورنمنٹ بھی حرکت میں آ گئی ہے۔ اور ایک بڑے پلٹ فارم کے ذریعے، سنگیتا، شان، سید نور اور ریما وغیرہ نے انڈسٹری کی بحالی کے لیے اہم کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا اللہ کرے کہ ایسا ہی اور لولی وڈ کے اسٹوڈیز کی ویرانی چھٹ جائے اور یہ پھر آباد ہو سکیں۔

بدنام ہوئے تو کیا نام نہ ہوگا

سوئیٹ میرا، دو افیئرز، دو رُخی پالیسی، دہرے بیانات اور دو رنگی شخصیت پر تو اعتراض ہوتا ہی تھا اور اب دو پاسپورٹس کا معاملہ بھی ان سے وابستہ ہو گیا ہے، ہوا کچھ یوں کے کینڈا سے واپسی پر خاتون امیگریشن آفیسر نے کھلونا بے بی کے بیگ سے ایک ساتھ دو پاسپورٹس ایک ساتھ برآمد کیے تو بس بھونچال آ گیا۔ لیکن میرا بی کے بھی بڑے لمبے ہاتھ ہیں، اس لئے گرفتاری سے پہلے ہی ایک امدادی فون کال نے میرا کی جان بخشی کروا دی، بس اتنا ہوا کہ ایف آئی اے نے دونوں پاسپورٹس قبضے میں لیتے ہوئے میرا کو شخصی ضمانت پر جانے کی اجازت دے دی۔

ایک حسین خواب

ریما خان نے بطور ڈائریکٹر اپنی دوسری فلم ''کتنی حسین ہے زندگی'' مکمل کر لی ہے۔ لیکن فی الحال اُسے ریلیز کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہیں۔ اس سلسلے میں ریما کا کہنا ہے کہ وہ اس فلم کو مکمل تشہیر اور منصوبہ کے ساتھ ہی ریلیز کریں گی، ان دنوں وہ فلم کے پوسٹ پروڈکشن کے سلسلے میں بھارت گئی ہوئی ہے۔ اس کی خواہش ہے، کہ فلم کی نمائش بھارت اور پاکستان میں بیک وقت ہو، اگر ملکی حالات سازگار رہے تو ہو سکتا ہے مارچ کے آخری

www.pkdigest.com

ہفتے میں فلم سینما سکرین کی زینت بن جائے اور ریما کا ایک اور حسین خواب پایہ تکمیل کو پہنچے۔

اولڈ از گولڈ

اس وقت فلم انڈسٹری میں اگر تھوڑا بہت کام ہو رہا ہے تو اس کا آدھے سے زیادہ بوجھ صائمہ نے اٹھا رکھا ہے یہ عجیب بات ہے کہ ماضی میں شبنم اور انجمن کی طرح آج کے اس دور میں صائمہ بھی تقریباً بیس برس پورے کر لینے کے باوجود لالی وڈ کی ٹاپ رنر ہیروئن ہے جو کہ نہ صرف پنجابی فلموں کی ڈیمانڈ ہے، بلکہ ملٹی سٹار اُردو فلم جیسے ''بھائی لوگ'' کے لیے بھی اسے اہم سمجھا گیا اس وقت صائمہ کی ''چناں چی مچی'' سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے اس کے ساتھ سید نور بھی ''وہٹی لے کے جانی اے'' بھی لے کر میدان میں آنے والے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ اُردو فلم ''بھائی لوگ'' میں معمر رانا کو اپنی طرف متوجہ کرتی صائمہ کی ویلیو، قومی زبان کی فلموں کے لئے کیا رُخ اختیار کرتی ہے۔

چار دن کی ہے زندگی

کہا جا رہا ہے کہ شان صاحب کے مزاج ٹھکانے آ گئے ہیں۔ اور ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی دس لاکھ سے کم پہ بات نہ کرنے والے اس اکلوتے اور شان دار ہیرو نے کٹ کٹا کے چار لاکھ پر کام کرنا منظور کر لیا ہے۔ ایسا تو ہونا ہی تھا۔ اب دیکھیں نہ چار دن کی زندگی میں دو دن تو خوب مزے گزرے اور بقیہ دو دن جدوجہد اور سخت محنت میں گزاریں گے تو زندگی بیلنس ہو جائے گی فی الحال شان کے پاس نیا کام نہ ہونے کے برابر مگر پرانا رُکا ہوا کام کافی زیادہ ہے، اور اگر حالات سازگار رہے تو شان کی یہ پرانی نصف درجن فلمیں، آن سکرین ہو سکیں گی، آگے دیکھتے ہیں کہ فلمی صنعت کی بحالی میں اب شان اور کیا کارکردگی دکھاتے ہیں معاوضہ کم کرنے کے علاوہ۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

مارچ کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دُعاؤں کے ساتھ۔

یہ پہلا خط ہمیں اُم مریم کا ملا ہے، آیئے دیکھتے ہیں وہ کیا لکھتی ہیں؟

تندرستی ہزار نعمت ہے۔ یہ مقولہ بچپن سے لے کر اب تک جانے کتنی مرتبہ لکھا پڑھا دیکھا اور سنا ہے مگر اس کی گہرائی اس کی اہمیت کا احساس صحیح معنوں میں اب جا کر ہوا جب خود بیمار پڑی ہوں اور ٹھیک ہونا چاہ رہی ہوں ارادہ تو دور دور تک نہیں تھا خط لکھنے کا مگر پھر سوچا اپنے پیارے قارئین سے گزارش کروں کہ وہ میرے لئے رب سے بہت بہت دُعا مانگیں کہ میں ٹھیک ہو جاؤں اس لئے بھی کہ مجھے بستر پہ پڑے رہنا اچھا نہیں لگتا اور اس لئے بھی کہ ابھی میرے بہت سے کام ادھورے ہیں۔

فروری کے شمارے میں فوزیہ جی آپ کا خط پڑھا تو محسوس کیا کہ جو مزا بروقت جواب دینے میں ہے وہ میری طرح انتظار کے بعد جانے پہ ہرگز نہیں سو خط لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے ''شکریہ فوزیہ جی کہ آپ نے مجھے معاف کیا اور میرے لئے کوئی فرمائش لکھی مگر صد افسوس کہ ہم وہ پڑھنے سے محروم رہے پوری کیا کرتے اپنی ویزا اس مرتبہ ٹائٹل پر نور صاحبہ کو دیکھ کر جانے کیوں خوش نہیں ہوئی حالانکہ زیادہ پرانی بات نہیں جب میں محترمہ کو صرف فلموں کی ہی نہیں اپنی کہانیوں کی ہیروئن بھی بڑے فخر سے مانا کرتی تھی مگر اب اس میں نہ تو وہ نزاکت ہے نہ ہی خوبصورتی و نوخیزیت جو میری ہیروئین کا خاصہ ہے۔

اب بھرے کی جانب آؤں تو پچھلے مہینے نازش کے افسانے ''اجنبی ہمسفر نے'' بہت متاثر کیا ویل ڈان نازش، فوزیہ جی کی تحریر کی دوسری قسط پڑھی مگر مجھے ان سے شکایت پیدا ہو گئی کیا ایک جگہ انہوں نے اللہ کے لیے یہ لکھا کہ ''میں آپ کے لیے اللہ سے بھی لڑوں گی'' نعوذ باللہ۔ پلیز خیال کیا کریں کیا ہمیں ایسی باتیں کہنا زیب دیتا ہے۔

چلیں اب وہ جواب دے دوں یا وضاحتیں کر دوں جن کے لیے خط لکھا ہے کنول فریاد حسین۔ جی ہاں میرا پہلا ناول جو چھپا تھا ''وہ بس اک بجن ہرجائی تھا یہ'' 2007ء مئی جون کے آنچل میں اور اس کا کردار سلطان شاہ خود میرا بھی پسندیدہ کردار تھا۔ آپ کے دوسرے سوال نے مجھے بے ساختہ مسکرانے پر مجبور کر ڈالا ہے واقعی معصوم سوال ہے پھر طنز تنقید کی گنجائش کہاں سے نکلے گی۔ آپ سب سے پہلے تو آپ سب لوگ یہ نوٹ کر کے رکھ لو کہ میں مذہبی ہوں۔ نہیں بالکل نہیں۔ میں صرف مذہب کو اختیار کرنے سے اسے سمجھنے اور اس پر چلنے کی کوشش کرتی ہوں اور وہ بھی سو فیصد میں سے صرف ایک فیصد اب خود فیصلہ کرو ننانوے فیصد بے عملی اور صرف ایک فیصد عمل رکھنے والے انسان کو ہم مذہبی تو نہیں کہہ سکتے۔ مجھے اپنے کردہ گناہوں کا احساس ہے۔ انہیں ہی بخشوانے کے لئے اللہ کے سامنے جھکتی ہوں اس امید کے ساتھ کہ وہ بہت بخشنے والا ہے۔ ہاں البتہ میری فطرت ہی اداسی شامل ہے۔ بہت کڑھتی ہوں خراب حالات پہ غلط رویوں پہ اور سب سے بڑھ کر مذہب کے حوالے سے جہالت پہ، پردے کی

www.pkdigest.com

پابند نہیں ہوں صرف کوشش کرتی ہوں کہ پردہ کر سکوں جس میں اکثر ناکامی ہی ہوتی ہے ہاں الگ تھلگ ضرور ہوں کسی سے جلدی فرینک نہیں ہو سکتی کنز کہہ سکتی ہوں راز کی بات ہے کنز قسم کے لوگوں کو لوگ پسند نہیں کرتے شاید اس لئے کہ لوگ اس فارمولے پہ چلنا چاہتے ہیں جیو اور جینے دو اب اگر ہم ایسا ہونے دیں تو مذہب کی تبلیغ کا کام کیسے کیا جائے۔ جیسے یہ بھی تو گناہ ہے نا کہ میں کہانیاں لکھتی ہوں حالانکہ افسانہ گوئی کی اسلام میں اجازت نہیں اور میں اپنے شوق جنون میں مبتلا ہوں بے بس ہوں اور اپنے اللہ کے سامنے شرمندہ بھی۔

جہاں تک کہانیوں کی بات ہے تو ڈیئر میں کہانیاں آپ لوگوں کے لئے ہی لکھتی ہوں تفریح کے لئے، کو تو اگر اس میں اپنی ذات کو موضوع بنا کر لکھوں گی تو چند ایک کہانیوں کے بعد ہی لوگ بے زار ہو جائیں گے۔ میری کہانیوں کو میری ذات کے حصہ سمجھ کر نہ پڑھیں یہ مجھ سے بہر حال الگ ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ کہانی کار خود اپنی کہانی میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوتا ہے۔ جی ہاں میری کہانی کا ہر ناصح چاہے وہ معاذ ہو یا احد مرتضیٰ ہو یا مومنہ یا پھر آئمہ۔ اسے آپ سمجھیں وہ مریم ہی ہے۔ جو غیر مذہبی رسومات پہ ناگواری اور مخالفت کا اظہار کرے جو مذہب کی تبلیغ کرے آپ نے شاید غور نہیں کیا ورنہ میں اپنی کہانیوں میں تھرڈ کلاس رومانس نہیں دکھاتی اور دوسرے بالخصوص غیر محرم کے حوالے سے ضرور فاصلے دکھاتی ہوں جیسا کہ کزنز کے آپس میں بے تکلفی کا ماحول ہاتھ پکڑ لینا کندھے پر سر رکھ دینا۔ میری کسی بھی کہانی میں بالخصوص ہیروئین کے حوالے سے ایسی کوئی بات نہیں ملے گی اگر آپ سمجھیں تو یہی میرے قلم کی تبلیغ ہے۔

سندس یار ویری سوری میں نے تمہارا ناول نہیں پڑھا تھا ورنہ ایک لائن کیا چار پانچ لائنوں میں تعریف ضرور کرتی ویسے اب خوش ہو جاؤ میں نے تمہارا افسانہ پڑھا ''دھند کے بعد'' اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تمہارا قلم صرف میچور ہی نہیں بہت ستھرا بھی ہے۔ سو کیپ اٹ اور ہاں یہ بھی نوٹ کر لو میں تمہاری ناراضگی افورڈ نہیں کر سکتی کنول آپ کو کیا ہو گیا بھئی طبیعت کیوں خراب ہے وضاحت تو کی نہیں اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر شفایابی کی استدعا کے ساتھ اجازت۔

اُم مریم ہمیشہ کی طرح آپ کا اس محفل میں آنا ہمیں بے حد اچھا لگا۔ تمہارا خط میں مکمل شائع کر رہی ہوں، اب دیکھتے ہیں ہماری مصنفین ساتھی کیا کہتی ہے۔ ہماری طرف سے تمہارا ایک بار پھر اس محفل کو رونق بخشنے کا شکریہ اور ہاں ہم نے تمہارے لیے بہت ساری دُعائیں کی ہیں مجھے یقین ہے جب تمہیں یہ پرچہ ملے گا کہ تم نے بیماری کو بھگا دیا ہوں گا اور ہنسی مسکراتی بالکل صحت مند کاغذ قلم پکڑے خیالات کے سمندر میں لفظوں کے موتی تلاش کر رہی ہو گی اپنے قارئین کو اپنی اگلی تحریر سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپنا خیال رکھنا اور یاد رکھو ام مریم ایک فرد نہیں ایک انجمن کا نام ہے، خوش رہو ہمیشہ اپنے پیاروں کے ساتھ۔ کنول کے سلسلے میں ہم یہاں بتاتے چلیں دسمبر میں اُن کے پاؤں تلے جنت آ گئی ہے، یعنی وہ ایک پیاری سی گڑیا کی مما بن گئی ہے'' اب دونوں جلدی سے اپنی خیریت کے اس محفل حاضر ہو جاؤ۔

ظل ہما ساہیوال سے لکھتی ہیں۔

میں آپ حنا کو تقریباً چار سال سے پڑھ رہی ہوں، کس قیامت کے یہ نامے، کی بدولت سبھی دوستوں سے غائبانہ ملاقات تو ہے ہی، ان سب کی تحریریں دیکھ کر مجھے بھی شوق ہوا، کہ کیوں نہ میں بھی آپ کی محفل میں شامل ہو جاؤں، اگر آپ کی اس خوبصورت بزم میں میرے جگہ ہو تو پلیز؟

اس مرتبہ حنا غیر متوقع طور پر پانچ فروری کو ہی مل گیا نور کہ ٹائٹل سے بجا بے حد خوبصورت دکھائی دے رہا تھا، حمد و نعت اور پیارے نبی کی دل میں اُترنے والی باتوں سے مستفید ہوتے ہوئے انشاء جی ملنے اُن کی بزم میں پہنچے جہاں وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکراہٹیں بکھیر رہے تھے۔ سویرا پاشا سے ہیلو ہائے کی اور سلسلے وار ناول ''میرے ساحر سے کہو'' کی طرف بھاگے اُم مریم آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ میری توقع پر پوری اُتری مجھے یقین تھا کہ آگے چل کر ماہ نور کا دماغ ٹھیک کرنے کے لیے ایک اور کردار سامنے آئے گا اور وہ آپ لے آئیں۔

پریشے کی صورت، پریشے کے آنے سے کہانی میں جان پڑ گئی ہے آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ فرحت شوکت کا سلسلے وار ناول ''پیاسا دشت'' ابھی اپنی طرف متوجہ نہیں کر پا رہا، باقی ناول، ناولٹ اور افسانے بے حد اچھے تھے، ''موسم گل کی دستک'' کی تو کیا بات ہے فوزیہ غزل نے بے حد اچھا لکھا۔ سپاس گل کا مکمل ناول بھی بہترین تھا۔ ''وادی دل کا موسم'' مبشرہ ناز کی تحریر کافی اُلجھی ہوئی تھی، افسانوں میں، تحسین اختر کا افسانہ، اک ستارہ مہرباں اور سمیرا ممتاز خاں کا افسانہ، ''محبت یوں بھی ہوتی ہے'' متاثر کن تحریریں تھی۔ اس بار بیاض میں بھی دوستوں کی پسند بے حد اچھی تھی، حاصل مطالعہ، رنگ حنا، میری ڈائری سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے حنا کی محفل کی تو کیا ہی بات ہے اور سب سے پسندیدہ سلسلہ دستر خوان بے حد مزیدار تھا، خبر نامہ میں عبداللہ بھائی اداکاروں کی خوب خبر لیتے ہیں۔

ظل ہما آپ اس محفل میں پہلی مرتبہ آئی ہیں، خوش آمدید چندا آپ کے لیے اس محفل میں ہی نہیں ہمارے دل میں بھی بہت جگہ ہے، آیئے آپ ادھر ام مریم کے ساتھ ہی بیٹھ جائیں دیکھیں بھی دوست آپ کی آمد سے کتنا خوش نظر آ رہے ہیں۔

آپ کو کیسا لگا ضرور بتائیں گا، فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، اب آپ نے باقاعدگی سے اس محفل میں آنا ہے ورنہ ہم ناراض ارے نہیں ہم آپ کا انتظار کریں گے۔ شکریہ

ثنا حسین کی ای میل ہمیں پشاور سے موصول ہوئی ہے۔

ماہنامہ حنا اپنے خوبصورت ٹائٹل سمیت موصول ہوا ہمارے ہاں ایک مسئلہ ہے کہ حنا بہت لیٹ موصول ہوتا ہے۔ لیکن جب ملتا ہے، تو ساری کوفت دور کر دیتا ہے کیونکہ اس کے تمام افسانے، ناولٹ اور ناول وغیرہ زبردست ہوتے ہیں۔ اب میں اس طرف چلتی جس کی وجہ سے میں آپ سے مخاطب ہوں۔

فرحت شوکت کا سلسلے وار ناول، پیاسا دشت، میں فرحت جی نے دینی مدرسوں کے مسائل

نگینہ برائے حصول برکات

بعض روایات کے مطابق نبی کریمؐ کے ہاتھ میں نگینہ عقیق کی انگوٹھی کو دیکھا گیا اور حضرت علی شیر خدا نگینہ فیروزہ کی انگوٹھی بڑے شوق سے پہنا کرتے تھے۔ اسی طرح آئمہ طاہرین، اولیا اللہ، امام و بندگان خدا نگینوں کا استعمال کرتے رہے ہیں۔ یہ دافع آفات ناگہانی، موذی امراض، وحادثات ہیں۔ اگر صحیح نگینہ منتخب کر کے اصول کے مطابق پہنا جائے تو اللہ کے فضل و کرم سے مشکل کشائی، فراوانی رزق، فتح و نصرت قبولیت دعا و حصول برکات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

مبارک نگینہ کے حصول کے لئے رابطہ

محمد عمران راؤ (سٹون ایکسپرٹ) ستیانہ روڈ فیصل آباد

فون 041-8546602

موبائل 0300-8901565

www.astroluckygems.com

www.pkdigest.com

کو اٹھایا ہے، تو دوسری طرف یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ یہ علماء حضرات بظاہر جو نظر آتے ہیں ویسے نہیں ہیں ان کے ظاہر اور باطن میں فرق ہوتا ہے اس کے علاوہ ''ایڈز'' جیسے نازک مسئلہ کو انھوں نے موضوع قلم ہے کیا فرحت جی اس سے انصاف کر پائیں گی۔ معذرت کے ساتھ، فرحت اپنی تحریر میں خاصی کنفیوض نظر آ ہی ہیں۔ بے حد اُلجھی ہوئی، یوں جیسے مجبوری میں بندے کوئی کام کرے دیکھتے ہیں آگے چل کر وہ کیا دکھانے والی ہیں۔ اس کے برعکس ام مریم کی تحریر پر گرفت کافی مضبوط ہے باقی تمام تحریری اچھی لگی، آپ پرانے دوستوں کو آواز دیں سب کدھر ہیں، اور یہ بتائیں کہ کیا ہم مستقل سلسلوں میں شرکت کے لیے اپنی تحریریں ای میل کے ذریعے بھیج سکتے ہیں۔

ثنا حسین، آپ کے اس مختصر سے تبصرے، اور پسندیدگی کا شکریہ آپ کی رائے فرحت تک پہنچائی جا رہی ہے دیکھتے ہیں وہ کیا کہتی ہیں، آپ اپنی رائے ہمیں، ای میل ذریعے بھیج سکتی ہیں مگر مستقل سلسلوں میں شرکت کے لئے آپ اپنی تحریریں آفس کے ایڈریس پر پوسٹ کریں، ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے۔ شکریہ

طاہرہ مصطفیٰ اوکاڑہ سے ای میل کرتی ہیں ''حنا'' اپنے خوبصورت ٹائٹل کے جلوے بھیکرتا ہوئے سات فروری کو ملا جسے دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، ابتدا خوبصورت حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی پیارے نبی کی باتیں پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔

دونوں سلسلے وار ناول پڑھے بے حد پسند آئے مکمل ناول میں فوزیہ غزل اور سپاس گل اپنی تحریروں سمیت جلوہ گر تھیں اچھا لکھا، افسانوں میں، سمیرا ممتاز خاں نمایاں رہی جبکہ ناولٹ کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکے، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ میں فوزیہ غزل اور نویدہ نوید کی پسند اچھی لگی۔ رنگ حنا تو ہے ہی مسکراہٹیں بھیکرتا، بیاض اور ڈائری میں سبھی ساتھیوں کا ذوق اچھا لگا آپی آپ پلیز نعمان عجاز، ماہ نور بلوچ، صنم بلوچ، میکائل اور صبا حمید سے ضرورت ملاقات کروائیں اور پلیز یہ بھی بتا دیں کہ کیا صنم بلوچ، ماہ نور بلوچ کی بیٹی ہیں۔

طاہرہ مصطفیٰ اس محفل میں خوش آمدید۔ فروری کے حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے انشاء اللہ بہت جلد پورا کریں گے ماہ نور کی ایک بیٹی ہے ضرور لیکن وہ صنم بلوچ نہیں، ہم آئندہ بھی آپ کی محبتوں اور خلوص کے منتظر رہیں گے اپنی رائے کے ساتھ اس محفل میں شرکت کرتی رہیے گا۔ شکریہ۔

شازیہ چوہدری شیخوپورہ سے لکھتی ہیں۔

اس ماہ کی ٹائٹل گرل بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ بالکل حنا کی طرح۔ آپ سے ایک گزارش ہے کہ اپنا انٹرویو شائع کریں جیسے کہ شعاع کی رضیہ جمیل کا ہوتا ہے آپ کی ذاتی زندگی کے متعلق بھی تو ہمیں جاننا ہے۔ اس ماہ کی سب ہی کہانیاں معمول کے مطابق ہیں۔ آخر میں ایک شعر آپ کی دوستی کے نام۔ امید ہے آپ کو ضرور اچھا لگے گا۔

دوستی امتحان نہیں پیار مانگتی ہے
نظر کچھ اور نہیں تیرا دیدار مانگتی ہے
زندگی اپنے لئے تو کچھ نہیں بس
تیرے لئے ''دعا'' ہزار مانگتی ہے

آخر میں اس امید کے ساتھ آپ ضرور جواب دیں گے۔

شازیہ خوش رہو۔ آپ کا انتہائی مختصر خط ملا چندا کبھی حنا کی تحریروں کے متعلق اپنا تبصرہ اور رائے بھی لکھو۔ رہی میرے انٹرویو کی بات تو سوچو آپ تو ہمارے اتنے نزدیک ہو، کسی دن آفس آ جاؤ تو مل بیٹھیں گے آپ میرا انٹرویو کرنا میں آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ کی آمد اور قطعہ کے لیے شکریہ ☆☆☆

www.pkdigest.com